پاکستان اور ہندوستان کے سیاسی تعاون و تصادم
کے بارے میں بے لاگ تجزیاتی جائزہ

پاک و ہند

تعلق یا تصادم

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) عبدالرحمٰن صدیقی

پاک و ہند

تعلق یا تصادم

ہندوستان اور پاکستان کے سیاسی تعاون وتصادم کے بارے میں بے لاگ تجزیاتی جائزہ

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) عبدالرحمٰن صدیقی

دیباچہ

تجزیات مطالعہ کے لئے تاریخ کا ادراک بہت ضروری ہے تاریخ کے فلسفہ سے بہرہ ہوکر ہی تاریخ کے حقیقی واقعات کے مناظر ہیں کسی واقع کو سمجھا جاسکتا ہے پاکستان کی بھی ایک تاریخ ہے گو اس کی تاریخی عمر ۴۳ برس ہے مگر اس کی تاریخی لڑائیاں ماضی میں بہت دور تک پروئی ہوئی دیکھی جاسکتی ہیں اور ان ہی کڑیوں کو جوڑ کر حال میں پاک و ہند تصادم، تعلقات پر ایک سیر حاصل تجزیاتی بحث ممکن ہے زیر مطالعہ کتاب میں جناب عبدالرحمٰن صدیقی صاحب نے پاک و ہند تعلقات کے حوالے سے ایک مکمل تجزیاتی بحث کی ہے ان دونوں آزاد ریاستوں کے باہم ۴۳ سالہ دور جو بلاخیز تلاطم سے گزرے ہیں اور آج بھی ان میں کوئی ٹھراؤ نہیں آسکا ہے گو کہ اچھے تعلقات کے مستقبل میں اشارے ملتے ہیں ان نشیب وفراز کی کہانی کا تاریخی حوالے سے دلنشین انداز قارین کے لئے ''زادذہن'' ہے گو عبدالرحمٰن صدیقی صاحب ان گزارشات کو روزنامہ جنگ میں وقفہ وقفہ سے شائع کرتے رہیں گے مگر اس کتابی صورت میں نذر قاری کرنا ایک سیاست کے طالب علم کے لئے ذہنی خدمت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دو مملکتوں کے تعلقات میں داخلی اور خارجی دونوں عوامل کے اثرات واضح ہیں خصوصی سے داخلی عوام کے محض ۴۳ برس میں چار جنگیں ہزاروں سرحدی جھڑپیں لاکھوں اندرونی فسادات، اور ہزار ہا بلکہ لاکھوں افراد لقمہ اجل بنا جانا پاکستان کا محض ۵۲ سال بعد دولخت ہوجانا محض واقعات ہی نہیں ہیں بلکہ دو آزاد ریاستوں کے باہمی تعلقات پر آسیبی اذہان سایہ فگن ہیں پھر پاکستان کے داخلی امور پر ان تعلقات کا اثر بار بار مارشل لاء کا لگنا ہے ۔ کل کیا ہوگا

کا روزمرہ بن جاتا ہے افغان جنگ گورکلاشنکوف کلچر کا پروان چڑھنا ان سب کی جڑیں برصغیر ہندو پاک میں ۴۷ سے پہلے چلی جاتی ہیں اس لحاظ سے ہندوستان میں ہمیں علیحدگی پسند گروہوں کی مزاحمتی کشمیر ہو یا مشرقی پنجاب تامل ناڈو ہو یا ساؤتھ انڈیا کے علاقہ جات اور پھر باہ الزامات کی بوچھاڑ ہندوستان میں'' سندھ کارڈ'' کی بازگشت کو پاکستان میں مشرقی پنجاب میں واقعات کی اہمیت ان تمام سوالوں نے تاریخی پس منظر میں دونوں ریاستوں کے تعلقات کو بالکل نافہم نہ سہی مگر آجکل ضرور بنا دیا ہے لہٰذا سیاست سے عالمانہ دلچسپی رکھنے کے لئے بھی اس موضوع کو مشکل نہ سہی دقیق ضرور کر دیا ہے۔ جناب عبدالرحمٰن صدیقی صاحب جو اپنی ذات میں خود بھی ایک تاریخ ہیں خصوصیت سے باہم تعلقات کے حوالے وہ خود ایک کڑی بھی سمجھے جاسکتے ہیں۔لہٰذا انہوں نے ماضی میں بصیرت کے جھوکے سے جھما کا ہے اور تصادم کے واقعات کا ذمہ دار میری دانست میں محض لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو گردانا ہے ماوئنٹ بیٹن کا نام محض ایک شخصیت کا نام نہیں بلکہ فرنگی ریشہ دوانیوں اور استداء اور سامراجی استحصال کا نشان ہے گو کہ تاریخی گرہوی چپقلشوں سے بھری پڑی ہے مذاہب اور اعتقادات کی بنیاد پر لڑائیاں لڑی گئی ہیں مسلکوں کی جنگ ہوتی ہے زبان اور رنگ پر کٹ رہے ہیں ثقافت اور تہذیبی جنگوں کا ذکر ہی کیا یہ سب کچھ آج بھی ہو رہا ہے برصغیر کا ماضی بھی اسی سب کچھ سے عبارت ہے مگر پھر بھی برصغیر میں یوں دو اقوام خصوصیت سے مسلمان اور ہندو ہزاروں سال سے رہتے چلے آئے ہیں جب سے مسلمانوں نے برصغیر کو اپنا مسکن بنایا ایک نئی تہذیب کے جنم کی وجہ بن گئے مگر انگریز کے آنے کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک کی تاریخ بھیانک ہے اور اس کا لفظ آخر لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہے دوسرے عوامل سے انکار نہیں مگر عبدالرحمٰن صاحب کے نکتہ نظر سے آج تک کے تعلقات اور تصادم کی بیش تر ذمہ داری لارڈ ماؤن بیٹن پر ہی عائد ہوتی ہے فرنگی استداء کو استحصال کیلئے

مذہبی اور گروہی منافرت کو سائنسی انداز میں ابھارا اسی کی نقل آج تک ہورہی ہے اگر تیسری دنیا کی اقوام ظاہرہ اپنی گروہی اور مذہبی آگ میں جلتے رہیں مگر ''بعد نظر'' میں وہ سازش کار فرما نظر آتی ہے لہٰذا جس انداز سے تصادم اور نفرتوں کو برصغیر کی دو بڑی اقوام سے سرائیت کیا گیا اس کا منطقی نتیجہ ملک کی تقسیم پر منتطیق ہوا بہرحال ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تقسیم کے بعد حالات اور واقعات کو اس انداز سے ابھرنا تھا کہ چپقلش کی بنیادوں کو اگر ڈھایا نہ جاسکتا تو کم از کم ترقی کے لئے کم کیا جاسکتا تھا مگر غیر مرئی پہلوان واقعات اور نفرتوں کا ان دونوں ریاستوں کے تعلقات کے لئے سوحان روح بن چکا ہے گویا ماؤنٹ بیٹن کی روح ابھی تک برصغیر پر محیط محسوس ہوتی ہے لہذا ماضی باہم تعلقات کے بہتری کی طرف جانے نہیں دیتا پاکستان میں آنے والے مسلمان اور یہیں پر رہنے والے مسلمانوں کے اذہان کے تقسیم کے بعد کم از کم تقسیم کے کرب کو (FATC ACCONLI) کی طرح منظور کرلیا اور ذہنی طور سے تیار پایا کہ ہندوستان سے تعلقات برابر کی بنیاد پر استوار کئے جاسکتے ہیں مگر شاید ماؤنٹ بیٹن کی روح ہندوستان کی قیادت میں زیادہ حلول ہے اور ابھی تک تقسیم کے عمل سے سمجھوتہ نہیں کر پائے ہیں اور اس کی وجہ صرف ماؤن بیٹن ہیں جس نے ان نفرتوں کو پروان چڑھایا اور جس کے ڈنڈے آریاؤں کی آمد سے لے کر محمد بن قاسم کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گونج تک سے ملتے ہیں مغل دربار، محمود غزنوی کی فتوحات جو سب پورے ہند پر اثر پذیر ہے مگر انگریز عملداراری نے ان تمام واقعات کے ارتعاش سے ہندوستان کے ذہنوں کو ''ایک معاندانہ'' نفرت کی بنیاد بنا دیا ہے اور لاشعوری طور پر ہندوستان پاکستان کو بھی محض تاریخ کے وارث کی حیثیت سے دیکھتے ہوئے ایک غیر مرئی مخالفت چاہتا ہے۔ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) عبدالرحمٰن صدیقی صاحب کی دورسی نگاہوں سے یہ تمام تاریخ اوجھل نہیں ہوتی بلکہ انہی حوالوں

سے وہ حال تک پہنچتے ہیں اور مستقبل کیلئے لمحہ فکریہ یہ بھی عطا کرتے ہیں ان کی نوک قلم پاک و ہند تعلقات کے حوالے سے تاریخی لمحات کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے اور یہی ضرورت بھی ہے کیونکہ صرف حال میں رہ کر محض رسمی سفارتی اداب کو ملحوظ کرتے ہوئے دو ریاستوں کے تعلقات استوار نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان حالات اور وجوہات کا احاطہ ہو سکے جن کی کڑیاں ماضی سے پیوستہ ہیں۔

بہرحال زیر نظر کتاب سے قاری کو پاک و ہند تعلقات کے حوالے سے بہت کچھ سمجھ میں آئے اور کیا ہوا'' اور کیا ہونا چاہیئے'' دونوں ہی ایک دوسرے میں پیوستہ محسوس ہوں گے۔ بریگیڈیئر (ریٹائر) عبدالرحمٰن صدیقی صاحب قابل مبارک باد ہیں ابھی انکی انگلیاں ''فگار'' نہیں ہیں اور نہ وہ ''یاسست'' کو قریب آنے دیتے ہیں لہذا ''زور قلم'' اور زیادہ کے مصداق ان سے ہم اور ''بہت کچھ'' لکھنے کے حوالے سے پرامید ہیں جو جلد ہی نظر قاری بھی ہوگا۔

''شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات''

جاوید احمد صدیقی

پاک و ہند۔ تعلق یا تصادم

یہ تلخ حقیقت ہمیں تسلیم کر لینی چاہئے کہ بحیثیت دو آزاد اور خود مختار مما لک کے پاکستان اور ہندوستان کا قیام چونکہ تشدد اور تصادم کے انتہائی سنگین اور نا قابل فراموش حالات میں ہوا اس لئے ان دونوں ملکوں کے مابین وقفے وقفے سے ہونے والے ٹکراؤ اور اس کے نتیجے میں کشیدگی فضا کا قائم ہونا لازمی تھا برصغیر کی تقسیم کے وقت جو گہرے زخم ان دونوں پر لگے اور جو مختلف النوع صدمے ان دونوں آزاد مما لک نے برداشت کئے ان کا مداوا ایک یا دو نسلوں میں ممکن نہیں۔ اس جرات صدمے اور حادثے کی نوعیت غیر متوقع، نا گہانی لیکن نا قابل تردید سنگین ہونے کی بناء پر انتہائی شدید تھی اور تاریخی لحاظ سے انتہائی دیرینہ اور پیچیدہ بھی نہیں ذرا گہرائی میں جا کر دیکھئے تو ان کے اسباب وطلال کی جڑیں پیچ در پیچ دور تک برصغیر کے ماضی کی تاریخ میں پھیلی ہوئی نظر آئی گی لیکن یہاں ہمیں اسباب علل سے اتنی غرض نہیں جتنی کہ نتائج وعواقب سے اور نتائج اور عواقب کے اعتبار سے یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ سولھویں صدی کے نصف آخر سے برصغیر کی تقسیم کے وقت یعنی اکبر اعظم کے زمانہ سے ہندو مسلم اتحاد کی جو کوششیں با قاعدہ اور منظر طور پر جاری تھی اور جن کا سلسلہ قائد اعظم محمد علی جناح کے کیبنٹ مشن پلان کو تسلیم کرے تک برابر جاری رہا۔ وہ تقسیم ہند کے ساتھ ہی چشم زدن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئیں ہر چند کیبنٹ مشن پلان کی بنیاد ڈھیلے ڈھالے ہندوستانی وفاق پر رکھی گئی تھی جو مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی نفی کے مترادف تھا لیکن مسٹر جناح نے اسے تسلیم کیا تو ہندو مسلم اتحاد کے سفر کی حیثیت سے اور غرص اس سے یہ تھی کہ ان کی جانب سے ہندوستان کو متحد رکھنے کی ایک آخری کوشش بھی تاریخ کے ریکارڈ پر آجائے ادھر آل انڈیا کانگریس نے اپنی جی میں کچھ اور ہی ٹھان رکھی تھی لہذا اس نے گاندھی جی کی شہہ پر منصوبہ کو من وعن تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خود ساختہ توجیہات وتاویلات پیش

کر کے اس کی شکل بگاڑنی شروع کر دی جبکہ منصوبہ سازوں کی شرط اول ہی یہ تھی کہ منصوبہ یا تو جوں کا توں تسلیم کیا جائے یا مکمل طورر پر رد کر دیا جائے کیوں کہ موشگافیوں کا سلسلہ اگر ایک بار شروع ہو جائے تو پھر منصوبہ کا مسخ ہونا لازمی تھا مگر تاریخی شواہد کے بعد جب آل انڈیا کانگریس نے نہ صرف یہ کہ حیل وحجت سے کام کرایا بلکہ جواہر لعل نہرو نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ کیبنٹ مشن منصوبہ کے تحت متحدہ ہندوستان کیلئے جو آئین ساز اسمبلی بنے گی وہ اور انکی پارٹی بالکل آزاد ہوں گے اور وہ فی نفسہ آزاد اور خود مختار ہوگی اور اسکی کارکردگی کسی منصوبے کے دور کی پابند نہیں ہوگی نتیجہ یہ کہ پنڈت جی کے اس بیان سے منصوبہ کا مقصد ہی فوت ہو گیا اور ہندوستان کو یکجا رکھنے کی آخری سیاسی کوششیں بھی ناکام ہو کر رہ گئیں۔

گو بعد میں آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا کانگریس دونو کے نزد نمائنوں نے اسی پلان کے تحت مخلوط حکومت ضرور بنائی مگر اس وقت تک سیاسی حالات بہت تبدیل ہو چکے تھے۔آل انڈیا مسلم لیگ کے رست اقدام کے بعد کلکتہ میں خون ریز ہندو مسلم فساد ہو چکا تھا اور اس کے بعد بنگال، بہار، یوپی اور دوسرے کئی صوبوں کے متعدد علاقے بھی بتدریج باہمی تصادم کی زد میں آ چکے تھے ایسے میں لفافہ کھولے بغیر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا تھا کہ برصغیر کے خط تقدیر کی ہر سطر انسانی خون سے رقم لی گئی ہے۔

برصغیر کی تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے وقت باہمی تصادم کے ماحول اور کشیدگی کی حقیقت اور موجود فضا کے اس انتہائی سرسری سیاسی جائزہ کے بعد اب ہم اس کے عسکری تجزیہ کی طرف آتے ہیں جو ہمارا اصل موضوع اور حقیقی مدعا ہے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے قیام کے فوراً بعد ہی ہندو مسلم تصفیہ یا تو سرے سے طے پا جاتا یا پھر اس کی صورت محض ایک داخلی معاملہ اور اندرونی مسئلہ کی رہتی مگر اس کے بجائے یہ ہوا کہ تقسیم برصغیر کا یہ عمل بجائے خود ایک بین الملکتی بحران کا پیش خیمہ بن گیا اور ماضی کی فرقہ وارانہ کشیدگی اور کشاکش نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کر لی۔اگر غور سے دیکھا جائے تو جو تین جنگی کارروائیاں اور بے شمار سرحدی مسلح تصادم ۴۷ء سے ۷۱ء تک ہندو پاکستان کے مابین ہوئے ان کی کوئی اور توجیہ بجز فرقہ وارانہ ذہنیت کے ممکن نہیں۔یہی وہ ذہنیت تھی جس نے تقسم ہند کو ناگزیر بنا دیا اور خود مسئلہ کشمیر بھی اسی ذہنیت

کی وجہ سے پیدا ہوا ورنہ اورر کیا وجہ تھی کہ ہندو اقلیت کے نمائندہ راجہ ہری سنگھ نے پاکستان کے بجائے ہندوستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا ہر چند کہ جغرافیہ، مذہب تہذیب وتمدن اور تقسیم ہند کی سیاسی منطق سب کا مجموعی تقاضہ تھا کہ کشمیر بلا تامل پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کرتا مگر یہ بھی ہندو ذہنیت ہی تھی جو ہی سنگھ کے غلط فیصلہ کا سبب بنی اور ہندو پاکستان کی آئندہ کئی نسلوں کے لئے مسلح تصادم کی راہ ہموار کر گئی اب دیکھنا یہ ہے کہ فرقہ وارانہ تصادم اور ذہنیت کو باقاعدہ جنگی کارروائی کی راہ پر کس نے ڈالا؟ جواباً میرے ذہن میں صرف ایک نام آتا ہے اور وہ گورنر جنرل ہندوستان لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کا نام ہے یہاں یہ بات واضح رہے کہ میں ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان اور پاکستان کے مابین فرقہ وارانہ تصادم اور کشیدگی کی فضا کا براہ راست ذمہ دار نہیں ٹھرا رہا کہ اس کے اسباب تو نسبتاً قدیم اور تاریخی نوعیت کے ہیں جن کا ماؤنٹ بیٹن سے کوئی تعلق نہیں البتہ میں یہ دعوے ضرور کر رہا ہوں کہ جس شخص نے ہندو مسلم تفریق کے فتنہ کو باقاعدہ دوطرفہ جنگ کی شکل دے دی اس کا نام ماؤنٹ بیٹن ہے۔

میرے نزدیک یونانی دیومال کے مشہور نرگسی کردار نارسیس کے بعد تاریخ میں ایسی شخصیتیں کم ہی ملیں گی جو خود فریبی، خودنمائی اور نگر یست زدگی میں ماؤنٹ بیٹن کے مقابلہ پر آسکیں، کرنل T.E Lawrence کے ناقد تو Lawrance of Arabia کے حوالہ سے بھی اسے Shamless Exibitions یعنی بے شرم خود پرست کہا کرتے تھے مگر لارنس ماؤنٹ بیٹن کے برعکس ایک ممتاز دانشور بھی تھا اور اس کی کتاب کا شمار انگریزی ادب کی چوٹی کی کتابوں میں ہوتا ہے جب کہ ماؤنٹ بیٹن برطانوی بحریہ کا محض ایک پیشہ ور افسر تھا اور اس کے لئے تمام تر وجہ افتخار یا تو اس کی سحر انگیز پر کشش ارر جاذب نظر شخصیت تھی یا برطانوی شاہی خاندان سے اس کا براہ راست رشتہ مگر ازل تا آخر وہ تھا ایک Play boy ایک بانکا ایسا کھلنڈرا جو اگر شاہی بحریہ اور شاہی خاندان سے تعلق نہ ہوتا تو یقیناً ہالی ووڈ کی فلموں میں کاسانووا Casanona اور ولیٹیونو Valentiono کا کردار

انتہائی مہارت سے ادا کرتا۔

ماؤنٹ بیٹن تقسیم ہند کا معمار تو نہیں مگر نگران یاOver Seer ضرور تھا تقسیم ہند میں اسے برطانوی مقدا اور خود فرد غی وخود نمائی کا انتہائی عمدہ موقع نظر آیا بعداز جنگ کی ناگفتہ بہ صورتحال اور مسائل کے باعث برطانیہ کے لئے ہندوستان کو سنبھالنا ممکن نہ رہا تھا دوران جنگ ہندوستان میں پیدا ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کے باعث پاکستان محض اب ایک سیاسی پارٹی کے مطالبہ کا نام نہ تھا بلکہ مسلمانان ہند کی غالب ترین اکثریت کا متفقہ فیصلہ بن چکا تھا علیحدہ مسلم ریاست کی تشکیل اب ناگزیر تھی سوال صرف وقت کا تھا ماؤنٹ بیٹن نے اس بدیہی حقیقت کو تسلیم کیا اور تقسیم برصغیر کے عمل کو تیز تر کر دیا۔اسی کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ہندوستان کا آخری وائسرائے بنے اور ہندو پاکستان کا پہلا مشترکہ گورنر جنرل بنے وہ ان لوگوں میں سے تھا جو خود کو حالات وعقات کا مرکز ومحور سمجھتے ہیں اور واقعات کی نقش گری اپنی خواہشات کے مطابق کرنے کی دھن میں خود ہی سب کچھ کر کے اپنے بعد آنے والوں کے لئے کچھ باقی چھوڑنا نہیں چاہتے فرانس کے اس بادشاہ کی طرح جسکے نام کے ساتھ After Me The Deluge کا محاورہ منسوب ہے یعنی میرے بعد طوفان ہی آتا ہے تو بے شک آئے لیکن میں من مانی کر کے ہی رہوں گا۔

چنانچہ برصغیر کی تقسیم کا وہ عمل جو برطانوی کابینہ کے فیصلے کے مطابق اکتوبر 1948ء میں تمام ہونا تھا اسے 14 اگست ک 1947ء کو مکمل کرنے کا فیصلہ کر کے ہندوستان میں اپنی آمد کے چار ماہ بعد اس نے تقسیم ہند کا فارمولا ماؤنٹ بیٹن پلان کی شکل میں پیش کر دیا اور اسکو اس ہوش ربا تیزی سے آگے بڑھایا کہ تقسیم بنگال و پنجاب جو ماؤنٹ بیٹن پلان کے اصل ستون تھے کے عملی نتائج پر غور کرنے کی مہلت تک نہ دی تبادلہ آبادی کی کیا صورت ہوگی اقلیتوں کا کیا حشر ہوگا اور تقسیم ملک کے ساتھ ساتھ دو بڑے صوبوں کی تقسیم کا اثر امن عامہ پر کیا مرتب ہوگا ایسے کتنے ہی اہم ترین سوالات اس صورتحال میں پدیا ہوئے تھے مگر ماؤنٹ بیٹن کی عجلت پسندی کے سبب سے ان میں سے کوئی بھی زیر غور نہ آسکا ماؤنٹ بیٹن جملہ ہندوستانی لیڈروں کے مقابلہ میں کم عمر، صحت مند، محنتی اور ڈسپلن کا پابند تھا۔وہ جسمانی توانائی اور ر انتھک کام

کے معاملہ میں اپنے مدمقابل تمام لوگوں کو ہرا سکتا تھا اور اس نے واقعی سب کو اس کے میدان میں شکست دے دی مزید برآں وہ ایک تجربہ کار فوجی ہی نہیں بلکہ جنوب مشرقی ایشیا میں اتحادافواج کا سپریم کمانڈر بھی تھا لہذا اس نے برصغیر کی آزادی کا نازک لیکن پیچیدہ ترین مسئلہ خاصل فوجی انداز میں نہایت برق رفتاری سے نمٹانے کی کوشش کی، نمٹا تو دیا مگر اس پر ہمیشہ کے لئے فوجی چھاپ لگا دی۔

تاریخ آزادی ہند کے کسی مورخ نے شاید ہی اس نکتہ پر توجہ دی ہو کہ آزادی ہند کا عمل دو فوجی کمانڈروں کی زیرنگرانی تکمیل کو پہنچا ان میں پہلا تو فیلڈ مارشل لارڈ آرچی بالائی دیول تھا اور دوسرا ایڈمرل لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن، اوالالزکر ایک عظیم فوجی تھا اور عسکری تاریخ میں اس کا مرتبہ ثانی الذکر سے بلند تر ہے بلکہ دوسری جنگ عظیم کی تاریخ کا جہاں تک میرا ذاتی مطالعہ وتجزیہ ہے اس کے مطابق تو ماؤنٹ بیٹن سپریم کمانڈر کے اعلیٰ ترین عہدہ کے سوا اور کہیں امتیازی حیثیت ہیں نظر ہی نہیں آتا اس کے جنگی کارنامے بھی اس کے عہدہ اورشہرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں جب کہ فیلڈ مارٹل ویول پہلا وائسرائے ہند تھا جس نے آل انڈیا کانگریس کی ہندوستان چھوڑ دو تحریک اور آل انڈیا مسلم لیگ کے راست اقدام کے مضمرات کو سمجھے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب ہندوستان میں برطانیہ کا بطور حکمران مزید ٹکنا ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار ہوگا لہذا برطانیہ کو ممکنہ سول وار اور خون خرابے سے قبل اختیارات مقامی سیاسی جماعتوں کو بلا جبر وراہ منتقل کر دینے چاہئیں۔ انتقال اقتدار کا منصوبہ بھی اس نے وقع کیا جس کا نام گائی ہوئی بہر کا عمل تھا اس منصوبے کے مطابق برطانوی شہری حکام اور افواج کو بتدریج ہندوستان خالی کرنا تھا اور ان کی جگہ مقامی شہری اور فوجی حکام کا تقرر کرنا تھا اس عمل کی تکمیل پر بیشتر ہندوستانی صوبوں میں ہندوستانی حکام کی عملداری ہوئی اور اقتدار کا عمل بخیر وخوبی مکمل ہوجاتا لیکن ہر سو پھیلے ہوئے تشدد، انتشار اور افراتفری کے باعث انتقال اقتدار کے اس منصوبہ کو آزمایا نہیں گیا یہاں اس اشارہ سے یہ ثابت کرنا مقصد ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کے برعکس دیول نے انتقال اقتدار کے عمل کو تدریجا کمال ہوشمندی، مستقل مزاجی، احساس فرض اور کمال احتیاط سے مکمل کرنا چاہا تھا جب کہ ماؤنٹ بیٹن ہوا کے گھوڑے پر سوار، منزل

مقصود پرضرور پہنچا مگر انتقال اقتدار اور تقسیم ہند کا عمل اتلاف جان و مال اور غیر مہم انتقال آبادی کے باعث انسانی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ بن گیا اور اس المناک انجام کا سب سے زیادہ ملال خود بانی پاکستان کو تھا جو ساری زندگی سیاسی تشدد کے مخالف رہے اور جو پاکستان کی منزل تک جمہوری طریقہ سے پرامن حالات اور دوستانہ ماحول میں پہنچنا چاہتے تھے۔

قائداعظم ایک عظیم سیاستدان اور ماہر آئین وقانون تھے جب کہ ماؤنٹ بیٹن پیشہ ورفوجی تھا اور فوجی کو سیاست دان سے ایک شعوری ہوتی ہے لہٰذا وہ سیاست دان کے بارے میں مشکوک ہی رہتا ہے اور اس پر اعتماد نہیں کرتا۔

تاویل اور رموزیت سیاست اور ڈپلومیسی کے دو اہم عناصر ہیں جب کہ فوجی ان دونوں سے بھڑکتا ہے وہ حسن الفاظ اور نزاکت معنی قائل نہیں ہوتا وہ خود کو سچائی اور حقیقت پسندی کا اجارہ دار سمجھتا ہے اسکو اختلاف رائے کی صورت میں اپنے فیصلہ کو بحق سمجھنے کا بر بنائے تربیت عادی ہوتا ہے ماؤنٹ بیٹن کا تعلق بھی چونکہ اسی گروپ سے تھا لہٰذا وہ بھی قائداعظم سے شروع ہی سے چڑتا تھا اور اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ کہ قائداعظم آئینی زبان میں معاملہ کی بات کرنے کے عادی تھے انہوں نے نہ تو کبھی نہرو اور گاندھی کی طرح ماؤنٹ بیٹن کے حسن صورت کی تعریفیں کر کے اس کی ذات کو خراج تحسین پیش کیا اور نہ ہی لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی نرگس کے بیمار ہوئے وہ ازاول تا آخر اپنے سیاسی مسلک پر مضبوطی سے قائم رہے اور تاریخی اسناد، عصرف حقائق، سیاسی صداقتوں اور قوت استدلال سے یہ ثابت کرتے رہے کہ قیام پاکستان برصغیر کے مخصوص سیاسی اور تاریخی حالات میں نہ صرف یہ کہ ناگزیر ہے بلکہ برصغیر کی آئینی گتھی کا یہی واحد قابل عمل حل بھی ہے ماؤنٹ بیٹن کے پاس چونکہ ان کے سیاسی دلائل کا کوئی جواب نہ تھا لہٰذا اس نے بظاہر تو تقسیم ہند کا فارمولا قبول کر لیا مگر یہ وطن وہ قائداعظم کا حریف اور گاندھی و نہرو کا حلیف بن گیا اور یوں اس نے اپنی جھوٹی انا کی خاطر اپنی غیر جانبدارانہ حیثیت کو خیر باد کہہ دیا۔

ماؤنٹ بیٹن کی دلی خواہش تھی کہ وہ بھارت اور پاکستان کا پہلا مشترکہ گورنر جنرل بنے اسے اپنی اس آرزو کی تکمیل کا یقین واثق تھا مگر اس کی خواہشات کے برعکس آل انڈیا

مسلم لیگ کونسل نے متفقہ فیصلہ کیا کہ قائداعظم پاکستان کے اولین گرونر جنرل ہوں گے حکومت برطانیہ کو اس فیصلہ سے آگاہ کیا گیا تو ماؤنٹ بیٹن کی انا کو سخت ٹھیس لگی چنانچہ وہ قائداعظم کا حریف تو پہلے ہی بن چکا تھا اب ان کا دشمن بھی ہو گیا اور جس بیزاری اور بددلی سے وہ پاکستان کے جشن آزادی کے افتتاح کے لئے کراچی آیا وہ اس کی تصاویر سے ظاہر ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی واقعہ ہے کہ بحیثیت گورنر جنرل پاکستان قائداعظم کے تقرر کو ماؤنٹ بیٹن نے کبھی گوارہ نہیں کیا اور تقسیم برصغیر کے نتیجہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو خون ریزی وہ اسے ماؤنٹ بیٹن نے فوجی تصادم کی شکل دے دی اور ایک خالص فرقہ وارانہ ابال کو جسے تقسیم ہند کے کچھ عرصہ بعد ختم ہو جانا چاہیئے تھا باضابطہ بین الملکتی جنگ کے سانچہ میں ڈھال کر مستقل تصادم کی راہ ہموار کر دی اور یوں اس نے قائداعظم اور ان کے پاکستان سے اپنی در پردہ دشمنی کا ثبوت فراہم کیا۔

ہندو پاک جنگی معرکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مغربی فوجی مصر نے انہیں ٹینک توپ خانے کے ساتھ ہندو مسلم فساد سے تعبیر کیا ہے بظاہر یہ مضحکہ خیز بات ہے لیکن بغور دیکھنے سے ایسی مضحکہ خیز نہیں لگتی مثال کے طور پر ان کا کچھ کا معرکہ دل کی بھڑاس نکالنے کے علاوہ اور کیا تھا؟ اس کا اعلیٰ حربی مقصد کیا تھا؟ عام خانہ جنگی میں عوام شامل ہوتے ہیں رن کچھ کے معرکہ میں جانب کی مسلح افواج مدمقابل تھی۔

آزادی کے بعد ہی ماؤنٹ بیٹن پاکستان کے درپے آزاد ہو گیا پہلے تو اس نے بھارت کے وزیر داخلہ سردار پٹیل کے ساتھ مل کر یہ کوشش کی کہ ہندوستان سے متصل تمام ہندو اکثریت کے جواڑوں کا ادغام ہندوستان سے بلا تاخیر ہو جائے اس معاملہ میں اس کا دست واست اور کارندہ مسٹر وی پی مینن تھا جسے Reform Commission کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن پلان کا پہلا مسودہ تیار کیا تھا ماؤن بٹن کے ایماء پر سردار پٹیل اور دی پی مین نے بروقت سیاسی مداخلت دھونس اور دھمکی سے ماؤنٹ بیٹن کے ادغام کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا دیا جس ریاست نے تعمیل ارشاد میں تاخیری حربہ استعمال کرنا چاہا وہ اپنے انجام کو پہنچتی چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں عرصہ بجز حیدرآباد دکن تقریباً تمام بھارتی جواڑے ہندوستان کی جھولی میں آ گئے۔ حیدرآباد اپنی آئینی آزادی اور تشخص کو برقرار رکھنا چاہتا تھا مگر ماؤنٹ بیٹن اور پٹیل کے گٹھ جوڑ

اور حکمت عملی کے آگے اس کی ایک نہ چلی اور بھارتی فوجی کاروائی نے بالآخر اسے بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ۔البتہ کاٹھیاواڑ کی مسلم ریاستیں، جوناگڑھ، مانگرول اور مانادور، ماؤنٹ بیٹن کی سازش کے سامنے ڈٹ گئیں اور پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا آئینی اور قانونی لحاظ سے جوناگڑھ کا فیصلہ بالکل درست اور 3 جون 47ء کے ماؤنٹ بیٹن کے پلان کے مطابق تھا جس کی رو سے دالیان راست ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی بھی مملکت کے ساتھ شامل ہونے کے لئے یا خودمختار رہنے کے لئے آزاد تھے پاکستان کیساتھ جغرافیائی اعتبار سے جوناگڑھ کی وہی حیثیت قائم ہوی جو بطور مثال خلیج بنگال کے وزیرہ انڈیا کی بھارت سے ہے اسی بناء پر پاکستان نے جوناگڑھ کا الحاق منظور کر لیا قانوناً جوناگڑھ پاکستان کا حصہ بن گیا مگر ماؤنٹ بیٹن نے اسے گوارانہ کیا اور فوراً نواب جوناگڑھ کے خلاف فوجی کارروائی کا حکم دے دیا نتیجہ ظاہر تھا ریاست جوناگڑھ بھارت کا حصہ قرار پائی اور نواب جوناگڑھ کو جلاوطن ہونا پڑا ماؤنٹ بیٹن کی یہ فوجی کاروائی ایک ایسی مسلم وائی ریاست کے خلاف تھی جس کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی مگر جب مسلم اکثریتی ریاست کے مہاراجہ جوہری سنگھ نے جغرافیائی قرب آبادی کی مذہبی پوزیشن تہذیب وتمدن اور ذرائع رسل ورسائل کو نظر انداز کر کے ہندوستان سے الحاق کا اعلان کیا تو ماؤنٹ بیٹن نے اسے فوراً تسلیم کر لیا بلکہ حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ مہاراجہ کشمیر ماؤنٹ بیٹن ہ کے مشورہ اور ایما پر بھارت کے ساتھ الحاق پر راضی تھا ماؤنٹ بیٹن کی کی پاکستان دشمنی نہیں تو اور کیا تھی کہ اس نے خود اپنے ہی پلان کے مضمرات اور شرائط کو نظر انداز کر کے ایک مسلم ریاست کے نواب اور ایک ہندو مہاراجہ دونوں کو ان کی مرضی کے خلاف ہندوستان سے الحاق پر مجبور کر دیا تقسیم کے دو ماہ بعد یعنی اکتوبر 47ء میں جنگ کشمیر شروع ہوگئی اور اس طرح پاکستان و ہندوستان کے مابین تاصدم کی اس فضا کا آغاز ہوا جو آج تک چلی آ رہی ہے یہ کبھی گرم جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کبھی سرد جنگ کی اور اس کی تمام تر ذمہ داری ماؤنٹ بیٹن پر عائد ہوتی ہے۔

اس پس منظر میں اگر ماؤنٹ بیٹن کو برصغیر میں حربی تصادم کا باوا آدم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جنگ کشمیر اور اسکے مضمرات

پاکستان اور بھارت کی نوازائیدہ ممالکوں کے شہریوں کے درمیان بھی سول واجاری تھی ریاست کشمیر میں باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوگیا اس طرح آزادی کی ابتداء میں دونوں مملکتوں کے باہمی تعلقات باقاعدہ مسلح تصادم سے شروع ہوکر اس بنیاد پر صورت پذیر ہوئے یہ بات پہلے ہی عرض کی جا چکی ہے کہ ہندو پاک تعلق وتصادم کوئی ہنگامی واقعہ نہیں بلکہ اس رشتہ کی نوعیت تاریخی ہے چنانچہ کسی فرد یا واقعہ کو اس کا ذمہ دار ٹھرانا غلط ہوگا باہمی کدورت اور منافرت کا خام اور تاریخی مواد تو پہلے سہی سے موجود تھا ماؤنٹ بیٹن نے اسے ایک فوجی کی آنکھ سے دیکھا اور باقاعدہ جنگی تصادم ے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا۔ بحثیت گورنر جرل ہندوستان اس نے مہاراجہ ہری سنگھ کو جو سرحدی قبائل کی یورس کے بعد سرینگر سے جموں فرار ہوگیا تھا اور جان سے بیزار تھا۔ یہ یقین دلایا کہ بلکہ ضمانت فراہم کی گئی کہ اگر مہاراجہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کردے تو اس کا بال بیکا نہ ہوگا مرتا کیا نہ کرتا ہری سنگھ نے اپنے آقا اور محافظ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ہندوستان سے الحاق کا اعلان کردیا۔

ادھر مہاراجہ نے الحاق کی دستاویز پر دستخط کئے ادھر سپریم کمانڈر کے حکم پر رائل انڈین ایئر فورس کے ہائی جہاز پیچ در پے سری نگر کے ہائی اڈے پر اترنا شروع ہوگئے یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ ماوئنٹ بیٹن نے دہلی اور سری نگ کے درمیان جو ہوائی پل تعمیر کیا اس میں کے کئی بار بردار کوٹہ بھی شامل تھے اور یہ ماؤنٹ بیٹن کے ایماء پر ممکن تھا بری فوج کے افسر ار و جوان بذریعہ ہوائی جہاز سری نگر پہنچنے لگے اور چند ہی روز میں ایک پورے بریگیڈ گروپ سے زیادہ فوج اپنے پورے اسلحہ سمیت جس میں توپ خانہ بھی شامل تھا سرینگر پہنچ گئی اور تقریباً نہتے مقابل عوام کو بہ آسانی پسپا کردیا ان حالات میں

پاکستانی فوج کے چند دلیر اور سرفروش افسروں کا تمام تر بے سروسامانی اور انگریز افسران بالا کی بیزاری کے باوجود کشمیر پہنچ جانا ایک معجزہ سے کم نہ تھا ورنہ آج کا آزاد کشمیر بھی بھارت کا حصہ ہوتا۔ ان افسران میں سرفہرست نام بریگیڈیئر (بعدازاں میجر جنرل) محمد اکبر خان کا نام آتا ہے جنہوں نے جنرل طارق کا فرضی نام اختیار کر کے اپنی مٹھی بھر فوج سے ہندوستان کی تقریباً دو ڈویژن فوج کا بھرپور مقابلہ کر کے اپنے پیر جمائے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر اس وقت ہندوستان فوج کا کشمیر میں روکا نہ جاتا تو ان کی پیش قدمی اگر مری، راولپنڈی تک نہیں تو کوہالہ تک یقینی تھی نتیجہ میں کشمیر تو جاتا ہی خود پاکستان کا دفاع بھی معرض خطر میں پڑ جاتا ممکن ہے یہی ماؤنٹ بیٹن کا ہدف ہو یا ممکن ہے وہ اس حد تک نہ جاتا مگر اس وقت تنظیم و تیاری کے اعتبار سے ہندوستانی اور پاکستانی فوج میں جو فرق امتیاز تھا اس کے پیش نظر اس قسم کا عین ممکن تھا پاکستانی فوج کا تو اس وقت ایک دستور بھی صحیح اور مکمل حالت میں نہ تھا بلکہ یا شرمن ٹینکوں کی ایک نامکمل رجمنٹ تھی توپ خانہ غیر موثر اور فضائیہ نہ ہونے کے برابر۔ بڑی فوج کے پیشتر دستے یا ان کا بڑا حصہ ہنوز ملک سے بہت دور مشرق بعید میں پڑے ہوئے تھے اور جو ملک میں موجود تھے ان کی بڑی تعداد مہاجرین کے بحفاظت لانے اور پہنچانے کے کام میں مصروف تھی۔

یہ حالت جب کشمیر کی جنگ شروع ہوئی اور ہر چند کے دوسرے راجواڑوں کے برعکس بھارت سے جموں و کشمیر کا الحاق مشروط اور عارضی نوعیت کا تھا اور حکومت بھارت نے تمام دنیا کے روبرو کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتے ہوئے اعلان کر دیا تھا کہ انہیں عام رائے شماری کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے مگر رائے شماری کا بھارتی وعدہ کبھی ادا نہ ہوا اور حکومت ہند کے تمام وعدے ماؤنٹ بیٹن کے اس جذبہ انتقام کی نذر ہو گئے جو اس کے دل میں پاکستان کے خلاف موجزن تھا ماؤنٹ بیٹن کے اس جذبہ انتقام کی نذر ہو گئے جو اس کے دل میں پاکستان کے خلاف موجزن تھا ماؤنٹ بیٹن نے تو ایک ہی وار میں پاکستان کو ٹھکانے لگانے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن اگر اس وقت پاکستان کے عوام اور اس کی منتشر اور بے سروسامان مسلح افواج میں وہ جذبہ شہادت و مقاومت نہ ہوتا جس کی بدولت خدا پاسرتان وجود میں آیا تھا تو اس کی خطرناک چال کامیاب بھی ہو جاتی مگر جب یہ ممکن نہ ہوا اور بھارتی فوجی اپنی عددی برتری اور اسلحہ کی فوقیت

کے باوجود پاکستانی فوج کو اگلے مورچوں سے نہ ہٹا سکی تو پھر ماؤنٹ بیٹن سرکار نے ڈپلومیسی کے ذریعہ معاملہ کو طول دینے کا منصوبہ بنایا اور قانونی پیچیدگیوں میں پاکستان کو اس طرح الجھایا کہ ایک زندہ سیاسی نوعیت کا فوری مسئلہ جس کا تعلق چالیس لاکھ جیتے جاگتے باہوش انسانوں سے تھا۔اقوام متحدہ کا ایک قانونی مسئلہ بن کر رہ گیا۔ پاکستان کے وزیر خارجہ سر محمد ظفر اللہ نے جامع مگر اتنی طویل تقریریں اقوام متحدہ کے اجلاس میں کہ مسئلہ سلجھنے کی بجائے اس طرح الجھا کہ تلاش کرنے پر بھی اس کا سرا نہ ملا موصوف نے طوالت کلام میں نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا اور پھر اپنا ہی ریکارڈ توڑنا شروع کر یا ناطقہ سر بگر بیاں ہے کہ اسے کیا کہیئے۔

جنگ کشمیر نے پاک بھارت تعلقات کو جس طرح متاثر کیا اتنا کسی دوسرے واقعہ یا معرکہ نے نہیں کیا اسی جنگ نے دونوں ملکوں کے مابین با قاعدہ مسلح تصادم کی ایسی فضا پیدا کی جو آج تک قائم ہے اور کسی عنوان کم ہوتی نظر نہیں آتی حالانکہ بعد کے عرصہ میں نہرو لیاقت معاہدہ، العان تاشقند، معاہدہ شملہ، سب ہی کچھ ہوا اور بعد ازاں ہندو پاک مشترکہ کمیشن بھی قائم ہوا جنوبی ایشیائی اقوام کا علاقائی تعاون کا ادارہ بھی بنا مگر مسلح تصادم کی جو منحوس روایت ماؤنٹ بیٹن کی لگائی ہوئی آگ جنگ کشمیر نے چھوڑی بھی اس کا تسلسل قائم ہے اور ہر گھڑی باہم دوست و گریباں ہونے کا گمان گزرتا ہے ہر چند کہ جنگ کشمیر ہندو پاک کی طویل ترین جنگ تھی جو اکتوبر 1947ء میں شروع ہو کر 31 دسمبر 1948ء یعنی پورے ایک سال اور چند دن اوپر دو ماہ جاری رہی اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ جنگ غیر فیصلہ کن رہی بلکہ دونوں طرف کے مقبوضہ علاقوں کی حدود بھی اپنی جگہ قائم رہی اور تمام تر جگر خراش جدوجہد اور جانکاہ معرکہ آرائی کے بعد دونوں افواج نے پلٹ کر دیکھا تو وہ عملاً وہیں کھڑے تھے جہاں سے معرکہ کی ابتدائی تھی اس لئے خالص فوجی نکتہ نگاہ سے تو یہ جنگ بے نتیجہ ہی رہی مگر بین المملکتی تعلقات نیز سیاسی ونفسیاتی لحاظ سے اس کے دو اہم نتائج مرتب ہوئے اول تو یہ کہ ہر مسئلہ کا حل جنگ قرار پایا اور جنگ کے پر تشدد عمل کو باہمی مکالمہ کے طریقہ کار پر ترجیح دی گئی۔ گویا عملاً یہ طے پایا گیا کہ گھی اگر سیدھی انگلیوں نہ نکلے تو ٹیڑھی انگلیوں سے نکالنے میں پس و پیش نہ ہو گا جنگ کشمیر کا دوسرا اہم اور دور رس نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں مملکتوں (بالخصوص

جس کی حیثیت ہر لحاظ سے ایک نوازئیدہ بچے کی سی تھی اور جو تقسیم بنگال اور بنجاب نے نتیجے میں ہونے والے خونی فسادات کے باعث احساس عدم تحفظ میں مبتلا تھا) میں عدم استحکام اور عدم عافیت کے احساس میں کئی گنا اضافہ ہوگیا اسی باعث برصغیر اور دولت مشترکہ کے باہر حفاظت اور استحکام کے ذرائع کی تلاش شروع ہوئی عملاً یہ طے ہو چکا تھا کہ پاکستان کو سب سے بڑا خطرہ اور چیلنج اپنے پڑوسی اور دولت مشترکہ کے ساتھ ہندوستان سے ہے ادھر ہندوستان میں بھی اس کی تمام تر وسعت اور وسائل کی فراوانی کے باوجود کمتر درجہ پر یہی احساس پیدا ہو ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی عسکری تاریخ کے باعث ہندو ذہن مسلمانوں سے مرعوب ہوگا مگر جغرافیہ کی وسعت اور عددی برتری کو نظر انداز کرنا مشکل ہے اور یہ دونوں عوامل ہندوستان کے حق میں تھے اس وقت کے علاوہ صنعتی ترقی کے میدان میں 1947 کا بھارت پاکستان کے مقابلے میں اربع صدی آگے تھے پاکستان میں تو ابھی صنعت وحرفت کی ابتداء ہی نہ ہوئی تھی گولہ بارود بنانے کا ایک بھی کارخانہ نہیں تھا جب کہ بھارت میں چھوٹے بڑے ملا کر دو درجن کارخانے موجود تھے۔

بہرصورت دونوں ملکوں کی توجہ اپنے فہم وادارک اور صحات کے مطابق معاشی پیش رفت سے کہیں زیادہ تلاش عافیت اور استحکام ملک کی طرف ہوگئی اور دفاعی امور مرکزی مسئلہ بن گئے اور یہ اس وقت ہوا جب گاندھی، جناح اور نہرو جیسے دیوقامت اور امن پسند زعما جنھوں نے انگریز کے تسلط کے خلاف تمام جدوجہد کو سیاسی اور آئینی حدود کا پابند رکھا تھا ابھی حمایت تھے زندہ فعال تھے اور سیاست میں تشدد کے مخالف تھے مگر جب کشمیر میں جنگ نے طول پکڑا تو نہ گاندھی جی نے اس کے خلاف مرن برت رکھا نہ پراتھنا کی اس طرح گاندھی جی نے عملاً جنگ کشمیر کو اپنی آشیرباد سے نوازا اور ہندو پاکستان کے درمیان جنگ کو سیاسی مقاد کے حصول کا ایک معرفہ اور جائز ذریعہ تسلیم کرلیا اس جنگ کے تین ماہ بعد گاندھی ایک ہندو انتہا پسند کے ہاتھوں مارے گئے یہ قتل مسلمانوں کے خلاف ہندو مزاج اور عزائم کا بڑا واضح اور فیصلہ کن اظہار تھا۔ یہ صورتحال ماؤنٹ بیٹن نے عمداً پیدا کی تھی اور اپنی حد سے بڑھتی ہوئی انانیت کی تسکین اور اپنے ملک کے مفاد کے لئے اسے جی بھر کر استعمال کیا تھا جنگ چھڑ جانے کے سبب ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی اقتدار اور اثر و رسوخ میں اتنا اضافہ ہوا کہ وہ نہرو سمیت پوری حکومت ہند

پر چھا گیا اس کی ہمت اتنی بڑھی کہ وہ بات بات پر استعفے کی دھمکی دیتا ایک دو موقعوں پر تو وہ بگڑ کر شملہ جا بیٹھا اور نہرو پٹیل کی متفقہ معذرت کے بعد واپس دہلی آیا۔

کم از کم میرا ذاتی خیال اور تجزیہ تو یہی ہے کہ اگر کشمیر میں جنگ نہ ہوتی تو ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی رسوخ اور طاقت میں اتنا اضافہ ممکن نہ تھا آئین کی رو سے وہ رسمی سربراہ مملکت تھا اور اصل قوت وزیر اعظم ہند اور اس کی کابینہ میں تحویل میں تھی اور اگر دونوں مملکتوں کے درمیان جنگ کی بجائے سیاسی سمجھتے کی فضا قائم رہتی تو یہی صورتحال برقرار رہتی مگر ایک خود پسند اور خود بین پیشہ ور سپاہی کے براہ مملکت بننے سے صورت حال بالکل بدل کر رہ گئی اور جملہ اقتدار اعلیٰ قومی لیڈر اور اس کی کابینہ کے بجائے ایک بدیشی موقع پرست کے ہاتھ میں آ گیا۔

حالت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ گاندھی کے دیش کا پہلا سربراہ برطانوی سامراج کا ایک پیشہ ور فوجی بنا اور اس کو وہ قبول خاص و عام نصیب ہوا کو وہ اختتام ملازمت پر انگلستان جانے لگا تو عوام نے ماؤنٹ بیٹن کی جے اور ماؤنٹ بیٹن زندہ باد فلک شگاف نعرے لگائے اور کل کے جابر حکمرن کو محسن کی طرح گلے لگا کر رخصت کیا انقلابات ہیں زمانے کے۔

خود اپنے ملک برطانیہ کے لئے ماؤنٹ بٹن نے بڑا اور اہم یہ کیا کہ دونوں مملکتوں کو جنگی جنون میں مبتلا کر کے انہیں اسلحہ کی افراہمی کے سلسلے میں حکومت برطانیہ کا محتاج بنا دیا اس وقت برطانیہ دولت مشترکہ کے دیگر مما لک کی طرح دوسری جنگ عظیم میں فراہم کردہ تعاون اور سہولتوں کی وجہ سے ہندوستان و پاکستان کا مقروض تھا اور دونوں مما لک کو اس ضمن میں برطانیہ سے کئی ملین پاؤنڈ ملنے تھے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ قرضہ کی اس رقم کے عوض مشینری اور صنعتی مال خرد یا جاتا اور معیشت کی بحالی کے پروگرام کو اولیت دی جاتی لیکن اس کے برعکس برطانیہ کا استعمال شدہ اور پرانا جنگی اسلحہ اس قرض کے عوض دونوں مملکتوں میں پہنچنا شروع ہوا اور برطانیہ کے پاس قرض کی فوری اور آسانی ادائیگی کا اس سے بہتر ذریعہ نہ تھا صنعت تو اس کی پہلے ہی تباہ ہو چکی تھی لہٰذا مشینوں کی اسے خود ہی ضرورت تھی ایسے میں وہ دوسرے مما لک کو کیا سپلائی کرتا چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے ہندو پاکستان کے درمیان مسلح تصادم کا وہ بیج بویا جو کہاں والی جیک کے مڑ کے پودے کی طرح تیزی سے بڑھنا شروع ہوا اور

دیکھتے ہی دیکھتے فلک بوس عمارت بن گیا اور پرانے اور متروک ہتھیاروں کی سپلائی سے برطانیہ کا قرض بے باک ہو گیا۔

ہندوستان اور پاکستان کی آزادی بندر کے ہاتھ میں چھری کے مصداق تھی ایک طرف تو اسکی ابتداء خون ریز ہندو مسلم فسادات کے المیہ سے ہوئی اودوسری جنگ کشمیر کے پرامن سیاسی عمل کو عملاً ناممکن بنادیا اور ادھر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں تجاویز اور قرارداد پیش اور پاس ہوتی رہیں اور ادھر جنگ پورے زورشور سے جاری رہی غنیمت یہ ہوا کہ ہندوستنا کی واضع اشتعال انگیزی اور پاکستانی فضائی حدود کی خلاف ورزی (ایک بارتو بھارتی جہاز مری تک آگئے تھے) کے باوجود جنگ متنازعہ علاقہ تک محدود رہی اگر اس وقت اندرا گاندھی وزیراعظم ہند ہوتیں تو جو کچھ 65 اور 71ء میں ہوا وہ 1947-48ء ہی میں پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا، کشمیر پر فوج کشی کے نتیجے میں ہندوستان نے وادی کشمیر کے بڑے حصہ پر قبضہ تو ضرور جمالیا مگر ساتھ ہی اس کی بزعم خویش صلح کن باخاص وعام والی پولیس اور گاندھی جی کا عدم تشدد کا فلسفہ جن پر اسے بہت ناز تھا دونوں تباہ ہو کر رہ گئے اور آزادی کے صرف چند ہی ماہ بعد بھارتی لیڈرشپ اپنے نظریات سے لاتعلق ہو گئی۔ اب ہندوستان مہاتما بدھ، گورنانک، بھگت کبیر اور گاندھی کا دیش نہیں تھا جس میں امن آشتی اور اہنسا کی گنگا بہتی تھی بلکہ ظلم وتشدد اور جنگ جدل کے ذریعہ امن وآشتی کی فضا کا گلا گھونٹ کر اپنے سے کئی گنا چھوٹی ریاستوں کے کمزور اور نہتے عوام کے حقوق غصب کرنے والا ایک ملک تھا۔

استحکام اور عافیت کی تلاش میں اور اسلحہ کے حصول کی دوڑ، برصغیر کی آزادی کے فورا بعد شروع ہوئی اور اس کے ساتھ ہی شدید معاندانہ سیاست کے دور کا آغاز ہوا ہندوستان کو صرف مغرب کی سمت دشمن نظر آیا اور پاکستان کو مشرق کی جانب، چنانچہ شمال وجنوب کو بالکل نظرانداز کردیا گیاا اور ایک دوسرے ہی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھے رہنا وطیرہ ہو گیا۔ ہندوستان کے سیاسی مبصروں اور سیاسی رہنماؤں کو بس ایک ہی بات کا انتظار تھا کہ ان کی پیش گوئیوں اور نظریات کے مطابق پاکستان کب ہند پر حملہ آور ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے۔

جنت الحمقا میں بسنے والے خوش فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دلی کا لال قلعہ مسجد جامع، آگرے کا تاج محل اور فتح پور سیکری اور مغلیہ عدہ وتاریخ کی یادگاری اب ان کی میراث نہیں وہ شوکت رفتہ کی بازیاب کے خواب دیکھ رہے تھے محض ایک محدود عربی کارروائی نے مردو مملکتوں کے عوام وخواص کے ذہن میں یہ خیال راسخ کردیا تھا کہ ایک کے ملزم

اور دوسرے کے تصور کی تکمیل وحصول کا بڑا ذریعہ مسلح تصادم ہے اور وہ اسی راہ پر گامزن ہوں گے۔

31 دسمبر 48ء کی نصف شب کو اقوام متحدہ کے زیر اہتمام فائر بندی ہوگئی اس کے چند ماہ بعد ہی اقوام متحدہ کم کمیشن برکائے ہندو پاکستان U.N Commission for India & Pakisan کشمیر میں رائے شماری کی راہ ہموار کرنے برصغیر پہنچ گیا کمیشن کے نام میں جموں اور کشمیر کی کمی بری طرح کھٹکی مانا کہ نبرد آزمائی ہندو پاکستان کے مابین ہوئی تھی اور جھگڑا ابھی ان دونوں کے درمیان تھا مگر فریق اول تو فی الحقیقت کشمیری عوام تھے اس لئے انہیں نظر انداز کرنے کا جواز کیا تھا؟ اس کے باوجود فی الحقیقت ہوا یہی اور گفتگو کشمیر تک محدود رہنے کی بجائے ہندو کے دیگر غیر متعلق مسائل تک وسیع ہوگئی ممکن ہے یہ فروگزاشت عمداً نہ ہوئی لیکن یہ اس فرد گزاشت کا نتیجہ تھا کہ 1954ء میں جب پاکستان کے لئے امریکی فوجی امداد کا آغاز ہوا تو نہرو کو یہ موقف اختیار کرنے کا بھی موقع مل گیا کہ برصغیر کے حالات کیونکہ یکسر تبدیل ہو گئے لہذا کشمیر کے بارے میں سلامتی کونسل کی تمام تر قرار دیدیاں بیکار ہو چکی ہیں چنانچہ کمیشن کے نام کے سلسلہ میں ابہام کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کشمیر میں استصواب رائے کا مسئلہ بے محل اور بے تکی توجہات وتشریحات کا شکار ہو گیا اور Uncip کا عمل دخل کل ہندو پاک مسائل میں ہو گیا۔

جنگ کشمیر پاکستان کی جغرافیائی وحدت پر بھی اثر انداز ہوئی پاکستان کے دونوں بازوؤں میں ایک جغرافیائی فصل تو پہلے ہی تھا اب ذہنی اور سیاسی طور تھا پر بھی ان میں بعد المشر قین پیدا ہو گیا جنگ کشمیر کا تعلق ملک کے مغربی بازو سے تھا اور مشرقی خطہ کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا ان کا تعلق اگر کچھ تھا تو وہ محض جذباتی اور ذہن کی تھا چنانچہ جنگ کشمیر کے نتیجہ میں جو دفاعی اور جارحانہ منصوبہ بندی مغربی حصہ ملک میں ہوئی مشرقی خطہ کے لوگ اس کے اس طرح تماشائی بنے کہ عدم تحفظ اور عدم مساوات کا احساس مشرقی بنگال میں بڑھتا چلا گیا۔

پاکستان کی وحدت اور آئین پر جنگ کشمیر کے اثرات

مادی اعتبار سے جنگل کشمیر کا بیک وقت منفی اور مثبت نتیجہ برآمد ہوا منفی اس اعتبار سے کہ طرفین میں کوئی خاطر خواہ پیش قدمی نہ کر سکا اور مثبت اس اعتبار سے کہ دونوں ملکوں کے معیشت اور جغرافیہ پر تو اس کا کوئی قابل ذکر اثر مرتب نہ ہوا البتہ ذہنی اور فکری سطح پر دونوں طرف کے عوام وخواص پوری طرح متاثر ہوئے۔ پاکستان جیسے نوازا شدہ ملک میں جہاں قومی اتحاد اور ارتباط کا تدریجی عمل بھی شروع ہوا تھا پہلے ہی مرحلہ میں بین صوبائی اتحاد کا جذبہ ثانی واہمیت اختیار کر گیا جب کہ عسکری یا ملٹری دفاع کا تقاضہ قومی استحکام اور یگانگت کی ضرورت پر غالب آگیا۔

افواج اور آلات حرب پہلے ہی مغربی بازو میں مرتکز تھے اب جنگ کشمیر کے لازمی لیکن غیر متوقع خطرے کا بھی اضافہ ہو گیا لہذا قومی سوچ تمام تر دفاعی امور میں الجھ کر رہ گئی کیوں کہ اس کا معلق مطلقاً مغربی بازو سے تھا اس لئے مشرقی بازو کے دفاع کی طرف دھیان ہی نہ گیا کشمیر کی جنگ چھڑا جانے کے تین ماہ بعد تک مشرقی بنگال میں کوئی پاکستان جرنیل یا بریگیڈیئر تک نہ تھا پیادہ فوج کی کملا کرین یا چار بٹالین تھیں ایک آدھ رجمنٹ توپ خانے کی تھی سپلائی آرڈیننس اور میڈیکل گور کے چند مددگار راستے تھے اور بالفاظ دیگر مشرقی بنگال کا دفاع اللہ کو سونپ دیا گیا۔

مشرقی بنگال کے پہلے فوجی کمانڈر میجر جنرل محمد ایوب خان تھے جو جنوری 48 میں وہاں پہنچے ان کا اصل رینک اب تک بریگیڈیئر کا تھا اور وہ صرف قائم مقام میجر جنرل تھے بعد میں فیلڈ مارشل اور صدر پاکستان گو انہیں پاکستان کی چودھویں انفنٹری ڈویژن کا کمانڈر مقرر کر دیا گیا لیکن فی الحقیقت ان کے زیر کمان ایک

بریگیڈ سے زیادہ فوج نہ تھی بین الصوبائی توازن آزادی کے بعد کم ہوجانا چاہئے تھا۔

مگر جنگ کشمیر کی وجہ سے اس عدم توازن میں کئی گنا اضافہ ہوگیا اس کے نتیجہ میں دفاع اور قومی استحکام کے معاملہ میں دونوں بازوؤں کے احساس وادراک میں ایک بعد المرتشفین پیدا ہوگیا مغربی پاکستان میں تحفظ ملک اور بقائے فوج سے مشروط رہ گئے تھے جب کہ مشرقی بنگال میں فوج اور آلات حرب نہ ہونے کے برابر تھے جنرل ایوب نے اس کوتاہی کا ازالہ کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور مشری بنگال کے شہر اور قریہ قریہ پرچم بردار جلوس کا بندوبست کیا اولین مقصد تو یہ تھا کہ بنگالی اپنی افواج کو ایک نظر دیکھ لیں، دوئم انہیں مسلح افواج کی موجودگی کا یقین ہوجائے منصوبہ بظاہر مید اور ضرورت کے عین مطابق تھا مگر چوں کہ اس قسم کے پرچم بردار نمائشی جلوس کا اہتمام عام طور پر فاتح اور قابض افواج اپنی موجودگی کے اظہار اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے کرتی ہیں کب کہ اپنی فوج ایسا اہتمام خاص خاص موقعوں کرتی ہیں لہذا بنگالیوں پر اس فوجی نمائش کا منفی اثر مرتب ہوا چوڑے پنجابی اور پٹھان نوجوان اور افسروں جس میں ان کا کوئی فرد شامل نہ تھا کہ اپنے کوچہ بازار میں مارتچ کرتے دیکھ کر ان کے حساس غیریت میں اضافہ ہوا اور عجیب قسم کا حساس کمتری بھی پیدا ہوا جوان کے سیاسی مزاج کا حصہ بن گیا۔

فوجی کمانڈر جنرل محمد ایوب خان کی شخصی قوت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ انہوں نے مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ تحریک پاکستان کے مقتدر قائد اور بابائے قوم کے معتمد خاص خواجہ ناظم الدین کو رحم اور حقارت کی ملی جلی نظر سے دیکھنا شروع کردیا یہ اعتراف ان کی کتاب ''فرنیڈز ناٹ مسٹرز'' میں موجود ہے ایک موقع پر جب مشرقی بنگال اسمبلی کے باہر طلباء نے گڑ گڑ کی اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مشرقی بنگال کی حکومت نے فوج کی امداد طلب کی تو جنرل ایوب خان نے محمد علی بوگرہ کے شانے پر تھپکی دے کر کہا کہ اگر آپ گولی کھانا نہیں چاہتے تو فوراً ادھر سے چلے جائیں محمد علی بوگرہ مرحوم اس وقت مشرقی بنگال اسمبلی میں حزب اختلاف کے ایک سرکردہ رکن تھے۔

حربی عدم توازن کا ملک کی سیاست پر اثر لازمی تھا ہر چند کہ پاکستانیوں کی اکثریت مشرقی بنگال میں آباد تھی مگر طاقت کی دونوں کنجیاں، فوج اور بیوروکریسی مغربی

پاکستانی تھیں اس لئے مرکزی اسمبلی میں بنگالی ارکان کی عددی برتری بالکل بے معنی ہوگئی کشمیر کی جنگ کے نتیجہ میں جب بیوروی کریسی نے فوج کی بڑھتی ہوئی طاقت کو یکھا تو نتائج کا اندازہ لگا کر فوج سے گٹھ جوڑ شروع کر دیا چناچہ دارالحکومت ری اوردارالفوج G.H.Q راولپنڈی دونوں ہی حکومتی قوت کا سرچشمہ بن گئے اور مشرقی بنگال دامے اپنانے ہی ملک میں بیگانہ اور اجنبی سمجھتے جانے لگے۔

کمشیر میں بغیر فیصلہ ہوئے فائر بندی کا افواج پاکستان کے ایک حصہ میں سخت کرادرعمل شروع ہوا اکثر سینئر کمانڈروں کا خیال تھا کہ فائر بندی اس وقت کی گئی جب پاکستان کی حالت سنبھلا رہی تھی اور آئندہ چند روز میں ایک بڑے اور فیصلہ کن حملے کی منصوبہ بندی مکمل ہوچکی تھی میں سردست امن فائر بندی کے مضمرات پر تبصرہ سے حتراز کروں گا کیوں کہ میرا موضوع جنگ کشمیر نہیں اس کے دورس نتائج اور اثرات ہیں یہ کہنا ناممکن ہے کہ اگر فائد بندی نہ ہوتی تو کسی ملک کی فوج یقیناً جنگ جیت لیتی یا کم ازکم اتنی پیشقدمی کر لیتی کہ دوسر کے فریق سے اپنی شرائط منوالیتی واقعہ یہ ہے کہ اعلی ترین سطح پر سیاسی فیصلے کے تحت فائد بندی ہوئی اور فریقین نے اسے قبول کرلیا مگر پاکستانی فیلڈ کمانڈر اس سیاسی فیصلے سے انتہائی غیر مطمئن اور بددل ہوئے انہیں یقین تھا کہ فیصلہ پاکستان کی کمزور سیاسی لیڈرشپ اور پاکستان فوج کی ہائی کمانڈ کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے پاکستان ہائی الرکٹ کمان اس وقت تک انگریزوں پر مشتمل تھی جنرل سرڈگلس گریسی کمانڈک انچیف تھے لیفٹینینٹ جنرل سرراس میکای چیف آف اسٹاف، میجرک جنرل ہیٹن چیف آف دی جنرل اسٹاف تھےاور خود ساتویں ڈویژن کا کمانڈر ایک انگریز جنرل لافٹس ٹائم تھا اور یہی وہ ڈویژن تھی جو کشمیر میں برسرپیکار تھی چنانچہ پاکستانی افواج کے ان اعلی افسران میں جو کشمیر میں جنگ لڑ رہے تھے شدید ناگوار ردعمل ہوا ان میں سے مردست یہ چند نام مجھے یاد ہیں میجر جنرل نذیر احمد خان، میجر جنرل ایم ایس رضا (جن کا حال ہی میں انتقال ہوا) بریگیڈیئر (بعد میں میجر جنرل) محمد اکبر خان اور لیفٹینینٹ کرنل صدیق راجہ وغیرہ یہ ان افسران کے نام ہیں جن سے میری جنگ کشمیر اور فائد بندی کے متعلق کچھ تبادلہ خیال ہوا۔ واضح رہے کہ میں اس وقت فوج سے وابستہ نہ تھا بلکہ لاہور کے ایک انگریزی روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ کا نامہ نگار خصوصی متعین راولپنڈی تھا۔

جنگ کشمیر کے دوران مسلح افواج کے کمانڈروں نے بخوبی سمجھ لیا کہ ہر چند اقتدار الیع وزیر اعظم کابینہ اسمبلی اور سول حکام کی تحویل میں ہے مگر ہندوستان سے مسلح تصادم کے بعد ملک کی جو حالت ہوئی اس میں کوئی حکومت فوج کے بھر پور تعاون اور مکمل حمایت کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتی، چنانچہ سیاسی اقتدار کی بقاء وتحفظ اور فوجی تعاون واشتراک لازم وملزم ہو کر رہ گئے اوو پاکستان فوج کے سینئر افسران کو اس کا پوری طرح سے علم ہو چکا تھا کہ وہ جب چاہیں اپنے معاملیات کے فوری طور تسلی بخش حل کے لئے حکومت پر فیصلہ کن دباؤ ڈال سکتے ہیں تاہم حکومت کو مرعوب کرنے کے عمل میں ہائی کمان میں انگریز کمانڈر انچیف اور اس کے دوسرے ہم وطنوں کی موجودگی سب سے بڑی رکاوٹ تھی چنانچہ پاکستان مسلح افواج کو قومیانے کے سلسلے میں زبردست بھاگ دوڑ شروع ہو گئی اور تقریباً ہر بریگیڈ یئر اور میجر جنرل کے رینک کے افسر کے منہ پر مسلح افواج کی Pakistanisation اور Nationalistation کے الفاظ چڑھ گئے اور اس بارے میں مرکزی حکومت کی عدم توجہی پر گلے شعرے ہونے لگے۔

میجر جنرل ایوب خان کی بحیثیت چیف آف اسٹاف اور ڈپٹی کمانڈر انچیف اور پھر فوراً ہی کمانڈر انچیف کے عہدہ پر تقرری گورنمنٹ کے خلاف اسی تنقیدی محاذ کا نتیجہ تھا، جنرل ایوب ان چند افسران میں سے تھے جنہوں نے پاک فوج کے قومیانے کی بحث میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو ان کی کم آمیزی اور دوسری وجہ سے میلوں دور مشرقی بنگال میں ان کا تقرر تھا ان کی ذاتی وجاہت اور جاذب نظر شخصیت کے علاوہ غالباً ان کی غیر جانبداری کمانڈر انچیف جنرل گریسی اور وزیر اعظم نیز وزیر دفاع لیاقت علی خان کو پسند آئی اور انہوں نے جنرل ایوب کو اتفاق رائے سے پاک فوج کا پہلا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گو نہ ان کا جنگی ریکارڈ قابل ذکر تھا نہ وہ فوج کے سب سے سینئر افسر تھے سینارٹی کے اعتبار سے تو میجر جنرل اکبر خان رنگروٹ کا نام سرفہرست تھا دوسرے نمبر پر غالباً مجیر جنرل رضا، تیسرے نمبر پر میجر جنرل نظیر احمد خان اور چوتھے نمبر پر جنرل ایوب خان تھے میجر جنرل افتخار جنہیں غالباً پاک فوج کا پہلا کمانڈار انچیف ہونا تھا جنگ شاہی کے حادثے میں پہلے ہی ہلاک ہو چکے تھے مرحوم جنرل اس وقت راولپنڈی سے براستہ کراچی انگلستان جا رہے تھے جہاں اسپرئیل ڈیفنس کالج میں انہیں کورس

کیلئے منتخب کیا گیا تھا اور یہی انتخاب اس وقت کے لحاظ سے ان کی آئندہ ترقی کی ضمانت تھا۔

جنوری 1951 میں جنرل ایوب کے فوجی کمان سنبھالنے کے دو ماہ بعد ہی پنڈی سازش کیس پکڑے جانے کا انکشاف ہوا جس میں میجر جنرل محمد اکبر خان کا نام سرفہرست تھا جو اس وقت پنڈی میں چیف آف دی جنرل اسٹاف کے عہدہ پر قائم تھے، جنرل اکبر نے طارق کے فرضی نام سے کشمیر کی جنگ میں حصہ یا تھا اور پنڈی سازش کیس کے دوسرے افسران کا بھی جنگ کشمیر سے گہرا تعلق رہ چکا تھا۔

راولپنڈی سازش کیس کی حقیت بالکل علیحدہ موضوع ہے نفس مضمون سے اس کا صرف اتنا تعلق ہے کہ کشمیر کی جنگ کے نتیجہ میں قومی امور میں فوج کی مداخلت کا جو رجحان پیدا ہوا راولپنڈی سازش کیس دراصل اس کا نتیجہ تھا اس کے بعد تو یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ پاکستان جیسے نوآزد پسماندہ ملک میں فوج کا خالص پیشہ وارانہ، غیر سیاسی او غیر جانبدارانہ کردار نہیں ہوسکتا جیسا دوسرے ترقی یافتہ مما لک یا خود ہندوستان میں آزادی سے قبل تھا چاہئے تو یہ تھا کہ مبینہ سازش میں ملوث افراد پر مقدمہ کے ساتھ اعلی سطحی کمیشن قائم کر کے قومی امور میں فوج کے کردار کو متعین کرنے کا فیلہ بھی جاتا یا کم ازکم کسی قرطاس بیاض یا دستاویز کی تدوین و اشاعت کا بندوبست کیا جاتا اس کے برعکس مقدمہ قائم کر کے ملزمان کو سزا دینے پر اکتفا کیا گیا۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ کشمیر کے معاملہ میں ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کے ساتھ مسئلہ تصادم کا جو راستہ اختیار کیا اسی تصادم نے پاکستان میں فوجی اقتدار بالا کی راہ ہموار کردی اور جنگ کشمیر پاکستان میں فوجی حکومت کی بنیاد ثابت ہوئی تاریخی واقعات کے بارے میں یقین سے تو صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وہ رونما ہوئے حالانکہ کبھی یہ بھی مشکوک ہوتا ہے قلوپطرہ کی ناک سے دنیا کی تاریخ کو منسلک کرنے کی طرح یہ بحث بالکل بے نتیجہ ہے کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا اور جب ہوتا تو کیا ہوتا انفرادی نظریاتی مباحث تاریخ کا رخ نہیں موڑ سکتے۔

آزدی کے بعد ہندو پاک تصادم غالبًا ایک ایسا تاریخی تقاضہ تھا جس کا کسی نہ کسی وقت اور کسی نہ کسی بہانے وقوع پذیر ہونا لازمی تھا علی ہذا القیاس جن حالات میں پاکستان

معرض وجود میں آیا جو بعد المشر قین اس کے دو خطوں میں تھا اس کے نتیجہ میں فوجی حکومت محض وقت کی بات رہ گئی البتہ جس فرد واحد نے انتشار و کشمکش پیدا کر کے دیکھتے دیکھتے اسے حقیقی بنا دیا وہ صرف لارڈ ماؤنٹ بیٹن تھا اس نے ہندو پاک تعلقات کی خشت اول اس طرح ٹیڑھی رکھی کہ آج تک دیوار کج ہی اٹھ رہی ہے۔

ہندوستان میں سیاسی عمل اور سیاسی ادارے بہت مستحکم تھے لہذا وہاں فوج کا کردار تبدیل نہیں ہوا اس نے خندہ پیشانی سے ماتحتی کو قبول کیا حالانکہ جنگ کشمیر کے بعد بھارت میں بھی فوج کی پیشہ وارانہ صلاحیت کا برملا اعتراف کیا گیا اور اس کی قوت میں اضافہ کی منصوبہ بندی کی ابتدائی ہوئی اس کے برعکس پاکستان میں فوج اور قوم مغربی پاکستان میں لازم وملزم ہو کر رہ گئے اس طرح کہ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر نامکمل ہونے لگا۔

1950ء میں وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان امریکہ کے تاریخی دروہ پر تشریف لے گئے اور اس کے فوراً بعد یہ امر طے پایا گیا کہ دولت مشترکہ میں رہتے ہوئے بھی پاکستان اپنی فوجی ضروریات کے لئے امریکہ پر انحصار کر سکتا ہے امریکہ نہ صرف فراہمی اسلحہ کے معاملہ میں ایک بہت بہتر اور قابل اعتماد ذریعہ کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا کی عظیم ترین سیاسی فوجی اور مالی قوت بھی بن چکا تھا امریکہ کے سامنے برطانیہ کی حیثیت مفلس کے چراغ کی تھی نیز پاکستان کے نقطہ نگاہ سے پوری جنگ کشمیر کے دوران دولت مشترکہ اور برطانیہ کا کردار اسی قدر مایوس کن رہا تھا کہ ان کی حیثیت مشکوک ہو چکی تھی اور امریکی قرب ہی پاکستان کے لئے حصار عافیت معلوم ہوتا تھا۔

خود امریکہ کو بھی ایشیاء میں پاکستان جیسے نوازائیدہ مگر توانا ملک کی ضرورت تھی انیسویں صدی کے اوائل کی علیحدگی پسند پالسی کو چھوڑ کر امریکہ پہلی بار پورے اعتماد اور قوت کے ساتھ عالمی سیاست اور Strategy کے میدان میں داخل ہو رہا تھا اور اپنے واحد مد مقابل روس اور اس کے ایشیاء حلیف چین کے مقابلہ میں ایشیائی اتحادیوں کا متلاشی تھا خصوصاً پاکستان جیسے ملک کا جو معاشی طور پر کمزور ہونے کے باوجود، افرادی قوت کی دولت سے بہرہ مند تھے ، یہ خطہ جغرافیائی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل تھا ، افواج ہتھیاروں سے محروم ہونے کے باوجود ہر اعتبار سے تیار، تربیت یافتہ

اور قابل اعتماد تھیں اہر ہر قسم کے ہتھیار استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

مزید برآں وہ نہ صرف اشترا کی نظام بلکہ اس سے ملتی جلتی کسی بھی چیز سے کوسوں دور تھیں۔

چنانچہ وزیراعظم پاکستان کے پہلے ہی دورہ امریکہ میں نہایت گہرے پاک امریکی تعلقات قائم ہوگئے ان تعلقات کی بنیاد، جنوب مشرقی ایشیاء میں پاکستان کی جغرافیائی اہمیت اواس کے دفاعی نظام کے استحکام کی صلاحیت پرتھی پاکستان کے وزیراعظم کے دورہ امریکہ ایک اہمیت یوں اور بھی بڑھی کہ روس کی دعوت ہوتے ہوئے بھی وہ پہلے امریکہ تشریف لے گئے۔

عقب بنی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر میں یہ کہوں کہ خان لیاقت علی خان کا دوہ امریکہ وزیراعظم سے زیادہ وزیر دفاع کی حیثیت سے تھا تو شاید بے جا نہ ہوگا اس وقت تک ملکی کی دفاعی ضروریات قوم کی معاشی منصوبہ بندی پر غالب آ چکی تھی اور ہر خیال و منصوبہ ثانوی حیثیت اختیار کر چکا تھا پاکستان میں اس سوچ کا سرچشمہ جنگ کشمیر سے پھوٹا تھا مسلح تصادم اور راس کی مستقل فضا دونوں نے مل کر پاکستان کی صورتگری میں حصہ لیا اور پھر اسی ماحول کے مطابق اقتدار کا محل تعمیر ہونا شروع ۃ وگیا ہم نے دیکھ لیا کہ آگے چل کر اس جنگی فضا کا پاکستان کی وحدت اور آئین پر کیا اثر مرتب ہوا۔

فائر بندی۔لیاقت نہرو معاہدہ

کمشیر میں فائد بندی کے باوجود ہندو پاکستان کے باہمی شکوک اور مسلح تصادم کی ذہنی فضا نہ صرف یہ کہ قائم رہی بلکہ امر مسلمہ سمجھے جانے لگی اقوام متحدہ کی وساطت سے کشمیر میں استصواب رائے کے جو عہد و پیماں بین الاقوامی سطح پر بھارت نے کئے تھے وہ ان سے بتدریج منحرف ہونے لگا بطور ردعمل پاکستان میں ہندوستان کی جان بسے بے اعتمادی کا احساس بڑھتے بڑھتے یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔

کشمیر میں فائر بندی سلامتی کونسل کی قرارداد مورخہ 13 اگست 1948ء کے مطابق عمل میں آئی تھی نیز طے پایا تھا کہ کشمیر کا مستقبل خود مشریکی طے کریں گے قرارداد کی منظوری کے بعد اصولاً تو ریاست میں حربی کاروائی کو بند ہو جانا چاہتے تھا مگر ایسا نہ ہوسکا اور مزید چار ماہ پیان شکنی کی نذر ہو گئے بھارت اس امر پر تیار نہ تھا کہ اپنی مسلحہ افواج کا بڑا حصہ Bulk کشمیر سے ہٹائے اور پاکستان جو اسوقت تک جنگ کشمیر میں اپنی فوج کی باقاعدہ شمولیت کا اعتراف کر چکا تھا کے لئے عملاً یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حریف کی موجودگی میں اپنی فوج کو پسپائی کا حکم دے سکے پھر بھارت نے اپنی افواج کے بڑے حصہ Bulk کے کشمیر سے انخلاء کے بعد باقی ماندہ فوج Balance کی جو تاویل کی اس کے جواب میں پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کو کہنا پڑا کہ اگر Balance کا مفہوم یہی ہے تو پھر بے شک آپ Bulk رکھیں اور Balance ہٹا لیں اس وقت ہندوستان کی تین ڈویژن فوج کشمیر میں موجود تھی بکتر بند دستے جنرل تھمیا بھارتی ٹیکنک پر زوں کی شکل میں خچروں کی پشت پر لاد کر پہاڑوں پر لے آئے تھے اور پھر ان ان پرزوں کو جوڑ کر مکمل کر لیا تھا اوران ٹینکوں کو پاکستانی پیادہ دستوں اور 303 رائفل سے مسلح قبائلی لشکر کے مقابلہ میں استعمال کیا تھا

توپ خانہ ٹینکوں کے علاوہ اور Balance کا جو تخمینہ بھارت نے لگایا تھا اس کے مطابق پورا ملک اپنے مورچوں پر ڈٹا ہوا تھا۔

13 اگست 1948ء کی قرارداد پر گو عمل نہ ہوسکا پھر بھی اس کی اہمیت بنیادی او اصولی تھی چنانچہ فائر بندی کے بعد جب جنوری 1949ء میں سلامتی کونسل نے دوسری قرارداد پاس کی تو اس میں استصواب رائے کے اصول کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا اور دوبارہ اس کی توثیق کی گئی لیکن ہندوستان اس سے منحرف ہی رہا اور معرکہ کشمیر مقدمہ کشمیر بن گیا او واقدام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے بائیس مارچ 49ء کو امریکہ کے فلیٹ ایڈمرل Chester W.Nimiiz کو استصواب کا نگراں اعلیٰ نامزد کردیا تھا مگر ہندوستان کی ہٹ دھرمی کے باعث اقوام متحد کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان Uncip کا مستقبل ابتداء ہی سے معرض خطرہ میں پڑا گیا تھا کمیشن کے اراکین آئے اور چلے گئے اور ختم فسانہ ہوگیا جب پورے کمیشن کا وجود ہی غیر موثر ہوگیا تو نگراں اعلیٰ تنہا کیا کرتا ان کو تو کمیشن کی طے شدہ شرائط کے مطابق اپنا کام کرنا تھا مگر جب کمیشن کا وجود ہی بحران کی نذر ہوگیا تو 14 مارچ 1950ء کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے اس کا وجود ہی ختم کردیا ایک طرف تو Uncip کے راستے میں روڑے اٹکائے جارہے تھے اور متضاد توجیہات وتشریحات سے اسے بوکھلانے کی کوشش کی جارہی تھی دوسری طرف پنڈت نہرو نے 1949ء کے اواخر میں کشمیر کا معاملہ سرے ہی سے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے منصوبے کے مطابق وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کو مورخہ 27 نومبر 1950ء کے ایک مکتوب کے ذریعہ جنگ نہ کرنے کے العن یا معاودہ کی پیش کش کی۔ لیاقت علی خان نے جواہولعل کے جواب میں مثبت مستحکم ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ثالثی کے اصول کو تسلیم کرلیا مگر اس امر پر اصرکیا کہ ثالت سے لیکن اس پر پنڈت نہرو راضی نہ ہوئے جواہرلعل سیای اور پر ثالثی کا اصول ماننے پر آمادہ نہ تھے۔ لیاقت علی خان نے ثالثی کے بارے میں اپنی رائے پر اصرار کیا اور اس پر بات ختم ہوگئے اور پر امن بقائے باہمی کی طرف جو ممکنہ پیش رفت ہوسکتی تھی وہ ختم ہوگئی۔

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے باہمی تعلقات کی تہہ میں بے اعتمادی اور تلخی کے جو تاریخی عناصر ہیں وہ باہمی امن و آشتی کے راستے کما ہمیشہ پتھر بن جاتے ہیں معاملات ذرا روبہ اصلاح ہوئے کہ پھر اچانک زہر کا سونا پھوٹ پڑتا ہے او حالات متغیر ہو جاتے ہیں البتہ اس کا ایک دوسرا دلچسپ رخ یہ بھی ہے کہ جب حالات بظاہر انتہائی سنگینی صورت اختیار کر دیتے ہیں تو پھر اچانک سنبھالا بھی لے لیتے ہیں اور از سر نو صلاح و آشتی کے مکالمے اور مظاہرے ہونے لگتے ہیں۔

Uncip کے اختتام پر اور جنگ نہ کرنے کے معاہدہ کی تجوزی کی ناکامی کے بعد پاک و ہند تعلقات ایک بار پھر تعلطل و کشیدگی کا شکار ہو گئے بلکہ 1949ء کے آخر اور 1950ء کے اوائل میں تو ہندوستان نے باقاعدہ دھمکیاں دینا شرع کر دیں اس کی ابتداء ہندو مہاسبھا کے صدر شری جی این کھارے نے دسمبر 1949ء میں اس اعلان کے ساتھ کی کہ پاکستان کو دوبارہ بھارت میں ضم کر دیا چاہیئے جی این کھارے کو تو اس لئے نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ ان سے خیر کی توقع ہی خبت تھی مگر جب اس نوعیت کی گوفتار بھارت کے نائب وزیر اعظم اور وزیر اعظم نے شروع کی تو اسے نظر انداز ممکن نہ رہا 14 جنوری 1950ء کو سردار لبھ بھائی پٹیل نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ بھارت نے ایک عجیب بے تکی اور بھونڈی بات کہی ان کے بقول جب بھارت کے لوگ جنوبی افریقہ کے لوگوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کر سکتے ہیں تو پھر مشرقی بنگال کے مظلوم لوگوں کے ساتھ کیوں نہ کر سکتے۔

ابھی سردار پٹیل کے بیان کی بازگشت فضا میں گونج رہی تھی کہ پنڈت نہرو نے نہایت درشت لہجہ میں پاکستان کو متنبہ کیا کہ اگر وہ آسانی سے راہ راست پر نہ آیا تو دوسرے ذرائع استعمال کئے جائیں گے پنڈت نہرو کا انداز بیان اس قدر تند و تلخ تھا کہ امریکی روزنامہ New York Times نے اس کا نوٹس لیتے ہوئے لکھا کہ بڑی عجیب بات ہے کہ تشدد کی یہ دھمکی اس ملک کے وزیر اعظم کی جانب سے آئی ہے جو دوسروں کو امن کا سبق دیتے ہیں اور مشرق و مغرب کے اختلافات کو پر امن ذرائع سے نمٹانے کے تلقین کرتے نہیں تھکتے ظاہر ہے کہ خود وزیر اعظم ہند اپنے معاملات کو گفت و شنید سے طے کرنے کے قابل نہیں اور حد تو یہ ہوئی کہ بھارت

کے سب سے بڑے امن پسند قائد جے پرکاش نرائن نے بھی پاکستان کے مشرقی بازو کے خلاف پولیس ایکشن کی دھمکی دے ڈالی مگراس وقت پاکستان کی لیڈر شپ بالخصوص وزیراعظم لیاقت علی خان نے انتہائی تدبر اور تحمل سے کام لیا اور ہندوستان کی دھمکیوں کو خاموشی سے پی گئی اجس کے سب نہ صرف یہ کہ کشیدگی اور تناؤ کی فضا یکسر ختم ہوگئی بلکہ لیاقت نہرو کا اعلان پڑھ کر لاکھوں کروڑوں لوگوں نے سکھ کا سانس لیا حتی کہ خود نہروں نے بھی اعتراف کیا کہ ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر پلیٹ ہیں یعنی تباہ کے کنارے پہنچ کر بچ گئے مگر ابھی لیاقت نہرو معاہدہ کی سیاسی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ تصادم معرکہ آرائی کی وہی تباہ کن فضا جو دونوں ملکوں کو ورثہ میں ملی تھی پھر عود کر آئی۔

اسی سال امریکہ میں لیاقت علی خان امریکہ کے تاریخی دروے پر گئے وہاں منجمہ اور افرد کے وزیراعظم کی ملاقاتیں امریکہ کے وزیر دفاع اودسرے اعلیٰ فوجی افسران اور ذمہ دار عہدیداروں سے ہوئیں ان ملاقاتوں میں لیاقت علی خان نے پاکستان کی جغرافیائی اوو حربی اہمیت اور پاکستان کی فوجی روایات اور خوبیوں کو بڑی خوبی سے بیان کیا پھر کینیڈا کے شہر اٹاوہ میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جو لوگ اسلحہ کے حصول کے معملہ میں پاکستان پر تنقید کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ پاکستان بالکل درہ خیبر کے شمال میں چند میل کے فاصلہ پر روس کی کتین فوج متعین ہے کیوں کہ روس نے اس بارے میں پاکستان کو کچھ نہیں بتایا (تاہم ان کی حربی قوت کوئی راز سر بستہ نہیں) اور پاکستان کو دفاعی مقاصد کے لئے اسلحہ اور سامان حرب کی شدید ضرورت ہے قدرتاً وزیراعظم پاکستان کے دورہ امریکہ کا روس میں شدید ردعمل ہوا جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ لیاقت علی خان کو دعوت نامہ پہلے روس کی جانب سے ملا تھا مگر انہوں نے بوجودہ دورہ امریکہ کو ترجیح دی۔

ہندوستان میں دو وجوہات سے وزیراعظم پاکستان کے دورہ امریکہ کا منفی ردعمل ہوا اولاً بھارت کو یہ پسند ہی نہ تھا کہ پاکستان کو ایسے باوسیلہ حلیف میں جو مادی طور پر خصوصاً حربی ساز وسامان کے ضمن میں اس کی بھر پور مدد کر سکیں دوئم یہ کہ بین الاقوامی

میدان میں پاکستان کسی بھی اعتبار سے اس کا مدمقابل یا حریف بن سکے، پاکستان کو تو بھارتی اپنے سامنے طفل مکتب ہی گردانتے تھے اس نئی صورتحال سے بھارتی اکیدم بوکھلا گئے اور پاکستان کو پورے بے شرمی سے ہدف تنقید بننے لگے حالانکہ خود نہرو اکتوبر 1949ء میں امریکہ کی طویل یاترا کر چکے تھے اور اپنے الفاظ میں اسے Vovage of Piscovery یا دورہ دریافت قرار دے چکے تھے معاملہ دراصل ان ہی ذہنی تحفظات اور شکوک کا تھا جن کے باعث ہندوستان یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ پاکستان پیش قدمی کر کے اتنا مستحکم ومبوط ہوجائے کہ تعمیر کے بعد اس کی فوری تخریب یا عدم استحکام واانتشار کے جو خواب فرق مخالف نے دیکھے تھے وہ ہمیشہ کے لئے خواب پریشان بن کررہ جائیں ویسے اگر عقی بنی سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روس کے مقابلہ میں وزظر اعظم کے ترجیحی دورہ امریکہ جہاں بہت سے سیاسی فوائد حاصل ہوئے ہیں وہاں ایک عظیم نقصا یہ بھی پہنچا کہ اس دورہ کے نتیجہ میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کی سمت متعین ہوکرہ گئی اور اس میں سے لچک جاتی رہی۔

لیاقت نہرہ پکٹ پر دوطرف عمل کے باوجود بھی واضح رہے کہ اس پیکٹ کے لئے تحت کھوکھراپار کی سرحد کھو گلی گئی ہندو پاکستان کے باہمی تعلقات میں نشیب وفرازا اور ناہمواری قرار رہی اور تصادم کے راستہ نہ صرف کھلا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے وسیع تر ہونے لگا بقول ایس ایم برق یاقت نہرو معاہدہ نے دونوں مملکتوں کے درمیان فوری تصادم اور جنگ کا سدباب تو ضرور دیا گیا مگر وہ ان مستقل بحرانوں اور اختلافات کا راستہ نہ روک سکا جو اس کے بعد رونما ہوئے اور نظریاتی طور پر بھی تک موجود ہیں۔

پاکستان کی خارجی پالیسی، ایک تاریخی جائزہ

1951ء کا سال شروع ہی سے پاکستان کے لئے نت نئے بحرانوں کا پیش خیمہ بن گیا ابھی پاکستان کے پہلے آرمی کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان نے اپنا عہدہ سنبھالا ہی تھا کہ راولپنڈی سازش کیس کا انکشاف ہوا اس واقعہ کا تذکرہ چونکہ پہلے ہی ہو چکا ہے اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ اس کے انکشاف کے بدخود پاکستان کا سیاسی امن اور استحکام معرض خطر میں پڑتا نظر آیا فوج کا اس طرح سیاست میں ملوث ہونا کوئی نیک فال نہیں چنانچہ ہر قسم کی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور ملکی سیاست پر بھی پہلی بار بحران کا سیہ پکڑتا دکھائی دیا ساتھ ہی سرحد پار ہندستانی فوج کی نقل وحرکت کی خبریں بھی آن شروع ہوگئیں ظاہر ہے کہ پاکستان میں رونا ہونے والے کسی ایسے واقعہ سے جی میں فوج ملوث ہو ہندوستان کا متاثر ہونا زمی تھا کیوں کہ اکثر انتشار بیرونی تصادم کا پیش خیمہ بھی بن جاتا ہے۔

مارچ 1951ء میں راولپنڈی سازش کیس کا انکشاف ہوا اور اس کے ساتھ ہی باہمی امن و عافیت کی جو فضا نہرو لیاقت معاہدہ سے پیدا ہوئی تھی دھیرے دھیرے ختم ہونگی ار اسل کے وسط تک لیاقت علی خان کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ مصدیقہ اطلاعات کے مطابق ہنوستان بڑی تعداد میں اپنی فوج کشمیر اور مشرقی پنجاب کی سرحدوں پر جمع کر رہا ہے اس کے ساتھ ہی لیاقت علی خان کے وزیر اعظم بھارت کو متنبہ کیا کہ وہ عمداً کشیدگی کی فضا پیدا کر رہے ہیں کیوں کہ سرے سے ان کا ارادہ ہی نہیں کہ آپس کے اختلافات پر امن ذرائع سے حل ہوں انہوں نے نہرو سے اصرار کیا کہ وہ اس خطرے کا جو پاکستانی سلامتی کے لئے پیدا ہو چلا تھا فوری سدباب کریں۔

جواباً نہرو نے و یہ تند و تیز لہجہ اختیار کیا جس نے اور وسائل میں اضح اور نا قابل تر دید فوقیت کے با وجود ہندوستان کواس کی عظمت سے محروم کرکھا ہے جواسے انکسار اور تحمل سے یہ آسانی حاصل ہوسکتی تھی پنڈت نہرو نے لیاقت علی خان کے پیغام سے چڑ کر جوابی الزام لگایا اور دعوی کیا کہ خود پاکستانی فوج کی نقل وحرکت جاری ہے اوراس کا اجتماع سرحد پر ہورا ہے اور حکومت ہند فوج کشی کے خطرے کوکسی طرح بھی نظر انداز نہیں کرسکتی چنانچہ حکومت ہند دفاعی اقدام کے طور پک اپنی فوج کوحرکت میں لائی ہے۔

1951ء کے بحران کی پشت پر وہی دو دیرینہ تاریخی اور نفسیای محرکات تھے پاکستان سے خدا واسطے کا بیر اور سراسر خودساختہ خداشات جن کا کوئی جواازنہیں تاعسکری اور جغرافیائی طور پر کشمیر کا تصفیہ وقت کے ساتھ ساتھ اتنا پیچیدہ ہوتا جاہا تھا کہ کبھی کبھی خود تقسیم کی نفی کرتا معلوم ہوتا تھا کرن سنگھ نے تمام بین الاقوامی معاہدوں قوانی و اضوابط اور اقوام متحدہ کی قرار دادوں کو بالائے طاق رکھ کر جموں وکشمیر کی متنازعہ ریاست کے لئے آئین ساز اسمبلی کے انتخاب وانعقاد کا عان کردیا تھا مہاراجہ کشمیر کے اس استعال اعلان پر کشمیری مسلمانوں کی اکثیت کا ردعمل نہایت خست تھا علاہ ازیں پاک بھارت تعلقات پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا اور بین الملکتی تعلقات ابھی پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ پھر بگڑنا شروع ہو گئے۔

اس طرح 1951ء میں ہنو پاک فوجی بحران کا آغاز ہوا یہ صورتحال جنگ کشمیر سے بھی کہیں زیادہ مخدوش تھی اپنیر بی شدت وخون ریزی کے با وجود کشمیر کی کجن بہرحال ایک مقامی تصادم تھا اوراس کا کوئی اثر ہندو پاک کی طے شدہ سرحودوں پر نیں پڑا جب کہ 1951ء کا فلیپ با قاعدہ پاک بھارت سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہوا جن کے نتیجہ میں جنگ چھڑ جانے پران سرحدوں کی پاما ی ناگز یر تھی اور یہ واقعہ تقسیم ملک کے صرف چار سال اور کشمیر میں فائر بندی کے صرف ڈھائی سال بعد پیش آیا۔

اس طرح تصادم کی وہ ہولناک فضا جو دونوں ملکو کے خمیر میں شامل تھی ایک بار پھر سنگینی حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔

لیاقت علی خان کا مکہ

اگست 1951ء کے پہلے ہفتہ تک ہندو پاک افواج کا بڑا حصہ زمانہ امن کے ٹھکانوں اور چھاؤنیں سے نکل کر سرحد پر ایک دور سے کے مدمقابل صف آرا ہوگا اعلان جن کسی لمحہ بھی متوقع تھا ورا ساری ہنگامہ آرکائی کا کوئی معقول جواز نہ تھا پاکستانی فوج تو جن کارروائی کا آغاز نہیں کرسکتی تھی مگر ہندوستان مسلح جارحیت کا بہانہ تلاش کرر ہا تھا عجب صورتحال تھی کہ لیاقت نہرو معاہدہ بھی ہور ہا ہے اور مسلح افوج کو صف آرائی کا حکم بھی دیا جار ہا ہے۔

ہندستان کی فوجی نقل وحرکت نے لیاقت عل خان کو یہ یقین دلایا کہ عدم جارحیت کے اعلان کی جو پیش کش نہرو نے کی ہے بےسود اور بے معنی ہے اس تجویز سے برصغیر میں نہ تو امن کا قیام ممکن ہوگا ورنہ ہی مسائل کی نوعیت تبدیل ہوگی البتہ ہندوستان اس پیش کش کو بیرون ملک اپنا حق میں بطور پروپیگنڈہ استعمال کرے گا۔

انگستان کے روزاناہ مانچسر گارڈین نے لیاقت علی خان کے ان ذہنی تحفظات کو خدشات کی تائید کرتے ہوئے لکھا۔

ہندوستان جی کی نقل وحرکت اوراس کے اجتماع کی صریہی قابل فہم وجہ ہوسکتی ہے کہ قبل اس کے کشمیر کے کام آئین ازا اسمبلی اپنا کام شروع کرے کو ہندوستان اپنی فوجی پوزیشن مستحکم کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ کم وبیش انہی خیالات کا اظہارلن کے موکئر جریدے نے کیالفت روزہ اکنامسٹ کے بقول ہندوستان نے اپنی فواج کا اجتماع پاکستانی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اس وجہ سے کیا ہے کہ ایک طرف پاکستان پر کوعب الا جائے اوراسے خوف زدہ کر کے کشمیر کی نام نہاد آئین ساز اسمبلی کے لئے یہ ممکن اور سہل تو بنارہے ہے کہ وہ

نعرے بلند کئے۔

لیاقت علی خان کا ممکہ نہ صرف پاکستان قوم کے عزم کا نشان بلکہ ہندستوان کو الٹی میٹم بھی تھا فوجیں میدان میں کیل کانٹے سے لیس کھڑی تھیں اور حکم کی منتظر تھی مگر پھر جیسے بغیر کسی معقول وجو کے بحران کھڑا ہو گیا تھا ویسے ہی ٹل گیا بلا شبہ اس وقت اپسکتا نکی سیاسی اور فوجی قیادت نے انتہائی صبر و تحمال اور سوجھ بوجھ کا مظاہر کیا کیونکہ مشکیر کے محدود علاقہ میں لڑنے اور پاکستن کی پوری سرحدوڈ پر جنگ کرنے میں بہت فرق تھا نیز کھلی جنگ یا جنرل وار اگر ایک بار شروع ہو جتی تو مشرقی بنگال کا بھی اس کی لٹیٹ میں آنا یقین نہیں تو ممکن ضرور تھا اور مشرقی بازو کی دفاعی حالت اور قوت ایسی نہ تھی کہ مغربی پاکساتن کے مین بیس اور ہیڈکوارٹر سے بالکل علیحدہ وتے ہوئے بھی وہ اپنا دفاع خود آپ کر سکتا تھا چناچہ مغربی محاد پر پوری طرح تیار ہنے کے باوجود اپکستان نے جارحیت کے معاملہ میں مکمل ضبط و تحمل سے کام لیا اروساتھ ہی ہندوستان کو بھی صورت حال پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا بارشوں کا موسم جو پہلے ہی شروع ہو چکا تھا اثناء میں زور پکڑتا گیا اور میدان پر پڑی فوج کے لئے اپن یکھلے موروچوں پر محض انتاظر میں بیٹھا رہنا مشکل اور گراں ہو گیا۔

ابھی فوجیں سرحدو پر کھڑیں تھی اور یہ سوال زیر بحث تھا کہ پچھے ہٹنے کا عمل کس طرح شروع ہوا اور کون پہل کرے کہ پاکستان کو یاقت علی خان کی شہادت کا البتہ پیش آ گیا اواس عظیم ساھنحہ نے اس نوازئیدہ مملکت کی بنایدوں کو ہلا کرر کھ دیلا درو بازتو ابھی اس کے ابھرے نہیں تھے بنیادوں کی بھی ہنوز ترائی ہورہی تھی بھونچال نے آلیا اور تھوڑی دڈیر کے لئے تو یہ معلوماہا کہ بس اب یہ زمین بوس ہو جائے گی مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چھکے۔

لیاقت علی خان اقتل کئی اعتبار سے قائداعظم کی وفات کے کہیں زیادہ اندوہناک تھا پاکساتن کا پہلا سیاسی قتل انتہای ء سنگینی اور مخدوش حلاات میں پش آیا اسی سال 1951 کے آغاز میں راولپنڈی سازش کا انکشاف ہوا اسی سال کشمیر کا یکطرفہ اور غیر منصفانہ فیصلہ بلکہ صحیح معنویں میں تیاپانچہ کرنے کے لئے ہندستان نے یہ اہم تریقن قدم اٹھایا کہ وہاں آئین ساز اسمبلی قائم کر کے استصواب سے پہلے ہی عام انتخابات کغے انعاقد کا ڈھونگ

رچایا اسی ہندوستان نے پاکستان پر فوج کشی کا منصوبہ بنایا اور اپنی دوتہائی فوج اس کی مغربی سرحد پر متعین کردی اور اسی سال لیاقت علی خان قتل کر دیئے گئے قائداعظم کی وفات بہر صورت پیرانہ سالی طویل علالت اور قدرتی اسباب کی بناء پر ہوئی اور طبی موت تھی مگر لیاقت علی خان کی عمر ابھی صرف 52 سال تھی وہ پوری طرح صحت مند تھے اوا پنی دور بینی، دوراندیشی اور سیاسی فہم وبصر ییت سے قوم ک بہت کچھ دے سکتے تھے کہ ایک غیر ملکی کی گولی کا شکار ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون!

1951ء کے ہندو پاک بحران میں پاکستان کی سیاسی اور فوجی قیادت کا کردار مثالی رہا اور انہوں نے کمال ضبط وتحمل، تدبر، بردباری ارو دوراندیشی سے کام لیا خود ایوب خان اپنی کتاب Friends, Noiaters میں راوی ہیں کہ بحران کے دوران ایک موقع پر وزیراعظم نے ن سے کہا جنرل میں ہندوستان کی روز روز کی دھمکیوں سے تنگ آ گیا ہوں بس اب یہ قصہ ختم ہونا چاہئیے آخر کہاں تک اس پر جنرل موصوف نے وزیراظم سے کہا جناب آپ نے ٹھیک فرمایا لیکن جنگ لڑنے کا معاملہ آپ ان لوگوں پر چھوڑ دیں جن کا کام ہی جنگ لڑتا ہے (یعنی فوجیوں پر) اور اس معامللے میں آپ پہل نہ کریں وزیراعظم یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

اسی طرح پاکستانی قیادتکی کامیاب حکمت عملی موسم براس کی بروقت موثر مداخلت اور لیاقت علی خان کی شہادت نے پاکساتن اور ہندوستان کو پہلی بار ایک کھلی ہوئی جنگ میں الجھنے سے بچالیا البتہ پاکستان میں عدم تحفظ کا احساس اور بھی گہرا ہو گیا سرحد پر افواج آنکھ میں آنکھ ڈالے کھڑی تھیں کہ اندڑرن ملک انتشار کا احتال پیا ہو گیا اور اپکساتن عافیت کی تلاش میں نکل کھڑا ہو گیا ہندوستان سے شدید تصادم کی فضا میں عافیت کا واحد مفہوم یہ تھا کہ ہر حالت میں اور ہر قیمت پر ملک کے دفاعی نظام کو اتنا مستحکم مضبوط اور مربوط کیا جائے کہ ہندستان کی طرف سے دی جانے والی روز روز کی گیدڑ بھبکیوں کا سلسلہ ہمیشہ کیل ئے ختم ہو جائے او منطقی دلیل کچھ اس طرح بنے کہ بیرونی خطرات سے تحفظ ملے تو پاکاستن ہ یا وتحفظ صرف مسلح افواج کر سکتی ہیں لہذا مسلح افواج ہیں تو پاکستان ہے اور اگر نہیں ہیں تو پاکستان بھی نہیں ہے خود لیاقت علی خان نے اپنی شہادت سے پہلے اپنی تقاریر میں بار بار اعلان کیا کہ وہ پاکستان کے عوام کو بھوکا مرتا دیکھ سکتے ہیں مگر پاسکتان کے دفاع

پر کوئی آنچ نہیں آنے دڑیں گے اس طرح عسکیر دفاع گویا پاسکتان کی بقا کا مرکزی ستون بن گیا اور ملک کے سیاسی و معاشی استحکام کا معاملہ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا اور افواج کے محکمہ تعلقات عامہ والوں نے چٹکیاں بجا بجا کر یہ گانا شروع کر دیا کہ بھائی فوج نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

اسی پریشانی اور بے سروسامانی کے عالم میں پاسکتان کو بس امریکا کا سہارا نظر آیا۔ برطانی اگرچہ ابھی تک برطانیہ عظمی تھا اور دنیا کے باک بڑے حصہ پر اس اجھنڈا الہراتا تھا مگر اب اس کی قوت او اقتدار کا آفتاب گہنا چکا تا ویسے بھی پاسکتان ر برطانیہ کے تعلقات میں کشیدگی تو ابتداء ہی میں پیدا ہو چکی تھی بکلہ اس میں بڑی حد تک تلخی کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا جس کی متعدد تاریخی وجوہات تھیں جن میں وائسرائے ہند ماؤنٹ بیٹن کی ریشہ دوانیوں کے علاوہ ریڈ کلف باؤنڈری ایوارڈ جس سے ماؤن بیٹن کو بالکل بری الذمہ نہیں کیا جا سکتا ہندو پاکستان کے درمیان اثاثوں کی تقسیم کا معاملہ جنگ کشمیر میں برطانیہ کا کردار برطانوی پاؤند کے ساتھ پاسکتان کا اپنے روپے کی قیمت گھٹانے سے انکار، اور ان سب سے بڑھ کر حکمران نرو برطانوی نیو پارٹی کا پاستکان کی طرف معاندانہ رویہ گویا بے شمار عناصر کشیدگی کے موجود تھے۔

ہر چند کہ پاسکتان دولت مشترکہ کا پورا ممبر بھی تھا اور قانونی و دستوری لحاظ سے ہنز برطانیہ کی نوآبادی کا دجہ رکھتا تھا ہندوستان آئین سازی کا عمل مکمل کر کے ایک آزاد و خدمختار جمہوریہ کا درجہ حاصل کر چکا تھا مگر پھر بھی پاکساتن اور برطانیہ میں فاصلہ قائم ہی رہا اور کشدگی برقرار رہی مزیدڈ برآں جدید اسلحہ کے شعبہ میں برانیہ کے پاس تھا بھی کا جو پاکستان کو دیتا اس کے پاس تو دوسری جنگ عظیم کے بچے چھے ہتھیار تھے جبکہ پاکستان کو نئے او موثر ہتھیاروں کی رضورت تھی جو صرف امریکہ ہی پوری کر سکتا تھا جنگ کے فوری بعد روس بھی ابھی اس قابل نہیں وہا تھا کہ وہ کسی اور ملک کی مدد کر سکے روس خود اپنی منتشر مسلح افواذ از سر نو مسلح اور مربوط کرے کی تگ و دو دود میں لگا ہوا تھا چنانچہ پاکستان کی نظر ایسے ھیں امریکہ ہی پر پڑ سکتی تھی او پڑی جبکہ خود امریکا کا جھکاؤ ہندکعستان کی طرف تھا اووہ پاکستان کے مقابملہ میں ہندوستان سے تعلقات اسوار کرنے کا خواہاں تھا اسان کا اندازہ اس بات سے بھجی کیا جا سکتا ہے کہ صدر امریکہ نے چیسٹر باؤ جیسے اہم شخص کو نئی ہلی میں امریکا کا سفیر مقرر کیا اور اپنیسفیر کو ہندوستان سے بطور خاص تعلقات استوار کنے کی ہدایت کی مگر آزادی

کے فوراً بعد نہرو کا ہندوستان جو ابھی انگریز کے مقابلہ میں اپنی فتح کے نشہ میں سرشار تھا وہ بھلا امریکہ کو کہاں گردانںے والا تھا امریکا کا منصبہ تھا کہ ہندوستان مغربی قوتوں کے ساتھ مل کر مشرق یعنی کمیونسٹ روس اور چین کے خلاف ایک متحدہ محاد بنائے مگر اول تو نہرو کو اپنے ترقی پسندانہ اشترا کی نظریات پر بہت نامز تھا دوئم چین سے ان کا گاڑی چھن رہی تھی ارو فضا چین ہندی بھائی بھائی کے نعروں سے گونج رہی تھی اس لئے ھنہر و نے امریکہ کی دوستی کو درخوا اعتنا سا جھا چنانچہ امریکہ بھی ہندوستان سے بدل گیا اور امریکہ کی نظریں پاسکتان پر جم گئیں ایک مسلم ملک کی حیثیت سے پاسکتان اگر اشترا کیت کا مخالف نہیں تو کم از ک ان کے حق میں بھی نہیں ہر سکا تھا نیز دوسرے مسلم ملکوں کے برعکس جو تاریخی اہمیت کے حالم تھی پاسکتان کی غایت وجود اور وجہ آخرنیش اس کے نظریاتی وجود سے ہم رشتہ تھے پاسکتان اسلامی نظریہ قومیت کے باعث وجود میں آیا تھا اور اس سے انحراف ممکن ہی نہ تھا۔ باالفاظ دیگر پاسکتان کی نظریاتی شان نزول امریکہ کے حق میں تھی اس کے علاہ کشمیر میں محدود مگر طویل مسلح تصادم ارو 1951ء کے واقعات کے بعد پاسکتان کی دفاعی ضروریات میں اضافہ وا تھا اور ان ضرویرات کو خاطر خواہ طور پر امریکہ ہی پورا کرسکتا تھا چنانچہ پاکستان کا عدم تحفظ کا احساس ارواس سے پیدا شدہ دفاعی استحکام کی رضورت اور امریکہ کا اشترا کیت کے خلاف عالمی محاذ کا منصوبہ دونوں ایک مقام پر آ کر اس طرح مل گئے ہیں کہ پاک امریکی روابط کو آگے بڑھانے کے لئے مضبوط بنیاد میسر آ گئی مگر ان روایبط کا اصلی اور بنیادی محرک عسکریت ہی رہا ہر چند کہ پاکستان ک ہر قسم کی مالی اور اقتصادی تعاون کی ضرورت تھی او وامریکہ نے وقتاً فوقتاً پوری بھی مگر سارا زور عسکریت اور دفاعی ضروریات کی تکمیل ہی میں صرف ہوا امریکہ اپنے طور پر پاکستان کو اشترا کیت کے خلاف اپنی عالمی منصوبہ بندی میں ایک اہم مہرے کی حیثیت سے استمعال رنے کی سعوی کرتا رہا اور پاکستان نظریاتی طور پر اشترا کیت کا مخالف ہوتے ہوئے بھی اا پنے ہمسایہ اشترا کہ مما لک خاص طور پر چین کو رقار واقعی اپنا دشمن نہیں سمجھ سکا اس کی دشمنی اگر کسی سے تھی تو مشرق میں صرف ہندوستان سے تھی یا شمال مغرب میں اپنے ہی جیسے ایک مسلم مملک افغاسنت کی جانب سے اسے کچھ خطرات درپیش تھے جس کا رویہ اس کی طرف اس کے تمام تر برادارانہ اور دوستانہ جذبات کے باوجود خاص معاندانہ تھا چنانچہ امیرکہ سے پاسکتن کے بڑھتے ہوئے روابط کسی طرح پاکستن کی قومی اسٹراٹیجی کا رخ نہ موڑ سکے البتہ ایک جھول پاسکتان یک خارجہ حکمت عملی میں ضرور رہ گیا جس کی وجہ سے بادل النظر میں اس کی خارجہ پالیسی کو عالمی

نہرو بوگرہ ملاقاتیں

تسلسل کلام، استدلال اور یاد دہان یکے لےءایک بار پھر دہاؤں گا کہ ہر چند آزاد ہندو پاسکتان یک تاریخ کا عنوان ان لاکھوں بے گناہ بندگان خذدا کے خون سے رقم کیا گیا جو تقسیم برصغیر کے تنیج میں ہونے والی ہندو مسلم سول وار میں بے دریغ بہایا گیا تاہم ان پر ہر دونوازائیدہ آزاد مملکتوں ک مابین باقاعدہ مسلح تصادم کی طرف ماؤن بیٹن نے الی اور جس قصہ پر اس عمارت کو استوار کیا وہ بھڑی حدتک خود اس کا پیدا کردہ مسٔلہ کمشیر تھا۔

کہنے کو تو آپ کہ سکتے ہیں اور بہت سے متعبر ین کہتے بھی ہیں کہ اگر ہندوستان پاکستان کے درمیان کشمیر کا جھگڑا نہ بھی کھڑا ہتا تو پھر کوئی اور جھگڑا پیدا ہجاتا کیونکہ باہمی تصادم تو ان کا مقسوم تھا اور ان کی تعمیر ہی میں خرابای کی صورت مضمر تھی ممکن ہے یونی ہوتا تاہم یہ محض مفروضہ ہے اور اگر مگر سے مشروط ہے البت جس تاریخی صداقت کو رد نہیں کیا جاسکتا وہ یہ ہے ہ کشمیر دونوں پڑوسیوں کے مابین تنازعہ کا سبب بنا اور ہنوز بنا ہوا ہے ہندوستان پاسکتان کی تینوں لڑائیاں اور بے شمار چھوٹی بڑی سرحدی جھڑپیں اسیا یک مسٔلہ کیشمیر کی پیداوار ہیں اور آئاندہ بھی اگر کوئی مسلح تصادم ہوا اس امکان کو مکمل طور پر رد نہیں کیا جاسکتا تو بظاہر اس تصادم کی کوئی وجہ کیں نہ ہو فساد کی صال جڑ مسٔلہ کشمیر ہی ہوگا پانی تشکیل کے فوراًبعد پاکاتن کو پے درپے عظیم حوارث سے دوچار ہونا پڑا پہلے تو لاکھوں بے سروع سامان مہاجرین کا مسٔلہ کھڑا ہوا ہے اور ابھی یہ طے نہ ہو پاایا تھا کہ کشمیر میں جنگ شروع ہوگئی پھر بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحلت فرما گئے ساتھ ہی ہندوستانی حکومت نے حدیرآباد دکن پر چڑھائی کر کے نظام کو معزول کر دیا نیز ابھی پہلے پاسکتانی کمانڈر انچیف جنرل محمد اویب خان نے پانا عہدہ سنبھالا ہی تھا کہ راولپنڈی سازش کا انشکاف ہوا پھر اسی سال یعنی 1951 کے وسط میں پاسکتنی سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان یافواج کا جارحانہ انداز میں اجتمام ہوا تھا پھر لیاقت علی خان قتل

کر دیئے گئے نتیجاً داخلی انتشار پر پابو پانے کے لئے سیاستدانوں کے مقابلہ میں فوج اور بیوروکریسی کا متحدہ محاذ قائم ہوا افغانستان جاماندانہ ریہ مشرقی پاکستان کے تیزی کے ساتھ بدلتے وہئے حالات اور مسلم لیگ کی عدم مقبولیت پنجاب کی بگڑی ہوئی صظحات حال میں 53ء میں لاہر میں ارشل شاء کا نفاذ غرضیکہ وہ مملکت جس کی اسی ہی مسلم اتحاد، اخوت اور یگانگت پر رکھی گئی تھی دیکھتے دیکھتے باہمی اختلافات اور رقابتوں کا شکار ہونے لگی ملک کے دونوں بازوں میں جغرافیائی بعد تو پہلے ہی تھا اب ذہنی بعد میں بھی اضافہ ہونے لگا۔

افراتفری کے اس عالم میں ایک مربوط اور مستحکم قوت جو بظاہر نظر آئی وہ صف پاک فوج تھی ہندوستان سے مسلسل تصادم، یا تصادم کی فضا کے باعث قومی استحکام و بقا کے ضمن میں تو فوج کی اہمیت مسلم ہو ہی چکی تھی اب داخلی امور میں بھی اس کا نفوذ شروع ہوگیا غلام محمد ایوب خان اسکوندر مرز کی تکونکو قومی معاملات میں کلیدی اہمیت حصال ہگئی اور گویا طے پایا اگیاہ قوجی سطح پر اب جو بھی فیصلہ او پیش رفت ہوگی اس کا سرچشمہ اقتدار کی یہی تکون ہوگی ہر چند کہ ان ارباب ثلاثہ کو ایک ایک بازو کی حیثیت حاصل تھی مگر پوری مثالث پر فوجی کمانڈر ایوب خان ہی کا غلبہ تھا نوبت یہ اتیجار سیدک ایک موقع پر سر آغا خان نے خود ایوب خان سے کہا کہ صرف وہی اس ملک کو بچا سکتے ہیں اس اجمال کی تفصیل ایوب خان نے پاین خود نوشت سوانح کے صحف نمبر 43 پر بیان کی ہے خلاصہ کلاھم یہ کہ لیاقت علی خان کے قتل کے کچھ عرصہ بد سر آغا خان نے جنرل ایوب کو بطور خان نائس فرنس مدعو کیا یہ ملاقات 1953 میں ہوئیاور بقول جنرل ایوب پارلیمانی نظام حکومت پر سر آغاز خان نے کڑی نکتہ چینی کی اور ثابت کیا کہ یہ طرز حکومت پاکستانی مزاج کی روایت اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتی لہذا پاسکتان کی بقا کے لئے اس سسٹم کو بدلنا ضروری ہے اور یہ دمہ داری آغاز خان نے جنرل ایوب کے کاندھوں پر ڈالی کیونکہ سر آغا خان کے نزدیک جنرل ایوب وہ واحد شخص تھے جو اپکستان یک تاریخ بدل سکتے تھے اور پاسکتان کو بچا سکتے تھے۔

یہ ایک بیان تاریخی حقیقت ہے کہ لیاقت علی خان کی وفتا کے بعد ملک کا سیای نظام تیزی سے بکھرنے لگا ہر چند کہ امریکہ نوازی میں خود لیاقت علی خان پیش پیش رہے تھے اور اس سلھسل میں انہوں نے صرف امرکہ کو خوش ہی نہیں کیا روس کو بھی ناراض بھی کر دیا بہرحال وہ ایک خالص سیاست دان تھے اور امریکہ کی طرف مکمل جھکاؤ کے باوجد انھں نے سیاسی مصلحت اور آزادی

عمل کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا اور بھرم قائم رکھنے ھمیڈ ں کو یتا ہی نہیں کی وہ ہر طرح اور ہر وقت امریکہ کے ساتھ تعاون کرنے کو آمادہ تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتے تھے کہ کشمیر اور فغانستان کے اٹھائے ہوئے مسائل کے حل میں امریکہ پاسکتان کا ساتھ دے چنانچہ جب کوریا کی جنگ شروع ہوئی اور امریکہ نے کوریا بھیجنے کے لئے پاکستان سے فوجی دستے طلب کئے تو لیقات علی خان کی حکومت نے اس مطالبہ کا جواب بہت سرد مہری سے دیا اس کے باوجودڈ کے ہندوستان اپنا فوجی دستہ غالبًا ایک مکمل بریگیڈ پہلے ہی مدیان جنگ روانہ ہو چکا تھا۔

اس قسم کے سیاسی جوڑ توڑ صرف ایک سیاستدا نہی کر سکتا تھا اور جب وہ سیاستدان گزر گیا اور حکومت فج اور بیوکوکریسی کے زیر اثر آئی تو ماضی کے ماقبلہ میں حکومتی فیصلوں میں ایک قسم کا استحکام تو ضرور پیدا ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی ان فیصلوں میں ایک خاص قسم کی سختی بھی آ گئی گورنر جنرل غچلام محمد نے جنرل ایوب خان کے اشتراک وتعاون کے بل پر یہ تہیہ کر لیا کہ اب پاسکتان کا سود وزیاں صرف امریکہ ہی سے وابستہ رہے گا اور اس تعلق کی عمل شکل ملک کی بیشتر دفاعی ضروریات کی تمکیل پر منحصر ہو گی ظاہر ہے امریکہ کے لئے اس سے بہتر بات اور کیا ہر وسکتی تھی کو ینکہ اس طرح پاکستان کی خارجہ حکمت علمی سے مصلحت بنی کا وہ عنصر ہی غائب ہو گیا جو لیاقت علی خان نے بحثیت ایک سیستادا تن اپنی آزادی عمل کے لئے عملاً محفوظ رکھا تھا ویسے بھی لیاقت علی خان کے ہندوستان کو مکہ دکھنے کے بعد برصغیر میں کشیدگی کی جو فضا پدا ہوئی امریکہ اس سے بہت زیادہ خوش نہ تھا امریکہ کا خیال تھا کہ قصوز مین برسر زمین نہیں رہا اور حالات حد سے گزرتے جارہے ہیں۔ پاسکتان سے دوستی کے باوجود امریکہ کسی حالت میں بھی ہندوستان کی ناراضگی مول لینے کو تیار نہیں تھا اور اس کی پوری کوشش یہی تھی کہ ہندو پاکک مسلح تصادم کا خطرہ ہمیشہ کے لئے ٹل جئاے گو خود لیاقت علی خان کی بھی یہی کوشش تھی اور خواش تھی کہ ہندوستان سے جنگ نہ ہو چنانچہ وہ ایک طرف مکہ دیکھات تھے تو دوسری طرف کشمیر میں اقوام متحدہ کے ثالث ڈاکٹر فرینک گراہم کو خوش آمدید کہتے تھے ایک طرف خاردار چھڑی دکھاتھیت تو دوسرے ہاتھ سے زیتون کی شاخ آگے بڑھاتے تھے مگران کے بعد کا انداز سیاست ختم ہو گیا۔

لیاقت علی خان کے بعد خواجہ ناظم الدین وزیراعظم بنے مگر غلام محمد اور ایوب کے محتدہ محاذ کے سامنے ان کی ایک نہ چلی وزیراعظم ہوتے ہوئے بھی ان کی حیثیت

مملکت کی بساط پر ایک پیادے سے زیادہ نہ تھی چنانچہ وہ بالکل غیر موثر ہوکر رہ گئے ارو بالآخر اپیل 1953 میں گورنر جنرل نے نہایت غیر شائستہ طریقہ سے وزارت عظمی سے نکال باہر کیا اوران کی جگہ واشنگشن میں متعین پاسکتان سفیر محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم کی مسند پر لا بٹھایا اس طرح تصادم کی وہ فضا جو نہرو کے پاسکتان کے خلاف دوسرے ذرائع استعمال کرنے کی دھمکی دی اور اس کے ساتھ ہی پاسکتانی سرحدو کے ساتھ ہندوستان فوج کے اجتماع اور بطور ردعمل لیاقت خان کا مکان دکھانے سے پیدا ہوئی تھی یکسر ختم ہوگئی نہ صرف فوری جنگ کا خطرہ ٹل گیا بلکہ مسئلہ کشمیر جو پہلے ہی پانچ سال پرانا ہو چکا تھا کھٹائی میں پڑ گیا ارو از سر نو ہندو تاسن دوست یکے چرچے ہونے لگے۔

میرے پاس اس امر کا دستاوزی یثبوت تو نہیں کہ خواجہ ناظم الدین کی رطرفی کے بعد ہندوستان اور پاسکتان کے مابین جس دوستی او خیر سگالی کا مظاہرہ اس میں امریکا کا بھی ہاتھ تھا مگر جن حالات میں خواجہ صاحب کی برطرفی عمل میں ائی اروان کی جگہ ایک خالص امریکہ نواز نیم سیاستدان کو لا کر بٹھایا گیا اس کے بعد پاکساتن کے قومی امور میں امیکہ کی لاتعلق ارو غیر جانیداری مشکوک ہوکر رہ گئی مسند اقتادر پر بیٹھتے ہی تمام سیاسی وسفارتی مصلحتوں کو نظر انداز کر کے وزیراعظم پاسکتان نے امیرہ کے ساتھ ساتھ اپنے مکمل تعاون اوراشترکا کا علان کر دیا ایک اخابرنویس نے وزیراظعم سے دریافت کیا کہ کیا پاسکتانی پانی سرزمین پر امرکہ کو ہوائی اڈہ دینے پر رضا مند ہوگا وزیراعظ نے جواباً کہا کہ اگر پاسکتان کی سلامتی کو کبھی خطرہ لاحق وہا تو ہم ایسا کرنے سے گریز نہیں کریں گے انہوں نے مزید فرمایا ہم جمہوریي انداز میں سوچنے والے ہر ملک ارو اس کے عوام ک ساتھ باہمی سلامتی اواسحکام کے معالملت میں بھرپور تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔

مئی 1952ء میں امریکی وزیر خارجہ جان فوسٹر ڈ ڈلس پاکستان تشریف لائے اور اپنے گارڈ آف آر سے متاثر ہکر انہوں نے پاکستان کیح فوجی جوانوں کی عکمدہ کارکردگی سپاہیانہ شان اور شخصیت کی جی بھر کے تعریف کی اجتماعی سلامتی کے وہ تصورات جو آگے چل کر جنوب مشرقی ایشای کی تنظیم South East Asia Treaty Organisation (SEATO) اور بغداد پیکٹ بعد میں Central Treaty Organisation (CENTO) کی شکل میں ظاہر ہئے اصولی طور رپ ڈلیس کے مئی 1953ء کے دورہ پاکستان ک یدوران تسلیم کر لئے گئے تھے امریکی حکمیت عملی اورفوجی قوت کے زری سایہ پروان چڑھنے

والے اجتماعی سلامتی کے منصوبے پاسکتان کوفوری طور پر بہت پرکشش معلوم وہئے مگر آگے چل کر بہت سی پیچیدگیوں کا باعث بن گئے امریکی حکمت عملی کومن وعن تسلیم کرنے اور اس کے مطابق تشکیل کردہ فوجی معاہدوں میں عملی طور پرشریک ہونے کا یہ نتیجہ نکلا کہ پاسکتان کی توجہ خالص علاقائی معاملات اور خطرات سے بڑی حدتک ہٹ کر عالمی معملات پر مرکوز ہوگئی امریکہ کی ایک حلیف اور اتحادی کی حیثیت سے پاسکتان اب عالمی دفاعی حکمت عملی کا ایک اہم مہرہ بن گیا چنانچہ اپنی نئ حیثییت ارنسبت کے حوالے سے اسے ہندوستان کا وجوداوراس کی طرف سے لاحق خطرات پہلے سے کمتر معلوم ہونے لگے دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پاسکتان میں ایک قسم کا غلط اور حقیقی احساس تحفظ واستحکام پیدا ہاا ور بیجا قسم کی خوش فہمیوں نے جنم لینا شروع کر دیا امریکہ کی دوستی اورفوجی طاقت پر انحصار اتنا بڑھا کہ خوداپین ذات اور صلاحیت پر بھروسہ کرنے کی عادت بتدریج کمزور پڑنے لگی قی مسائل اور خطرات کا احساس وادراک مبہم تر ہونے لگا پکساتن نے یہ سمجھا بلکہ اس کا یقین کرلیا کہامریکہ ہرحال میں اس کا ساتھ دے گا اورامریہ یہ جستھا رہا کہ اشتراکیت کے خلاف اس کی عالمی معرکہ آرائی میں ترکی ایران مصراورشہراوسط کے دوسرے مما لک کے شانہ بشانہ پاسکتان ایک چابک سوار نباٹ کا کردااداکرے گزااس مفروضے کی رشونی میں امریکہ نے دورخی حکمت عملی اختیار کی یعنی ایک طرف تواس نے ہندوستان وپاکستان کے مابین تہر تعلقات اسوار کرنے کی سعی کی اور دوسری طرف پاسکتان کو عالمی اشتراکیت کے خلاف مسلح کرنا شروع کدیا پاسکتان کو بہرحال اسلحہ کی ضررت تھی دوسری عالمی جنگ کے استعمال شدہ برطانوی ہتھیار نہ صرف فرسودہ بلکہ عملاً متروک ہو چکے تھے پاکساتن میں اسلحہ ساز فیکٹری بھی نہیں تھی جوچھوٹے ہتھیاروں اوران میں استعمال ہنے والے گولہ بارود میں اسے خودکفیل بناتی بڑے ہتھیاروں کا سوال ہی کہاں سے پیدا ہتا تھا چنانچہ بغیر کسی ذہنی تحفظ کے پاسکتن نے امرکیی سے ہتھیار کحاصل کرنے شروع کرڈیئےاورامرینہ ننے نہایت خوشی اخوشی ان کی فراہمیشر وع کردی امیدڈ یہی تھی کہ آگے چل کروہ قینیاً روس کے لخاف ایک ہندو پاک محاذ بنانے میں کامیاب ہوجاۓ گا امرجکہ کا یہ منصوبہ ہندوستان اواپسکتن کے درمیان تاریخی اور روایتی خدشات وشکوک کا الزالہ تو نہ کرسکا البتہ مسئلہ کشمیر کی شدمت میں کمی آگئے۔

ڈلیس کے کراچی آنے کےصرف چندروزقبل نہرو بوگرہ ملاقات ک ایجنڈے کوآخری

شکل دے دی گئی واضح رہے کہ امریکہ نواز اور امیری ہدایت یافتہ وایراعظم محمد علی بوگرہ ن اقتدار میں آ ذتے ہی نہرو کو دستوی اور خیر سگالی کا ایک انتہائی پر جوش پیغام بھیجا جس کا نہرو نے اسی گرم جوشی سے جواب دیا اعلیٰ ترین سطح پر پاسکتان اور ہندوستان کے مابین اس قسم کی دوطرفہ گرم جوشی اگرانوکھی نہیں تو غیر معمولی ضرور تھی اور اس میں امر پیرک اثر ونفوز بالکل واضح تھا چنانچہ جس روز ڈلیس کراچی پہنچے محمد علی بوگرہ ن ایک پریس کانفرن سمیں اس عزم کو دہرایا کہ وہ ہندوستان اور پاسکتان کے مابین ہر اس مسئلے ے پرامن تصفیہ کی پوری کوشش ریں گے جس میں باہمی منافرت شکوک وشہبات ارو مسلح تصادم کے جراثیم موجذ ودڈ ہوں۔

ڈلیس کی کراچی سے واپسی کے تقریباً ڈھائی ماہ بعد پنڈت نہرو آزادی کے بعد پہلی بار پاستکان تشریف لائیب کراچی میں ان کا فقیصد المثال استقبال کیا گیا باہمی خیر سگالی اور بھائی چارے کے جتنے بھی مظاہرے ہسکتے تھے پنڈت نرو کے کراچی کے دروان قیام ہوئے ان کے اختتام قیام پر پاکی مشتکہ العایہ یا پیس نوٹ بھی جاری کیا گیا جس میں باہمی دلچسپتی کے معاملات کو پرامن طریقوں سے حل کنے کے عہد کی تجدید کی گئی ساتھ ہی پنڈت نہرو نے محمدڈ علی بوگرہ کو نئی دہلی آنے کی دوی جو بخوشی منظور کرلی گئی اور مشترکہ اعلایمہ میں اس امری کی تصدیق بھی کردی گئی جہ مستقبل قریب میں وزیراعظم پاسکتان مذاکرتا جاری کھنے کے لئے نئی دہلی تشریف لے جائیں گے خوذ دناہرہ نے کراچی سے واپسی سے قبل پریش کانفرنس میں اعلتاف کیا کہ اسوقت دونوں ملکوں ک مابین خیر سگالی اور نیک ئمناؤں کی ج فضا اور جذبہ ہے وہ یقیناً غیر معمولی ارقابل ستائش ہے اور مستقبل کے ہندو پاک تعقات کے لئے ایک فال نیک ہے اس میں کلام نہیں کہ باہمی دوستی کا اس وقت جو مظاہرہ ہوا وہ محض رسمی وتماشی نہ تھا بلکہ فی الیحققیت خلوص نیک نیتی پر مبنی تھا چنانچہ جب اس دورہ کے ضرفی ایک ماہ بعد وزیراعظم ہندوستان پنڈت نہرو کے ذاتی احکامات کے تحت شیر کشمیر شیخ عبدالل وزیراعلی جموں وکشمیر کے برطرف کر کے گرفتار کررلیا گیا تو بھی پاسکتان میں اس کے خلاف سرکاری ردعمل نہ ہونے کے برابر ہوا حالانکہ عام حالات میں نہرو کے اس اقدام کے خلاف شدید غم وغصہ کا مظاہرہ ہونا چاہئے تھا۔

شیخ عباللہ کی گفرتار کے صرف ایک ہفتہ بعد محمد علی بوگرہ اپنے طے شدہ پگر وام کے طمابق سرکاری دروہ پر نئی دہلی پہنچ گئے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان ان کے ہمراہ تھے ان دنوں کا پرتپاک استقبال کیا گیا اور دورران قیام بڑی آؤ بھگت ہوئی تقریباً میڈ دلی کے لال قلعہ یں ای کنہایت شاندار استقبالیہ بھی شامل تھا وزیراعظم پاسکتان نے چارروز نئ

دہلی میں قایم کیا سرکاری ستقبیر اُکے علاہ بیگم عالیمہ محادعلی کے جو اپنے شوہر کے ہمراہ تھیں بطور خاص شاپنگ کابدوبست بھی کیا گا ااور بیگام صاحب نے شاپنگ کا حق ادا کردیا اگر مجھے صحیح یاد ہے تو دلی کے برساتی حبس میں شاپنگ کرتے کرتے ایک مرتبہ وہ بے ہوش تک ہوگئیں محمد علی بوگرہ نے نہرو کو بڑھا بھائی اور خود کو چھوٹا بھائی کہاان کے یقام کے اختتام پر جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا وہ کافی امیداز فادتھا اوراس میں نہ صرف کشمیر کا کھل کر ذکر کیگ یااتھا بلکہ اس امر سے بھی اتفارق رائے کا اظہار کیا گیا تھا کہ اپریل 1954 تک کشمیر میں اقوام متحدہ کے زیرانتظام ہنے والے استصواب کے نگراالیٰ کا تقرر بھی عمل میں آجائے گا۔

محمد علی بوگرہ نے نئی دہلی کی اپیی پریس کانفرنس میں واضح طور پر کہا کہ ارہ ہنوز مسئہل کشمر کا حل ہماری مٹمیں نہیں مگر نظر کے سامنے ضرور ہے اور وقت دور نہیں جب ہندوستان اوک پاسکتان باہمی یگانگت کے رساتے کے اس پتھر کو ہٹانے میں کایماب ہوجائے گی وغیرہ وغیرہ اسی وقت جب ہندوستانارو پاسکتان کے مابین دوستی کی فضا ہموار ہوری تھش جان فوسٹر ڈلس کی وضع کدہ حکمت عملی کے طمابقا امریکہ میں پاستکان کو مسلم سکے ترکی اور ایران کے ساتھ فوجی معاہدے میں شریک کرنے کی تاریی جاری تھی مگر ہندوستان یک خفگی کا خطرہ مول لئے بغیر کیونکہ اکیری منصوسازان کے خیال میں پاسکتن ک بہت تھوڑی قیمت پر مسلح کر کے اور علاقائی و بین الاقوامی فوجی معاہدوں میں شامل کر کے بہت ماچھے نتائج حاصل کرئے جاسکتے تھے امیکا کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر کشمیر کا سئلہ خوش اسلوبی سے طے پا جائے تو پاسکتان کو اور بھی موثر طریقے سے عالمی اشستر اکیت کے خلاف مسلح کیا جاسکتا ہے اور ہندوستان کے شانہ بشانہ یا علیحدہ پاسکتان سے بہت کام لیا جاسکتا ہے، خالص امریکی نقطہ نظر سے اور ٹرومین نظریہ کے مطابق یہ حکمت عملی ضروری صحیح ہوگی ٹرومین نظریہ کا مدعا یہ بھا کہ ہر قیمت پر اشتراکی قوتوں کی ناکہ بندی کی جاء اوراس سلسلہ میں ہراس ملک کی بھرپور مدد کی جائے جوان قوتوں کا جم کر مقابلہ کرنے وتیار ہو مگر خالص پاکستانی نقطہ نظر سے اس صورتحال میں تھاریوں کی فراہمی اور تجدید کے عالوہ دو بنیادی سقم بھی تھے اول یہ کہ مسئلہ کشمیرک پر امن سمجھوتے کے حق میں ہونے کے الوجود ڈ امریکہ اسے وہ اہمیت دینے پر تیار نہ تھا جو یہ مسئلہ درحقیقت پاسکتان ک لئے رکھا تاا اور دوسرا یہ تھا کہ فوجی معاہدوں کی تشکیل اور فوجی معارونت کی تشولیع کا معاملہ عین اس وقت اٹھایا گیا جب ہندو پاکستان کے دوستانہ تعلقات اپنے عروج پر پہنچ رہے تھے۔

1954ء باہمی کشیدگی اور جارحانہ انداز کا فروغ

ہندو پاک تعلقات کی پر آشوب تاریخ میں 66,53,51ءاور 72ء دوستی او خیر سگالی کے اتعبار سے خاصل اہمیت کے حامل ہیں 50ء میں لیاقت نہرو معاہدہ ہوا53ء میں پنڈت نہرو پہلی بار پاسکتان تشریف لائے اسی سالم محمد علی بوگرہ پنڈت نہرو کی دعوت پر بھاتر تشریف لے ائے 66 میں اعلان تاشقیند کے مطابق دونوں ملکوں نے دسوتی کے عہد کی تجچدید کی اور اپنے تمام مسائل نتیز ان کے پیچھے کارفرما کشمیر بغر نام لئے تاریخی اور پیچیدہ سیاسی عقدہ ہائے لیاجنچل کو پر آمان ذرائع سے نماٹنے کا فیصلہ کیا گیا 72ء میں شملہ معاہدہ وہا جس کے مطابق دونوں ملکوں ڈنے ایک دوسرے کے مقبوطہ علاقے اور جنگی قیدی لوٹانے کا فیصل کیا اوراس کے ساتھ دو فریقی Bilateral بنیاد پر دیگر مسائل کو گفت وشنید کے ذریعہ حل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

خود میرے نھزدیک ان تمام سالوں میں 53ء کا سال انتہائی اہم ہے دوستانہ فضا اور مثبت عمل کے فروغ کے لئے جونتیجہ خیز بات چیت اواصولی اتفاق رائے اس سال ہوا اگر کہیں اس پر عمل درآمد بھی ہوجاتا تو یہ مسئلہ کبھی کا نمٹ جاتا ان ءیدہلی میں نہرو محمد علی مذاکرات کا سب سے اہم پہلو کشمیر کے لئے ایک باقاعدہ پروگرام اور ٹائم ٹیبل پر مکمل اتفاق رائے تھا ہر چند کہ ٹائم ٹیبل کے ساتھ Provisional یعنی عبوری یا عارضی کا لفظ استعمال ہوا تھا مگر ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرلیا گیا تھا کہ اقوام متحدہ کا نگران اعلیٰ برائے استصواب اپریل 54ء کے آخر تک اپنا عہدہ سنبھال کر اپنا کام شروع کردیگا ضروری نہیں کہ نگران اعلیٰ کے تقرر کے بعدڈ رائے شماری واقع ہوجاتی مگراس جانب کم ازکم ایک مثبت پیش رفت ت ہوئی اروٹگان کی موجودگی میں رائے شماری کے بغیر ہی کشمیری عوام کواپنے مستقبل کے بارے میں زیادہ کھلکر بات کرنے کا موقع تومل جاتا جوبجٓائے خود بڑی اہمیت کا حمال ہوتا مگر ایسا نہ ہوسکا ہندوستان

کی سیاسی منطق اورنت نئی تاویں کے علاوہ امریکہ کی اعلیٰ حکمت عمل کا نکتہ ارتکاز عالمی اشترا کیت خاص طرو پر روس کی نا کہ جذبی تھانہ کو مشکیر کے مسئلہ کا حل پاکستان اور ہندوستان کے مابین امریکہ دوستانہ تعلقات اورالعیسطح پر ایک خاص قسم کے حربی اشترا کیت کا خواہاں ضرور تھا مگر صرف اپنی عالمی حکمت عملی کے تقاضوں کے مطابق ورنہ برصغیر ہندو پاک اور مسئلہ کشمیر سے بھلا امریکہ کو کیا خصوصی دلچسپی ہوسکتی تھی ڈیلس نے اپنے دروہ پاکستان کے اختتام کے بعد امریکی سینٹ کے سامنے ایک بیان میں خود اس امر کی تصدیق کی کہ انہیں کشمیر میں رائے شماری سے خاص دلچسپی نہیں ہے بلکہ انہیں خدشہ تھا کہ رائے شماری سے قبل جس تذبذب اور جذباتی تناؤ کا پیدا ہونا لازمی ہے اس کے باعث بجائے دوستی اور خیر سگالی کے ہندوستان پاکستان کے درمیان کہیں ایک بار پھر تخلی اور غلط فہمی میں اضافہ نہ وہجائے ارومعاملہ پیچیدہ تو نہ ہوجائے ڈیلس کا اپنا خیال تھا کہ مشکیر کا تصیفیہ رائے شماری کی بجائے اگر ثالثی کے ذریعہ ہوجائے تو کہیں بہتر ہوگا جس قسم کی ثالثی کا تصور ڈیلس کے ذہن میں تھا اسکے نتیجہ میں کشمیر کی تقسیم بالکل ناگزیر ہوجاتی جو شاید عملی اعتبار سے ٹھیک ہوتی مگر رائے شماری کے تسیم شدہ یہ اصول سے مکمل طور پر انحراف وہتا۔

ایم ایس ونیکٹا راجی نے اپنی کتاب The American Role in Pakistan ڈیلس کے اس نکتہ کی تشریح وترجمانی کرتے ہوء یموصوف سے مندرجہ ذریل بیان منسوب کیا ہے میں نے حریفین ہندو پاکستان دونوں ہی کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اس طریق کار یعینی اصول تقسیم کو تسلیم کرنے میں استصواب سے کہی زیادہ گنجائش اور تصفیہ کی امید ہے مگر مجچھ اس امر کا بھی احساس ہے کہ ریاست کے حق خودارادیت جغرافیائی پوزیش ارو اپنی کی تقسیم کے تنازعات مل کرایک ایسا قفیہ بن گئے ہیں ن کی وجہ سے حالات ٘ میں مزید شدت پیدا ہوسکتی ہے۔

پاکستان سے ایک وقت یہ بنیادی غلطی ہوئی کہ اس نے سیاسی اور سفارتی پیش قدمی سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا اور وہ کامیابی جو اسے نہرہ گو گرانداکرت کے نتیجے میں حال ہوئی تھی اسے اس کے منطقی انجام تک نہیں پہنچایا یعنی ہندوستان کو اپنے کئے ہوئے وعدہ اور منظور شدہ پروگرام سے منحرف ہونے اوقت اور موقع نہیں دیا گزشتہ واقعات کی روشنی میں یہ

بات خاصے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ جس طرح ہندوستان پہلے رائے شماری کے خود اپنے غیر مبہم عہد اور واشگاف اعلان سے منحرف ہو گیا اسی طرح وہ اپریل 54 میں اقوام متحدہ کے نگران اعلیٰ برائے کشمیر کے تقرر کے بارے میں اپنی بات سے بھی پھر جانا مگر پاکستان نے امریکی اداد کے حصول کے سلسلے میں غیر ضروری جلد بازی سے کام لیا اور ابھی اپریل 1954ء میں چار ماہ باقی تھے کہ جنوری 1954ء میں پاکستان کے لئے امریکی فوجی امداد کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا رسمی اعلان سے پہلے جنرل ایوب خان اور گورنر جنرل غلام محمد کے بعد دیگرے دورہ امریکہ پر گئے ارو فوجی امداد کی تفصیلات طے کر آئے۔

نہرو تو گویا اس بات کے منظر ہی تھے کہ ادھر پاکستان سے لغزش سرزد ہو اور ادھر وہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے منظور شدہ متفقہ ٹائم ٹیبل کے چکر سے نکل جائیں یہ مفروضہ غالباً ٹھوس حقیقت کے بہت قریب ہوگا نہرو نے ٹائم ٹیبل محض وقتی مصلحت کے بناء پر قبول کیا ورنہ کہاں وہ اوران کی اہمیت اور اس سے بھی زیادہ بحثیت ایک مشریکی برہمن کے کشمیر سے انکا ذاتی قلبی تعلق اور کہاں استصواب کے اصول کی تجدید ویسے بھی وہ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ اپنے الحقا کو اپنے سیکولر آئین اور اس پر کھڑی اپنی سیکولرازم کی عمارت کے تحفظ کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے اور علی الاعلان کہتے تھے کہ اگر مذہبی بنایادوں پر کشمیریوں ہندوستان کے ساتھ الحاق کو اپنے سیکولر آئین اور اس پر کھڑی اپنی سیکولرازم کی عمارت کے تحفظ کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے اور علی الاعلان ہتے تھے کہ اگر مذہبی بنیادو پر کشمیریوں سے پاکستان میں شمولیت کے حق میں رائے دی تو نہ صرف ہندوستان کے آئین کو نقابال بیان دھچکہ پہنچے گا بلکہ یہ فیصلہ تمام ہندوستانی مسلمانوں کی موت و زیست کا مسئلہ بن جائے گا اس وقت اگر پاکستان امریکی فوجی امداد کے حصول کے سلسلے میں ذا تحمل سے کام لیتا تو شاید اتنی جلد نہ بگڑی مگر افسوس ایسا نہیں ہو سکا امریکہ ساتھ تعلقات کے فروغ بالخصوص فوجی امداد پیش کش اور اس کے حصول کے سلسلہ میں جو کردار جنرل ایوب نے ادا کیا وہ کلیدی اہمیت کا حامل تھا ارو یہاں اس کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرنا بے جا نہ ہوگا۔

ستمبر 1953ء کے آخر میں جنرل ایوب اپنے پہلے سرکاری دورہ پر واشنگٹن تشریف لے گئے پاکستان میں اس وقت تک جنرل ایوب کی اپنی اہمیت ارو قومی امرو میں فوج کا روز افزوں عمل دخل اور اس کی فیصلہ کن نعیت دونوں ہی اپنی جگہ مسلم ہو چکے تھے لاہور میں مارشل لاء کے کامیاب نفاذ کے بعد فوج کا وقار نہ صرف لاہور بلکہ پورے ملک میں بہت بڑھ گیا تھا ہر چند کو فوج کے آئندہ رول اواس کی وقت کے منتظق کے دل و دماغ

میں خدشات جنم لے رہے تھے مگر ساتھ ہی سیاسی عمل بھی اسی تیزی سے رو بہ زوال تھا اور سیاستدانوں کی اپنی صبوں میں اتنا انتشار پھیلا وہا تھا کہ عام لوگ سیاستدانوں سے بددل اور نالاں ہو چکے تھے مشرقی بنگال پنجاب اور سندھ میں افراتفری بلکہ نفسا نفسی کی کیفیت تھی بلوچستان ابھی صوبہ نہیں بنا تھا اور گورنر جنرل کی ایجنٹ جنرل کے ماتحت مرکزی حکومت کا ایک ایک انتظامی یونٹ تھا صرف سرحد میں امن وامان نظر آتا تھا جہاں وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم نے اپنی شخصی حکومت قائم کرر رکھی تھی ارو عملاً وہاں کے سیاہ وسپید کے بلاشرکت غیر مالک تھے چنانچہ جب خواجہ ناظم الدین کی طررفی کے بعدنئ کابینہ میں انہیں وزیر صنعت کا قبلمدان دے کرکراچی بلایا گیا تو وہ نہ صرف یہ کہ اس پر خوش نہ تھے بلا کہ باقاعدہ جھلائے ہوئے تھے بھلا کہاں انگلستان کا بے اختیار باداشاہ اور کہاں وینس کا با ختیار ڈیوک ارو خان قویم کو ڈیوک کا روس ہی پسند تھا۔

یہ تھے وہ حالات جب جنرل ایوب کی شخصی قوت اور بحثیت ایک انتہائی منظّم اذ دارے کے فوجی کی اجتماعی قومت میں بے پایاں اضافہ ہوا قدومات رنگ وروپ اور رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے جنرل ایوب کی اپنی شخصیت بھی اتنی پرکشش تھی کہ اچھے اچھے ان کے سامنے ماند پڑھ جاتے تھے۔

جنرل ایوب جب واشنگٹن پہنچے تو ان کا انتہائی پرتپاک خیر مقدم کیا گیا ان کی شخصیت کا مختصر جائزہ اورخا کہ جو تیار تھا اسی کے مطابق جنرل ایوب پاکستان مسلح افواج کے سب سے زیادہ سینئر اور بااثر افسر تھے واضح رہے کہ اس وقت صرف پاکستانی فوج کمانڈم انچیف کا فل جنرل کا رنیک تھا جبکہ نیول ایئر فورس کے سربراہان بالترتیب وائس ایڈمرل ارو ایئر مارشل کے رینک رکھتے تھے یہ دونوں رینک فوج کے لیفٹیننٹ جنرل کے مساوی ہیں ان کی شخصیت اور وجاہت نیز رکھ رکھاؤ کا امریکیوں بالخصوص pentagbn کے سینئر فوجی افسران پر بہت اثر ہوا اور وہ دردل صحیح معنر یں میں جنرل ایوب ہی کو پاکستان کا فرد مستقبل اور مقرر حکمران ورہنما سمجھنے لگے ظاہر ہے اسّ میں ڈلیس کی رائے اور سفارسی کا بھی بڑی حد تک عمل دخل ہوگا کہ وہ اپنے اور پاکستان کے دورہ کے رمیان پہلے ہی جنرل ایوب سے مل چکے تھے اور خود ان سے اور ان کی زیر کمان فوج سے بہت متاثر اور شاید مرعوب بھی ہوئے تھے۔

بقول خالد بی سید

Politics in Pkaistan The Nature & Direction of Politicals

پینٹا گون والے جنرل ایوب سے اس حد تک مرعوب ہوئے کہ جب فوجی امداد کے سلسلے میں باقاعدہ اور رسمی مذاکرات شروع ہوئے وہ صرف ایوب ہی سے تعلق رکھنا چاہتے تھے اور انہیں کسی اور کا دخل گوارا نہ تھا حتی کہ خود گورنر جنرل غلام محمد کی شرکت کے بارے میں وہ بہت زیادہ خوش نہیں تھے بلکہ متذبذب تھے حالانکہ غلام محمد کی شراکت کے بارے میں وہ بہت زیادہ خوش نہیں تھے بلکہ متذبذب تھے حالمکہ غلام محمد امریکی احکام اروقائدوین دونوں ہی کے بہت ہقریب تھے اور ہر لحاظ سے پاک امریکی دوستی کے معامر حقیقی تھے۔

الدی بن سید کے الفاظ میں ایسا معلوم وہتا تا کہ ایوب خان پینٹا گون کے جرنیلوں کے ذہن ودماغ کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس پس منظر میں اپنے دلائل کو عالمی حربی حکمت عملی اور حالات کی روشنی میں اس طرح پیش رتے ہیں کہ امریکی اسے فوراً سمجھ لیتے امریکہ کو ایشیاء میں اپنی عالمی جغرافیائی سیاست اور عسکری منصوبہ بندی کے لئے پاکستان فوجی کی اتنی ہی ضرورت تھی جنتی آزادی سے قبل انگریوں کو برٹش انڈین آرمی کی تھی تشریحاً میں یہ بھی کہتا چلوں کہ برٹس انڈین آرمی خالصتاً ایک پیشہ ورحربی ادارہ تھا جس کا وطنھ تمام برطانیونوآبادیایت اور مبضوب علاہ پر مشتمل تھا اور جس کا فرض منصبی برطانوی استعمال کے دشمنوں کے خلاف دنیا کے کسی بھی حصہ میں جاکر جنگ کرنا تھا دشمنویں م میں کالے گورے مسلم غیر مسلم اپنے پرانے کس کی تمیز نہی تھی دشمن کے اور تعربی اور احکامات کا نبابر برطانیہ کا وایائٹ ہال کرتا تھا انڈین آرمی کا کام تو بس تعمیل حکم میں میدان جنگ میں آنا تھا جنگ خواہ معراق میں ہو خواہ ترکی میں حوہ حجاز میں خواہ چین اوخواہ فرانس میں یہ حقیقت ہے کہ برٹش آرمی سادری دنیایں بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے ساری عسکری تاریخ میں ایک انتہائی انوکھی اور بے مثال فوج تھی اور پیشہ ورانہ اہلیت اوجذبہ جاں نثاری میں دنیا کی کسی فوج سے پیچھ ینہ تھی جہاں بھی لڑی بے جگری سے لڑی اسی فوج کے افسر اور جوان محض طالح آزما سپاہی نہ تھے بلک جذبہ قربانی سے سرشار جیلے سپاہی تھے جو اپنے ملک وقوم کے بجائے اپنی رجمٹ کی آن اروخود اپنی عزت نفس کے لئے لڑا کرتے تھے اور تاجدار برطانیہ جسے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا کے دل وجان سے وفادار تھے۔

پاکستان آرمی کا جو تصور امریکیوں کے ذہن میں تھا وہ غلط نہ تھا البتہ بے جا اور بے محل ضرور تھا ان کے ذہن مٰیں غالباً یہ بات ہی نہیں آئی کہ اب پاکستان آرمی کی ایک آزاداوخود مختار ملک کی فوج ہے اور بحثیت ایک قومی فوج اس کا تعلق صرف قومی مسائل اور قومی سلامتی کو درپیش

خطریات ہی سے ہوسکتا ہےاس کے باوجوداس کے باہر جوبھی خطرہ یاخدشہ لاحق ہواس سے انہیں پیشہ ورانہ دلچسپی تو ہوسکتی ہے مگر ذہنی اور جذلاتی وابستگی نہیں ہوسکتی نیز یہ کہ اب وہ ایک عالمی استعماری قوت کا حصہ بھی نہیں چنانچہ یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ اپنی قومی سرحدوں کے باہر لڑ سکے۔

پاکستان کے حق میں امریکہ اس اندازفکر کا ایک منفی اور نقصادن دہ نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں انہوں نے اس بات کی توقع کی کہ پاکستان ان کے دشمن عالمی اشتراکیت اوراس کا سرچشمہ سوویت یونین کواپنا دشمن سمجھے واہس خودامریکہ نے نہ صرف یہ کہ پاکتان کے دشمن کواپنا دشمن تسلم کرنے سے اعتراز کیا بلکہ پاکساتن کے اس حق کو بھی ورپی طرح تسلیم کرنے میں بخل سے کام لیا جہاں امریکی مفاد کا تعلق ہووہ خوداپنے دشمن کو بھی دشمن سمجھ سکتے بالا فاظ ودیگر جہاں امریکہ اس بات پرمصر رہا کہ کپاستن اس کے دشمن کواپنا دشمن سمجھے وہاں اس نے پاکستان کے دشمن کواپنا دشمن سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی پاکتان اروامریکہ کے مابین اراک کا یہی تضادتصادم تھا جس نے انتہائی قرب کے باوودانہیں دوستی کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچنے سے قاصر رکھا۔ایسی دوستی جیسی مثال کے طور پرخودامریکہ ارواسرائیل کے مابین موجود ہے۔

ہندوپاک تعلقات چونکہ بیشتر جارحانہ تاریخی عوامل اروان سے پیداوہنے والی شدید جذباتیت کے تابع ہے ہیں اورہنوز چلے چآرہے ہیں اس لئے ان کے متعلق دلیل کی بنیاد پرحتمی بات کوی بھی نہیں کہی جاسکتی گھری میں تولہ گھڑی میں ماشہ ابھی چھوٹے بھائی بڑے بھائی کی باتیں ہورہی ہیں اب تم کونارو میں ککن ماصفحہ کی جگہ پھر پنجہ آزائی مہونے لگتی ہے تاہم میریا اپنا خیال اب بھی یہ ہی ہے کہ دوستی کا وہ عمل جونہرو بوگرہ ملاقاتوں کے بعداورن کے جلوں یں جاری کردہ العامیوں سے شروع ہوا تھا واقعی جاری رہتا تو مستقبل کے حوالے سے نہایت تعمیری پیش رفت ممکن ہوجاتی تصادم کی فضاء ایک بارعدم تصادم کی فضائیں میں تبدیل وہجاتی تو پاکاستن کا عدم تحفظ کا وہ احساس جو ہندوستان کے معاندانہ اور جارحانہ طرزعمل کے نتیجے میں اس کے طول وعرض میں پھیل گیا دھریے دھیرے غیرموثر بلکہ کالعدم ہوجاتا رویوں پکستان کی تجہ استحکام دفاع سے ہٹ کرقومی استحکام کی جانب مرکوز ہوجاتی مگرایسا نہ ہوسکا اوراس میں جہاں پاسکتان کی حدتک امریکا سے تعلقات استوار کنے میں غیرضوری جلد بازی کا عمل کارفرما تھا وہاں ہندوستان کی جانب سے بردباری تحمل اروبرداشت کامکمل فقداان بھی ایک اہم عنصر کی حیثت سے موجود تھا نہرواپنے وقت کے بہت بڑے دانشوراور مفکر تھے وہ ہندوستان کے نہایت مقبول وزیراعظم بھی ہوتے۔

مگر پاکستان کے حق میں انہوں نے کبھی دوستی خلوص اوراس بڑائی کا اظہار نہیں کیا جس کی ان سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی تھی روز اول ہی سے ہندوستانی قیادتکی ایک بڑی کمزوری یہ رہی ہے کہ بڑا ہوتے ہوئے بھی انہس نے بڑوں کا سا برتاؤ نہیں کیا او چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ کر پاسکتان سے امن وآتشی کے بڑے بڑ موقعوں کو گرادد یا۔

اس میں شک نہیں کہ پاکستان کے فوجی امداد کے توسط سے امریکیہ دائرہ اثر میں آنے کے بعد جنوب مشرقی ایشیاء میں ایک بڑا بیرونی قوت کا عمل دخل شرع ہوگیا مگر صرف پاکستان ہی نہ اس عمل کا ذمہ دار نہ تھا خود ہندوستان بھی اس میں نہ صرف یہ کہ پوری طرح شریک بلکہ پیش پیش تھا فرق صرف ڈپلومیسی کا تھا پاکستان کے مقابلہ میں ہندوستان کی ڈپلومیسی بہت نپی تلی اورا کثریت الجھی خرگوش کے ساتھ دوڑ نا اور شکاری کتے کے ساتھ شکار کرنے کے مصداق اس نے بیک وقت برطانیہ، چین امریکہ روس اور عرب مما لک بلکہ ماسوائے پاکستان دنیا کے ہر ملک سے بنا کر رکھی پاکستان کی طرح نہیں کہ بس امریکہ پر تکیہ کر کے بیٹھ گیا اور اپنے سودوزیاں بلکہ تشخص ارو وجود تک کو اس سے وابستہ کرلیا چنانچہ ادھر پاکستان اور امریکہ کے مابین عسکری نوعیت کے معاہدے ہوئے ادھر ہندوستان نے روس سے پینگیں پڑھنا شروع کر دیں کشمیر کے معاملہ میں روس کی غیر جانبداری جیکب ملک کے 1953ء والے بیان کے بعد محل نظر ہوگئی تھی اس بیان میں انہوں نے پاکستان کے خلاف الزام لگایا تھا کہ وہ کشمیر اس ئے چاہتا ہے کہ اسے ایک امریکی ڈے میں تبدیل کردی چنا چہ روس نے نہ صرف جانبداری ہی سے کام لینا شروع کیا بلکہ کشمیر کو ہندوستان کا اٹوٹ انگ مان کر گویا سارا قصہ ہی نمٹادیا دیکھتے ہی دیکھتے فضا ہندوروسی بھائی بھائی کے نعروں سے گونجنے لگی۔ 1954ء تک روسی معیشت اور عام زندگی جنگی نقصانات سے بڑی حد تک سنبھل چکی تھی اور روس اس قابل ہوگیا تھا کہ عالمی معاملات میں دلچسپی لے سکے ارو جب اور جہاں ضروری ہو مداخلت بھی کر سکے جنوبی ایشیاء میں سب سے پہلے جن دو مما لک نے روس سے دوستانہ تعلقات اسوار کئے وہ دونوں ہی پاکستان کے درپے تھے ایک جانب افغانستان نے پشتو کا ڈھونگ رچا رکھا تھا دوسری طرف ہندوستان پاکستان کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا تھا ارواب یہ ذ دونوں کھل کر روس کے ساتھ ہوگئے اوا پے اپنے طور پر پاکستان کے نت نئے مسائل پیدا کرنے شروع کردیئے 1952ء میں پاک امریکی دوستی کے جواب میں ہندوستان نے روس سے تعلقات بڑھائے اور عسکری معاہدوں کے بغیر ہی روس نے دفاعی امور میں ہندوستان کے ساتھ مکمل اشترا کیت

اورتعاون شروع کر دیا۔ اس طرح ہندوستان کو پاکستان کے مقابلہ میں ایک حمایتی مل گیا اروروس کو جنوبی ایشیاء میں امریکہ کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ اور عمل دخل کو غیر موثر بنانے کا موقع مل گیا۔

فروری 1955ء میں پنڈت نہرو دو ہفتے کے طویل دورے پر روس تشریف لے گئے اور وہاں جو باہمی دوستی اور خیر سگالی کے مظاہرے ہوئے اس سے واضح ہو گیا کہ ہندوستان روس دوستی کی بنیادیں کافی مستحکم ہیں۔

اسی سال روس وزیراعظم بدگانن اروروسی کمیونسٹ پارٹی کے فرسٹ سیکریٹری خرشچیف ہندوستان تشریف لائے اپنے دورہ میں یہ اقدین سرینگر بھی تشریف لے گئے خرشچیف نے اپنی ایک تقریر میں واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے لوگ تو پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ان کا ملک ہندوستان کی ایک جمہوریہ ہے وغیرہ وغریہ۔

فوجی معاہدوں کو وبا اوران کا پس منظر

پیسیفک یعنی فوجی معاہدوں کی جو وبا 55-1954ء میں پھیلنی شروع ہوئی جس کے نتیجہ میں استعمال اثر ورسوخ بھیس بدل کرایک بار پھر برصغیر کی داخلی اور خارجی ریاست میں داخل ہوااس کی ذمہ داری بڑی حد تک ہندوستان ہی کے تنگ ولانہ رویہ اور پاکستان کے بارے میں اس کی غیر مدبرانہ حکمت عملی پر عائد ہوتی ہے ہندوستان کوشروع ہی سے اپنی جغرافیائی وسعت آبادی کی کثرت صنعتی وعسکری قوت پراس قدر مان تھا کہ وہ سویز کے اس طرف بلکہ پورے ایشیاء میں چین کے بعد جاپان کا تو خیر کررہی ہے کہ وہ اس وقت تک امریکی محکومیت میں تھا اپنے کو الیٰ وارفع سمجھتا تھا واس امر کے لئے کوشاں تھا کہ دوسری بھی فوری طور پراس کی برتری کا اعتراف کرلیں اور برصغیر کے علاہ بحر ہند کی حدود میں بھی اسے برطانوی استعمال کا جائزہ اور واحد جانشین مان لیں چنانچہ اس ضمن میں ہندوستان نے سب سے پہلے افغانستان کو اپنا ہمنوا بنایا جس نے روز اول ہی سے پاکستان کے خلاف سخت معاندانہ بلکہ جارحانہ رویہ اختیار کررکھا تھا اس کے باوجود کہ ایک ہمسایہ ہم مذہب اور ہم مسلک ملک ہونے کے ناطے پاکستان نے اپنی طرف سے افغانستان نے دوستانہ تعلقات قائم کرنے اور برقرار رکھنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی مگر افغانستان نے پاکستان کی دوستانہ پیش کش کے مقابلہ میں ہندوستان کی مفاد پرستانہ ڈپلومیسی کوترجیح دی اوراس طرح ہندوستان کے وقع کردہ اس بنیادی اصول پرعمل پیرا ہوا کہ اگر دشمن کو موثر طریقے سے زیر کرنا ہے تو پہلے اس کے دشمن سے دوستی کرو۔

چین سے ہندوستان ے تعلقات پہلے یہ استوار ہو چک تھ اور ماوزے تنگ کے اشترا کی انقلاب کی کامیابی اورنئی حکومت کے قیام کے بعد یہ تعلقات مضبوط تر ہوگئے ہر چند کہ پاکستان او چین کے درمیان کبھی کسی قسم کی معاہدانہ صورتحال نہیں رہی مگر چین بعد از انقلاب بہرحال ایک انتہا پسند انقلابی ملک تھا اور اشترا کیت کی طرف پاکستان کا نتہائی محتاط بلکہ مخالفانہ رویہ بطور خاص روسی طرز کی اشترا کیت کی طرف کوئی رز نہی تھا ہندوستان، پاکستان کوایک رجعیت پسند اور دقیانوسی قسم کا

ملک قرار دے کر ہر جگہ اس کے معلق سنگین قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرتا رہا چین کے ساتھ ساتھ ہندوستان سے روس سے بھی دوستی کا ناطہ جوڑا دول مشترکہ میں اپنا رنگ جمایا ایران اوعرب مما لک بالخصوص مصر سے رشتہ جوڑ کر پاکستان کو اعلیٰ سفارتی سطح پر تنہا اور بے یارو مددگار بنا کر چھوڑنے کی سعی کی وکسر باقی رہ گئی تھی وہ روز مرہ کے نت نئے سرحدی جھگڑوں اور جھڑپوں سے پوری کر دیا انتیجہ اس کا یہ ہوا کہ پاکستان کی پوری سوچ اور حکمت عملی پر ملک ک عسکری دفاع کا مسئلہ غالب آ گیا۔

نہرہ نے آزاد غیر جانبدارنہ حکمت عملی کا لبادہ پہن کر بیک وقت چین اروس اور امریکہ سے تعلقات بڑھا عربوں کے ساتھ ساتھ اسرائیل سے بھی ہمنوائی کا سلسلہ جاری رکھی برطانیہ تو دولت مشترکہ کے حوالے سے ہندوستان کی مٹھی میں تھا گاندھی جی کی شخصیت کا سلسلہ جاری رکھا برطانیہ دولت مشترکہ کے حوالے سے ہندوستان کی مٹھی میں تھا ہی گاندھی جی کی شخصیت اوران کے فلسفہ عدم تشدد کی آڑ لے کر اپنی فوجی قومت کو بڑھایا کشمیر پر فوج کش کے بعد پاکستان کو افغانستان کے ساتھ الجھا دیا رہا پاکستان تو اس کے بارے میں ہنوز بہتوں کو یقین تھا بلکہ انتظار تھا کہ بس اب گیا یا اب گیا ظاہر ہے اقوام عالم میں اس کی وہ حیثیت نہیں تھی جو ان اقوام اور مما لک کی ہوتی ہے جن کا وجدا یک تاریخی شخص کا حمل ہوتا ہے۔

بہتر یہی ہوتا کہ ہندوستان نور ہندوستان ے ساتھ برطانیہ کو پاکستان کا سہارا بننا چاہے گا مگر جب ایسا نہ ہوسکا تو پھر پاکستان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ کھلا رہ گیا اووہ یہ کہ ہر حالات میں یا مریکہ ساتھ دوستانہ تعلقات اور اشرتاک باہم کو فروغ دے اپنی تشکیل کے فوراً بعد پاکستان کو جن پر آشوب حالات سے دو چار ہونا پڑا تو وہ اس قدر غیر مساعد تھے کہ بغیر سہارے قدم اٹھانا مشکل تھا بالکل نو زائیدہ ٹوٹا پھوٹا ملک اس پر پڑوسیوں کی یلغار کسی کو معلوم نہ تھا کہ اگلے لمحہ کیا ہونے والا ہے گو پاکستان کی پشت پر تاریخی عوامی اور محرکات کی ایک لمبی زنجری تو تھی مگر بحیثیت ایک آزاداو خود مختار مما لک کے ابھی اس کا تاریخی تشخص تو کیا اس کا صحیح اور قابل قبول مقام ہی طے نہ ہو پایا تھا قائداعظم کو اس مسئلہ کا ادراک بہت پہلے ہو چکا تھا اور انہوں نے 1964 کی ایک تقریر میں اس کی واضح نشاندہی کی تھی ان کے خیال میں یہ قدرتی اورلازمی امر تھا کہ کوئی بھی قوم اس وقت کے حلات میں اپنے بل بوتے پر کھڑی نہیں ہوسکتی لہذا پاکستان ہر اس قوم کے ساتھ اشتراک کو مفاہمت کرے گا جس کے ساتھ اس کے مشترک مفادات ہوں۔

قائداعظم کی اس تقریر کا حوالہ جمیل ادین احمد نے اپنی کتاب Some recent Speeches & Writng of Mr. Jinnah میں وضاحت سے دیا ہے

تاہم قائداعظم کی کسی تقریر تحریر یا بیان میں پاکستان اور کسی بھی بیرونی قوت کے مابین فوجی ماہدہ یا مفاہمت کا کوئی ذکر نہیں اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر پاکستان پر ہندوستان کی یلغار نہ ہوتی اور پاکستان کے خلاف خود ہندوستان ایک قسم کا علاقائی اوبین القاوامی خاص کر دوست مشترکہ کی باہمی سیاست کے تناظر میں محاذ کھڑا نہ کرتا تو پاکستان کا عسکری شعور یا تنی جلدی بیدار نہ ہوتا عدم عافیت کا وہ لاذیت ناک احساس پیدا ہوتا جو کر رہا ہو اور جس نے دفاعی امور کے سلسلہ میں پاکستان کو یک طرفہ طور پر اور تمام تر امریکی کی دوستی پر منحصر حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا کم از کم میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اگر ہندوستان، پاکستان کے ساتھ بڑے بھائی کا سا سلوک بھی نہ کرتا اور صرف میانہ روی سے کام لیتا تو برصغیر کا عربی اور عسکری ماحول کچھ اور ہی ہوتا۔

یہ تھا مختصر طور پر اس پس منظر کا جائزہ جسے برصغیر میں باقاعدہ فوجی معاہدوں اور اس نوعیت کے دیگر انتظامات کو جنم دیا پاکستان کے مقدور بھر کوشش ضرور کی کہ جہاں تک ممکن ہو وہ اپنی غیر جانبداری براقرر رکھ سکے۔ کوریا کی جنگ میں امریکی درخواست کے باوجود محض دکھاوے کے لئے بھی اس نے کوئی فوجی دستہ نہ بھیج کر اسے ثابت بھی کر دیا مگر استحکام اور عافیت کی عام فضا اتنی تیزی سے بگڑ رہی تھی کہ اسمان حرب کی فراہمی ایک ناگزیر ضرورت بن کر رہ گئی تھی البتہ اس ضرورت کے احساس وادراک اور اس کی تکمیل کے سلسلہ میں جو بھی اقدامات پاکستان نے کیئے ان کی یکطرفہ نوعیت ضرور محل نظر ہو تکی ہے مگر اصولی طور پر اس سے انکار مشکل ہے ایک غلطی جو پاکستان سے اس ضمن میں ہوئی وہ وقت کا انتخاب تھا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر امریکی فوجی امداد کا رسمی اعلان کشمیر میں اقوام متحدہ کے نگران اعلیٰ برائے استصواب کے تقرر کے بعد ہوتا وو سکتا تھا اس طرح پنڈت نہرو کو اصول استصواب سے جو خود ان کا اروان کے اولین گورنر جنرل اور ہندو پاک جنگی تصادم ے معمار اول لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا وضع کردہ تھا منحرف ہونے کا ایسا آسان موقع نہ ملتا۔

ایک خالص داخلی سبب جس نے پاک امریکی دوستی ارو باہمی اشتراک کے عمل میں تیزی پیدا کر دیں وہ قحط کے وہ سنگین حالات سے جس سے پاکستان کو 1952 کے اوائل میں دوچار ہونا پڑا اس وقت تک خواجہ ناظم الدین مرحوم ہی پاکستان کے وزیراعظم تھے انہوں نے فوراً اپنے وزیر مالیات جناب امجد علی مرحوم کو ہدایت کی کہ وہ بذات خود واشنگٹن جا کر امریکی حکومت سے ملیں اور ایک ملین ٹن گندم کی طور تحفہ فراہمی کا بندوبست کریں

جس کی کوئی ادھار یا نقد ادائیگی نہ ہو پاکستان کی درخواست پر امریکی ردعمل انتہائی بروقت اور مثبت رہا اور امریکی گندم کی فوری فراہمی نے نہ صرف لاکھوں پاکستانوں کو قحط کی تباہ کاری سے بچالیا بلکہ ان کے دلوں کو بھی موہ لیا۔

اسی سال یعنی 1953 میں بین الاقوامی سطح پر ایک اور اہم واقعہ بھی پیش آئی یعنی پاکستان امریکہ اور روس تینوں ہی ممالک میں یکے بعد دیگرے حکومتیں بدل گئیں امریکہ میں جنرل آئزن ہاور نے نئے صدر کا عہدہ سنبھال لیا پاکستان میں ناظم الدین کی برطرفی کے بعد محمد علی بوگرا وزارت عظمی کے منصب پر فائز ہوئے اور روس میں مارشل اسٹائن کی وفات کے بعد نکتیا خرشچیف تشریف لے گئے پاک و ہند تعلقات کے نظام میں ان تبدیلیوں کے تین فوری نتائج نکلے اول یہ کہ Truman Doctrine کے تحت روس کی حکمت عملی کے خلاف اور پسماندہ ممالک کو فوجی اور غیر فوجی امداد دینے کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا اس پر اور بھی تیزی سے عمل ہونے گلا اور ہندوستان کی سرد مہری کے نتیجہ میں امریکہ توجہ اور عنایت پاکستان پر مزید مرکوز ہوگئی خود پاکستان میں محمد علی بوگرہ سے بڑا امریکا کا بھلا اور کون دوست اور قدر دان ہوسکتا تھا انہوں نے نہ صرف محاورتاً بلکہ حقیقتاً اپنے تمام اپنے ایک ہی باسکٹ امریکہ میں رکھ دیئے سایسی عمل چونکہ پاکستان میں پہلے یہ روبہ تنزل تھا اور گورنر جنرل غلام محمد کو جنرل ایوب اور سیکیرٹی دفاع میجر جنرل اسکندر مرزا کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی اس لئے کسی جانب سے کسی قسم در کی شدید اور موثر مخالفت کا سہوال ہی پیدا نہ ہوتھ تھا امریکی گندم کھانے کے بعد تو ویسے بھی پاکستان گویا امریکا کا نمک خوار ہو چکا تھا ارو جو بھوڑا بہت شور غوغا اسمبلی میں تھا اس کی حیثیت نقار خانہ میں طوطی کی آواز سے زایدہ نہ تھی ادھر روس میں ایک بنیادی تبدیلی یہ آئی کہ مارشل اسٹالن کی خاموش پراسرار ارو انتہائی نپی تلی سیاست اور سفارتی حکمت عملی کی جگہ خرشچیف کی بے دھڑک اور بے باک قیادت نے لے لی لہذا روس ہندوستان دوستی کا جو سلسلہ اسٹالن کے زمانہ میں قائم ہوا تھا اب اس میں اور بھی تقویت اور گہرائی آ گئی اور ہندوستان سے بھی کہیں زیادہ خود روس نے اس میں جوش وخروش کا مظاہرہ کیا امریکہ نے جب یہ دیکھا تو اسے برصغیر میں بلکہ پورے ایشیاء میں ہندوستان کے بعد پاکستان ہی سب سے بڑا ملک نظر آیا جو نہ صرف اشترا کی دائرا اثر سے باہر تھا بلکہ اس کا سختی سے مخالف بھی تھا اور اشترا کی روس کے مقابلہ میں امریکہ کی

عالمی حکمت عملی کے لئے بہت مفید ثابت ہوسکتا تھا۔ ڈلیس نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان کی مذہب سے والہانہ وابستگی اور سپاہیانہ سجاعت و دلیری عالمی اشرتاکیت کے ایک مضبطو پتہ کا کام دے سکتی ہے۔

1953ء کے آخر میں امریکی نائب صدر رچرڈ نکسن بھی برصغیر تشریف لائے الیکن اپنے قیام دہلی کے دوران بہت زیادہ مطمئن اور خوش نہیں رہے مگر اپنے سہہ روزہ قیام کراچی کے دوران انہوں نے جو کبھی بھی دیکھا اور سنا اس سے بے حد متاثر ہوئے ان کے خلایل کے مطابق پاکستان میں عالمی اشتراکیت کے خلاف شدید جذبہ تھا اور اہل پاکستان اشتراکی نظریہ اور نظام کے مقابلہ کا مصمم ارادہ رکھتے تھے نیز عقیدتاً پاکستانی امریکیوں کے اتنے ہی قریب تھے جتنا ترکی چنانچہ دونوں ملک اور قومیں مل کر شمال میں روسی اشتراکیت کی موثر مزاحمت کر سکتے تھے اس طرح شمالی چوٹی Northern Tien کا تصور پیدا ہوا خود نکسن کا منصوبہ یہ تھا کہ روسی استعمال کے خلاف ایک عسکری ہلاک کی تشکیل کی جائے اس ہلال کا نچلا کونہ انڈو چائنا، فارموسا، جاپان انقلابی چین کے خلاف پر مشتمل ہو اور اوپر والا کونہ پاکستان ترکی اور ایران پر مشتمل شمالی چوٹی روس کے خلاف قائم ہو اوکر ایسا شاید ہو بھی جاتا اگر انڈو چائنا میں فرانس کو مکمل فوجی شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا 1954ء میں ہو چی من کے زیر کمان حریت پسند Vietminn گوریلا فوج کے سامنے ڈین بین پور کے مقام پر فرانسیسی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہر چند کے اس کے بعد خانہ جنگی کے نتیجے میں ویت نام دولخت ہو گیا مگر مغربی استعمال کا وہاں سے ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور اس طرح کس کا عسکری ہلاک والا منصوبہ ادھورا رہ گیا البتہ اس کا شمال چوٹی والا منصوبہ فوری تر ہو گیا مشرق بعید میں انقلابی چین کے ظہر میں آنے کے بعد اور ویت نام سے فرانسیسیوں کے ذلت آمیز اخراج کے بعد امریکہ کی عالمی اشتراکیت کے لخاف منصوبہ بندی کو زبردست دھچکا لگا تھا اور اگر اس وقت روس کو امریکہ پر جوہری اسلحہ اور تربی قوت میں پوری برتری حاصل ہوتی تو عین ممکن تھا کہ شمال مغرب میں روس کی طرف او جنوب مشرق میں چین کی جانب سے کوئی ایسی پیش قدمی ہوتی جو زنبور کے دو پھلوں کی طرح اتحادیوں کو بیچ میں پیس کر رکھ دیتی اس وقت روس او چین کے تعلقات انتاہائی دوستانہ تھے اور دونوں مل کر ایک مہیب نظریاتی آسیب

بن کرا بھر رہے تھے اس طرح پاکستان کو فوجی امداد دینے اور اس کے ساتھ ترکی اور ایران کو ملا کر شمالی چوٹی کی تشکیل کا فیصلہ صولی طور پر ہو گیا اروا س پر مرحلہ وار عمل بھی ہونا شروع ہو گیا بر سبیل تذکرہ میں یہ بھی کہتا چلوں کہ جس طرح آج سینیٹر کریمنین کے حواریوں نے پاکستان کو امریکی فوجی سامان بالخصوص F-16 جیسے لڑا کا طیاروں کی فروخت اور فراہمی کے لخاف محاذ کھڑا کر رکھا ہے اسی طرح اس وقت نئی دہلی میں مقیم امریکی سینٹر چیسر ڈ بالزاروا س کے چند ہم خیال ساتھی پاکستان کو بھی امداد دیئے جانے کے بالکل حق میں نہیں تھے ایک موقع پر تو مسٹر چیٹر باؤلز نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ سراسر گھاٹے کا سودا ہوگا اور چھتیس کروڑ اس وقت کی ہندوستان کی آباد کے مقابلے میں آف آٹ کھر وڑ اس وقت پاکستان کی آبادی کو ترجیح دی جائے اگر نہرو کا ذرا سا بھی جھکاؤ امریکہ کی طرف ہوتا تو عین ممکن تھا کہ ایسا ہو بھی جاتا کیوں کہ خود امریکی انتظامیہ کی بھی یہی خواہش اور کوشش تھی مگر نہرو تو اس وقت غیر جانبداری کی آڑ میں سفارتی کھیل کھیل رہے تھے اس لئے وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور ان کی اس سخت گیری نے پاکستان کے حق میں نکسن کی سفارت کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا انہوں نے اپنے ملک یک نیشنل سیکیورٹی کونسل میں دو ڈھائی گھنٹے کی جو تقریر کی اس کا لب لباب یہ تھا کہ صرف ہندوستان کے منفی اور معاندانہ رد عمل کی وجہ سے پاکستان کی طرف امریکہ کو اپنی پالیسی نہیں بدلنا چاہئے جب کہ فوجی امداد پاکستان اور خود امریکہ کے حق میں ہے تو پھر اس میں پس و پیش معنی دارو۔

ابتدائی فوجی امداد کے لئے جو جواز پیدا گیا ہو اس شمال چوٹی کے تناظر میں تھا امریکہ کے نیویارک ٹائمز نے اپنی اشاعت مورخہ 16 فروری 1954 میں جس کا حوالہ ایس ایم برک نے اپنی کتاب میں دیا لکھا ہے کہ ار گروس کی جنوبی سرحدوں پر واقع ممالک روسی جارحیت کا مل کر مقابلہ کنے کے لئے تیار ہو جائیں تو پھر امریکہ انہیں اسلحہ فراہم رے گا اور یہی حکمت عملی پاکستان کو امریکی فوجی امدد کی بنیاد بن گئی۔

19 فروری 1954ء کو کراچی اور انقرہ سے ایک مشترکہ اعلامیہ بیک وقت جاری کر یا گیا جس کے مطابق پاکستان اور ترکی دونوں نے متفقہ طور پر اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ وہ ایسے تمام

طریقوں کا جائزہ لیں گے جو سیاسی اقتصادی اور ثقافتی شعبوں میں باہمی تعلقات کے فروغ میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں ساتھ ہی اس عزم کی بھی توثیق کی گئی کہ دونوں ملک مل کر خود اپنے اور دیگر پر امن ممالک کے مفاد میں امن و استحکام کو مظبوط کرنے کی پوری کوشش کریں گے یہ تھا 1954ء کے ترکی اور پاکستان کے درمیان باہمی دفاعی اشتراک کے معاہدے کا مدعا اس معاہدے کے ساتھ باہمی تعلقات کی بنیاد پر امریکی فوجی امداد کا معاہدہ بھی منسلک تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو پاک ترکی معاہدہ امریکی فوجی امداد کا یالین کا دین تھا تو قطعی بے جا نہ ہوگا چنانچہ معاہدے پر دستخط ہونے کے صرف تین روز بعد یعنی 22 فروری 1954ء کو وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے اعلان کر دیا کہ پاکستان نے باہمی سلامتی کے ایکٹ کے تحت امریکہ سے فوجی امداد کی باقاعدہ درخوسات کر دی ہے بوگرہ کی درخواست کے صرف تین روز بعد صدر آئزن ہاور نے واشنگٹن میں اعلان کیا کہ ان کی انتظامیہ نے پاکستان کی درخواست کے حق میں جواب دینے کا فیصلہ کیا ہے جو مشرق وسطی کے استحکام اور سلامتی کے لئے ناگزیر ہے۔

وزیر اعظم پاکستان نے ساتھ ہی اپنے ہم وطنوں کو یہ بھی یقین دیا کہ فوجی امداد کے بدلہ پاکستان امریکہ کو کسی قسم کے فوجی اڈے فراہم کرے کا ارادہ نہیں رکھتا اور نہ ہی اس بارے میں خود امریکہ نے کسی خواہش کا اظہار کیا ہے انہوں نے اس فیصلے کو ایک تاریخی فیصلہ قرار دیا اور کہا کہ یہ معاہدہ نہ صرف پاکستان اور ترکی بلکہ پورے عالم اسلام کے دفاع سلامتی اور تحفظ کا ضامن ہوگا اور ساتھ ہی ان کی اقتصادی ترقی میں بھی موثر کردار ادا کرے گا کیوں کہ اس طرح دفاعی اخراجات کی مد میں جو پیسہ بچے گا اسے ترقیات منصوبوں میں لگایا جائے گا۔

3 اپریل 1954ء کو ترکی پاکستان معاہدے کی توثیق اور مزید توسیع کے لئے ایک اور دستاویز پر دستخط کئے گئے اس دستاویز کے آرٹیکل میں یہ واضح کیا گیا کہ دفاعی امور میں اشتراک کے ضمن میں جو بھی فنی معلومات کا تبادلہ اور تجزیہ ہوگا اس میں ضرورت اور حالات کے مطابق اسلحہ اور گولہ بارود کی قومی صنعت اور پیداوار کا معاملہ اور اقوام متحدہ کے منشور کے آرٹیکل 51 کے تحت اچانک بیرونی حملے کی صورت میں مزاحمت جیسے اہم معاملات بھی شامل ہیں اس کے فوراً بعد دوطرفہ بنیاد پر امریکہ اور پاکستان کے مابین باہمی دفاعی معاونت پر دستخط ہو گئے

مگراس کے ساتھ ہی دونوں ممالک کی حکومتوں نے بیک وقت اس امر کی توثیق کردی کہ باہمی سلامتی کے معاہدے پر دستخط کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان کے مابین کوئی باقاعدہ عسکری اتحاد یا گٹھ جوڑ ہوگیا ہے یا یہ کہ پاکستان اپنی سرزمین پر امریکہ کے فوجی اڈے قائم کرنے کی اجازت دینے پر رضامند ہوگیا ہے۔

بہرحال امریکہ تو کسی نہ کسی طرح پشاور کے قریب بڈھ بیر کے علاقے میں طلاعائی روسیوں کی زبان میں جاسوسی ادارہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا البتہ پاکستان امریکہ کو اس بات کا قائل نہ کرسکا کہ کسی بھی ملک کی سلامتی کو خطرہ خواہ کسی بھی سمت سے کیوں نہ ہو اس میں کالے گورے سرخ اور گلائی کا فرق کرنا نہ صرف بے معنی سراسر زیادتی پر محمول ہوگا۔

سیٹو(SEATO)بغداد پیکٹ

بڑی طاقتوں خاص کرامرکیہ کے ساتھ پاسکان کے جتنے بھی فوجی معاوہدے یا سمجھوتے ان کے متعلق ایک بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ ان تمام عشکری انتظامت کے پیچھے ایک طرف تو عالمی اشترا کیت کے لخاف امرکیہ کی اعلیٰ ترین حکمت عملی اردوسری جانب پاکستانوراسیجیسے دوسری ترقی پذرارو عدم تحفظ کے احساس کے شکار مما لک مثلاً ایران، ترکی، تھائی لینڈ فلپائن وغریہ کی فراہمی اسلحہ کی ضورت کو اشتہار جیسے عوامل شؔامل تھے خصوصاً پاکستان کے معاملہ میں جوابھ یابھی معرض وجود میں آیااور جس کا تاریخی تشخص اوقیام ہنوز غیر یقینی اروبڑی حدتک دوسرں کارہن منت تھا۔

افغانستان نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کی جوسخت مخالفت کی وہ اس امر کی شاہد تھی کہ کم ازکم دنیامیں ایک ملک ایسا ضورتھا جوبحیثیت ایک آزداوخودمختار ملک کے پاکستان کے وجودکا سرے ہی سے منرتھااروساتھ ہی متنیعن بین الاقوامی سرحدیعنی ڈیورنڈلائن تسلیم کرنے کے لئے تیارنہ تھانیز پاکستان کے شمالی مغربی صوبہ سرحدکواپنے جنغرافیائی حدودکاایک لامی حصہ منوانے پرمصرتھا۔

کھلی ہندوستانی جارحیت اورافغانستان کے معاہدانہ رویے نے پاستکان کو باپنےفوجی دفاع کے استحکام کے لئے فراہمی اسلحہ پر جہاں سے بھی ہوجس قیمت پربھی ہومجبورکردیااوریہی مجبوری بیرونی قوتوں سےفوجی نوعیت کے معاہدوں کی اصل وجہ بن گئی19 مئی 1954ءکووزیرخارجہ سرظفراللہ خان نے پاکستان کی طرف سے امریکہ کے ساتھ باہمی سلامتی کے معاہدے پردستخط کئے اوراسی سال 30 مئی کووزیراعظمؒ محمد علی بوگرہ نے ریڈیوپرقوم سے خطاب کرتے ہوئے اس معاہدے کے بارے میں کاکہ ابھی توابتداء ہے آگےچل کریہ معاہدہ مزیدفوجی امدادکا پیش خیمہ ہوگا انہوں نے یہ توثیق بھی کہ کہ معاہدہ ہرگزفوجی نوعیت کا نہیں ہے۔

اوراس میں پاکساتن میں امریکی فوجی اڈوں کے یام کا کوئی ذکر یا اشارہ شامل نہیں انوہس نے پرزورالافظ میں اپنے اس اعتماد کا بھی اظہار کیا کہ ان کے اس اعلان کے بعدلوگس کے دل، دماغ سے وہ تمام بے بنیاد خدشات اورشکوع دور ہوجائیں گے جومحض ایسے مفاد پرست عناصر کے پرفریب پراپیگنڈہ کی پیداوار ہیں جونہیں چاہتے کہ پاکستان کبھی بھی عسکری اعتبار سے مضبوط ہو۔

وزیراعظم پاکستان کا یہ فرمان جس تقریر کا حصہ تھا وہ متحدہ پاکستان کی انتہائی اہم ترین اورتاریخی نوعیت کی تقاریر یرشامل ہے اوراس کی مختصر تفصیل برحمل اورضروی ہے اسے اتفاق کہیں یا حالات کا تقاضا یا پھار ایک واقعہ ردعمل اور پھر ردعمل پر ردعمل کہ امریکی فجی امداد کے بارے میں اروآئزن ہاور کے فروری 1954ء کے اعلاسے کچھ ہی پہلے مشرقی بنگال میں صوبائی اسمبلی کے عام انتخابات ہوئے اوراسمبلی کی تین سونوشتوں میں سے پاسکتان مسلم لیگ کوصرف نونشتیں حاصل ہوئیں بقیہ متحدہ محاذ دیا جگتو فرنٹ نے جیت میں اس محاذ میں مولوی فضل الحق مولانا بھاشانی، حسن شہید سہروری ارومجیب الرحمٰن شامل تھےصوبائی اسمبلی کے انتخابات میں جگتوفرن کا ایک اہم مطالبہ اورنعرہ امریکی فوجی امداد کے خلاف تھا۔مولانا بھاشانی نے تو یہاں تک کہ دیا تھا کہ کراچی وال حکمران فوجی امداد کے بدلے پورے ملک کوامریکہ کے پاس گروی رکھ رہے ہیں انہوں نے صدرآئزن ہاوراوران کے وزیروں مشیروں کوآمادہ جنگ استعمار پرست کہا اوران پر کڑی نکتہ چینی کی مزید برآں انتخابات میں اپنی حتمی اوفیصلہ کن کامیابی کوامریکی فجی امداد کےخلاف اوراپنے موقف کےحق میں ایک واضح رائے شماری یاریفرنڈم قرار دیا اروپورے مشرقی بنگال میں پاکستان کوامریکی فوجی امداد کےخلاف یوم احتجاج منایا گیااورھنومنتخب اسملی کےاراکین نے امریکہ کےساتھ کی بھی قسم کے فوجی اشتراک یامعاہدے کےخلاف ایک مشترکہ دستاویز پردستخط کیئے۔

میں ہرگز یہ نیں کہوں گا کہ ایک لمحہ کے لئے فرض کروں گا جنگوفرنٹ کی اتھنخابی مکامیابی امرکی فوجی امداد کےخلاف ان کا موقف کا نتیجہ تھی ان دونوں اہم واقعات کا بیک وقت ظہرو پذیر ہونا محض ایک اتفاق ہی ہوگا اورغالبًا تھا بھی ایسا ہی البتہ اضنا ضرور کہوں گا کہ کراچی یا مرکزکؒ ے خلاف جوجذبات اور خیالات مشرقی بنگال میں آہستہ آہستہ

امریکہ کو وہاں کے حالات پر بے انہا تشویش تھی اور اس علاقہ میں فوری اقدامات کی اشد ضرورت تھی، چنانچہ اجتماعی سلامیت کے اصول کے تحت جس عرف عام میں Seato کہتے ہیں کا فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا اب اس پر دوبارہ غورک نے اور حتمی شکل دینے کے لئے فلپائن کے دارالحکومت منیل میں پاکاتن تھائی لینڈ، فلپائن، امریکہ برطانیہ، فرانس، اسٹریلیا ارو نیوزی لینڈ کے وزرائے خلارجہ پر مشتمل ایک اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا یہ اجلاس منیلا میں 6 ستمبر 1954ء کو شروع ہوا ارو دونوں کی کارروئای کے بعد یعنی آٹھ ستمبر کو سفر ظفر اللہ خان نے اپنی حکومت کی طرف سے شمولت کا اعلان کر دیا آگے چل کر پاکستان میں سر ظفر اللہ کے اس اقدام سے بہت گرما گرمی پیدا ہوئی کیوں ہ اتنی اہم کارروائی سے قبل سیاس سطح پر اسمبلی میں ای اسمبل سے بآہر اس پر کوئی با قاعدہ بحث یا تبصرہ نہیں وہا تھا ارو پاکاتن اچانک ایک ایسے اجتماعی فوجی نوعیت کے معاہدہ کا رکن بن گیا تھا جس کا رخ روسے بھی کہیں زیادہ چین کے خلاف تھا ہر چند کہ اس وقت تک چین کے ساتھ پاکستان کے تلعقات اس درجہ دوستانہ اور خوشگوار نہیں تھے مگر کوئی باہمی کشیدگی بھی نہیں تھی اوران حالات میں Seatd جیسے فوجی نوعیت کے ادارہ میں پاکستان کی شمولیت خواہ مخواہ چین پاکستان تعلقات میں پیچیدگی پیدا کرسکتی تھی وہ تو بھلا ہوا کہ فوجی نوعیت کے باوجود Seatd کوئی North Wlantic Treaty Organisation یعنی NATO یا Treaty Organisation Warsa یعنی WTO کی طرح کوئی باقاعدہ فوجی تنظیم کی شکل نہیں اختیار کرسکا آگے چل کر معاہدہ بغدڈاد بعد میں Cento کی بھی یہی بڑی کمزوری رہی مگر اس کا تذکرہ بعد میں آئے گا معاہدہ منیلا جسے Setto کا نام دیا گیا محض ایک کاغذی عہد و پیمان تھا اور اس کے تحت کسی مسلح فوجی ادارے کے قیام کا منصوبہ یا بندوبست نہیں تھا حالانکہ اس وقت تک انڈو چائنا میں فرانس کی شکست کے اور مرشق بعید میں نظریات اور عسکری سطحوں پر اشترا کی اثر وقوت میں بے پایاں اضافے کے عبد کم از کم انطقی طورر پ اس قسم کا اتھمام ناگزیر سا ہو گیا تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اگر چہ پاکاستن کے حق میں یہ اچھا ہی ہوگا مگر جہاں تک خود Setto کے مستقبل کا تعلق تھا

وہ روزِ اول ہی سے مشکوک ہو گیا تھا سیٹو کے تحت اگر واقعی کسی فوجی ادارے کا قیام عمل میں آجات تو اس کے نتیجہ میں نہ صرف پاکستان بلکہ اس کے ساتھ تھائی لینڈ اروفلپائن کی اشرا کی قوتوں کے خلاف فوجی محاذ آرائی میں خذطرناک حد تک اضافہ ہو جاتا بلکہ پاک چین دوستی بھی جو آگے چل کر پاکستان خارجہ پالیسی کا اہم ترین ستون بنی اس سے بری طرح متاثر ہو کر باہمی کشیدگی کی شکل اختیار کر سکتی تھی۔

سیٹو کا اصل مقصد بیرونی حارجیت حملے اور بیرونی قوتوں کی شہہ پر اٹھائے ہوئے داخل فتونوں اور تخریبی کارروائیوں کا مقبلہ کنا تھا مگر اجتماعی اشتراک وتعاون کے باوجود عملاً یہ کام خود متاثرہ ملک کو ہی انجام دینا تھا اروا اس کے حلفیوں کا کام محض اخلاقی مدد یا زیادہ سے زیادہ اسلحہ کی فراہمی اروسد کے سلسلہ میں ان کی تھوڑی بہت معاونت ککرنا تھا حقیقت میں سیٹو اور سنٹو جیسے اجتماعی فوجی معاہدوں کا سب سے بڑا تضاد خبرطا کا وہ محدود بلکہ یک طرفہ ادراک اور تجزیہ تھا جن پر ان کی پوری اساس اٹھائی گئی تھی اور جو مکمل طور رپ امریکہ، فرانس اروطرانیہ اروان کے دو سفید فام حلیفوں نیوزی لنڈ اور آسٹریلیا کے مفاد کی روشنی میں مرتب کیا گیا تھا اس طرح ایک مشترک دشمن کا واضح تصور سرے سے ابھر نہیں سکا مانا کہ پاکستان کو نظریاتی طور پر عالمی اشترا کیت کے بڑھتے ہئے اثر رسوخ سے حطرہ لاحق ہوسکتا تھا مگر اس خطرہ کی نوعیت اتنی فوری اور شدید نہیں لگتی تھی جتنے اور دور سے خطرات کی جو اسے درپیش تھے۔

جو بات آج تک سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ تھی کہ پاکستان نے سیٹو میں ایک لمحہ کے لئے ہی شمولیت کیوں اختیار کی حالنکہ یہ نکتہ ہی شروع سے کھل کر سامنے آ گیا تھا جارحیت صرف وہ ہچسے بڑے جارحیت قرار دیں رہا اپنے اپنے دفاع کا معاملہ تو آپ جانیں اور آپ کا کام۔ سر ظفر اللہ خان نے بہت زور لگایا کہ جارحیت کی تعریف میں قدرے لچک اور وسعت پیدا کی جائے مگر وہ اس میں مکمل طور پر ناکامیاب رہے انہوں نے یہاں تک کہا کہ جارحیت خواہ کیسی بھی کیوں نہ ہو اس کا ماخذ خواہ کچھ بھی ہو بہر حال جارحیت ہے اور شر ہے۔ مگر امریکہ ان کی اس منطق سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا اروجارحیت کے ساتھ اشترا کی کی قید لگانے پر مصر رہا۔

نتیجہ یہ کہ برصغیر پاک وہند سیاست پر سیٹو کا الٹا ہی اثر ہوا اور یہ معہدہ پاکستان کو اشترا کی خطرے سے اور ممکنہ جارحیت سے دور ولے جانے کے بجائے قریب لے آیا پراوا نے اپنی پندرہ ستمبر کی اشاعت میں اس معاہدہ کو ایشیاء امشرق بعید کے مما لک اوعوام کے مفاد کے خلاف سنگین کارروئا ی قرار دیا اس کے بعد جو کسر رہ گئی تھی وہ ہندوستان نے سویت یونین سے اپنے تعلقات مزید استوار کر کے پروی کردی اسی سال کے آخر میں خرشچیف اور بلگانن سرکاری دورہ پر ہندوستان آئے اور انہس نے نہ صرف کشمیر کو ہندوستان کا جزو لایفنک قرار دیا بلکہ تقسیم ہند کو استعماری قوتوں کی سازش ارو مفاد پرستانہ حکمت عمل یکا انتیجہ قرادے کر پاسکتن کے تصور اور تشکیل پر ہی بھر پور حملہ کر دیا۔

یہاں ایک انتہئا ی اہم نواردات کا ذکر بے محل نہ ہوگا جس طرح فروری 1954 میں امریکی فوجی امداد جے باقعادہ اعلان کے بعد مشرقی بنگال میں ہنگامی صورتحال پیدا ہوئی اور اس کے نتیجہ می وہٗاں کی منتخب حکومت کو ہٹا کر مرکزیؒ راج نافذ کردای گیا بعینہ یہی صورتحال سٹو پر دستخط ہونے کے بعد پیش آئی اس معاہدہ پر دستخط ہونے کے بمشکل ایک ماہ بعد گورنر جنرل غلام محمد نے پاسکتان کی آئی سازی اسمبلی کو توڑ دیا اور اس کے بعد جو مرکزی کابینہ بنائی گئی اس میں پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب کو بطور وزیر دفاع بھی شامل کرلا گیا مگر انہیں ان ے فوجی منصب سے نہیں ہٹایا گیا اس طرح دفاعی امور پہلی بار سیاسی گرفت سے نکل گئے اور فوج کا اعلیٰ کمانڈر ملک کا بڑا پالیسی ساز بھی بن گیا اس وقت چوں کہ ملک کی پوری حکمت عملی ہی قومی داع اور اس سے وابستہ دوسرے امور پر مرکوز تھی اس لئے جنرل ایوب عملاً کابینہ کے سب سے اہم رکن اور سب سے بڑے پالیسی ساز بن گئے اب وہ نہ رص فوزیر اعظم اور وزیر دفاع کے فنی مشیر تھے بلکہ دفاعی امرو میں خود اپنے مشیر بن گئے اور جہاں انہیں خود مشورہ یا تبادلہ خیال کی ضرورت ہوتی وہ کابینہ میں شامل فجی امور سے نابلد وزیروں کی بجائے پانے پرنسٹسپل اسٹاف کی افرسان کو ترجیح دیتے امریکی فوجی امداد کی اس وقت آمد آمد تھی اور اس سلسلے میں جو بھی اعلیٰ ترین سطح پر گفت وشنید او فیصلے ہتے خود نرل ایوب ان میں پیش پیش ہوتے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے دم مار سکتا مرکزی حکومت میں ان کی دوہری حیثیت اور گورنر جنرل غؒلام محمد او میجر جنرل اسکندر مرزا جواب وزیر داخلہ تھے سے ان کا گھ جوڑ

آنیوالے دنوں میں انکے ذاتی اقتدار کی بنا یدر کھ رہا تھا۔

امریکی فوجی امداداوراس کے ساتھ فوجی معاہدوں یا سمجھتوں میں اشتراک کا پاکستان میں ڈرامائی سیاسی تبدیلیوں سے کیا تعلق ہے؟ اس کا میرے پاس کوئی قطعی جواب نہیں لیکن یہ بظاہر بکھرے ہوئے علیحدہ علیحدہ وقاعات اکھٹے ہوکرایک سوچے سمجھے منصوبے کی شکل ضروراختیار کرسکتے ہیں مگراس سے غرگزر یہ نیتجہ نہیں نکالا جاسکات کہ ان کے پیچھے لازما کوئی خفیہ ہاتھ بھی ہے حادثہ تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہےاوراگر چہ وقوع کے بعدعقب بینی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاریخی حادثات کا جواز اورسبب ضرورڈھونڈااورمعلوم کیا جاسکتا ہےمگر یہ اب تک کوئی نہیں جا نک سکا کہ ایک تاریخی مراحل پرخاص قسم کی شخصیات اورحالات کا اجتماع کیوں ہوجا تا ہے ہوسکتا ہے کہ ہمارے دفاعی امور میں امریکی اثر ورسوخ کی درآمد اور ہمارے ہاں رونما ہونے والی اہم ترین تبدیلیوں می براہ راست کوئی واضح تعلق نہ ہومگر تعلق ہونے کےامکانات سےانکار کی گنجائش بھی مشکل ہے۔

معاہدۂ بغداداگر چہ ہنوز باقاعدہ اومکمل طور پر معرض وجود میں نہیں آیا تھامگراس کی طرف مرحلہ وار پش رفت شروع ہوچکی تھی۔اپریل 1954 میں ترکی اور پاکستان کے مابین دوستی اواشتراک کے معاہدے پر دستخط ہوچکے تھے پاکستان کی عین خواہش اورکوشش تھی کہ مشرقی وسطی کے دوسرے مما لک بطروخاص ایران اورعراق بھی اس میں شمرلیت اختیارکریں مصراورشام کا سوال اس وجہ سے پیدانہیں ہوتا تھا کہ وہ مغربی قوتوں کےساتھ کسب بھی قسم کے دفاعی معاہدے یا سمجھوتے کی پہلے ہی سختی سےمخالفت رچکے تھے رہا اردن،سو وہاں ابھی تک برطانیہ اورایک برطانوی جنرل گلب پاشا کی زیرکمان عری، یمن کا غلبہ تھا یہی صورتحال مشرق وسطی کےاورمما لک کاتھ شعودی عرب کی فوجی قوت نہ ہونے کے برابر تھی اور وہاں بھی برطانیہ اوامریکا کا بہت زیادہ اثرورسوخ تھالہذا اب صرف دوبڑے مما لک عراق اروایران کامشترکہ سلامتی کےاس معاہدہ میں شامل ہونا باقی رہ گیا تھافروری 1954ءمیں بالکل دوطرفہ بنیاد پرایک معاہدہ ترکی ارو عراق کے مابین ہوااور بغداد میں اس پر دستخط ہوئے ارویہی معاہدہ بغداد کی اساس بن گیا پانچ اپریل کو برطنیہ نے اس میں شمولت اختیارکی 23 ستمبرکو پاکستان اوتین نومیرکوایران نے اوراس طرح معاہدہ بغداد مکمل ہوگیابغداد پیکٹ کاایک فوری نتیجہ یہ وہا کہ مشرق وسطٰی دوکیمپوں میں بٹ گیا۔

ایک طرف معاہدہ بغداد کی مغرب نواز اقوام تھیں، دوسری جانب مصر اور شام کی مغرب بیزار اقوام سلطنت عثمانیہ کی تباہی کے بعد ویسے بھی مشرق وسطیٰ کبھی متحد نہیں رہا مگر اتحاد کی جو تھوڑی بہت فضا اسرائیل کے معرض وجود میں آنے کے بعد اور اس کے خلاف مصر و شام اور اردن کے متحدہ محاذ کی تشکیل کے بعد پیدا ہوئی اور وہ بھی اب معدوم و ہنے لگی۔

مگر سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ امریکہ جو معاہدہ بغداد کا اصل محرک ارو روح رواں تھا وہ خود اس معاہدہ میں شمولیت کے سلسلہ میں برابر لیت ولعل سے کام لیتا رہا اور سب کے اصرار کے باوجود آخر وقت تک اس کی رکنیت سے گریزاں رہا۔

معاہدہ بغداد پر نہرو کا شدید ردعمل

یہ عجیب ماجرہ ہے کہ سیٹو کے برعکس امریکہ معاہدہ بغداد سے آخر دم تک باہر رہا ہر چند کہ پاکستان ترکی ایران ارو عراق سب کی یہ خواہش ارکوشش تھی ک ہامرکیہ بعض مبصر کی حیثیت پر اتکبا کرنے کے بجس معاہدہ کا مکمل رکن بنے گا مگر بھلا امریکہ کو مجبور کون کرسکتا تھا۔نومبر 1955ء میں معاہدہ بغداد کی کونسل کے الجاس میں امیکہ کی طرف سے سفیر والڈ مارگیلین نے بحیثیت مبصر شرکت کی اور اجلاس کے اختتام پر واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ ان کا ملک معلاہدہ کے باہر رہ کر ہی اس کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے اس کی انہں نے دووجوہات بھی بتائں اول یہ کہ امریکہ کی معاہدہ میں شمولیت کے باعث مصر کے ساتھ فاصلہ میں اضافہ ہوجائے گا دوئم یہ کہ اگر امریکہ نے ایسے معاہدے میں شمولیت کی جس کا ایک رکن یعنی عراق عرب لیگ کا م بھی رکن ہے تو پھر اسرائیل بھی اسقس قسم کے اتحاد کا اوراشراک کا مطلبہ کرے گا اور اگر امریکہ اوراسرائیل کے مابین کوئی بھی باقاعدہ اور رسمی سمجھوتہ وہا تو اس کے تنیجہ میں کوء بھی عرب ملک بشمول عراق ایک لمحہ کے لئے معاہدہ بغداد میں ٹھرنا نہیں چاہے گا وراس طرح پورا معاہدہ ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔

امریکہ کی یہ منطق ہر اعتبار سے نرالی تھی کیوں کہ معاہدہ بغداد کی اصل محرک ارو خالق وہی تھا اور دس کی ڈپلیومیسی اور طاقت اس معاہدہ کے پیچھے کارفرما تھی پھر اس سے کنارہ کشی چہ معنی دارو،مگر ساتھ ہی یہ بھی حقیقت تھی کہ اسرائیل کی تخلیق میں براطنیہ کے ساتھ ساتھ امریکا کا بڑا ہاتھ تھا اور اسے کس طرح یہ گوارہ نہیں ہوکسات ھا کہ اسرائیل کا وجود اپنی تخیق کے فوراً ہی بعد معرض خطر میں پڑ جائے ارو اس طرح وہ تمام کی تمام حکمت عملی جو عرب مشرق وسطی میں اسرائیل کے قیام کے پیچھے کارفرما

تھی درہم برہم ہوکر رہ جائے اس طرح ایک طرف تو امریکہ نے معاہدہ بغداد بنوا کر عرب لیگ کے ایک اہم رکن راق کو عربوں کے سواداعظم بالخصوص مصر سے توڑا اور دوسری طرف اسرائیل کی سلامتی پر ذرا سی بھی آنچ نہیں آنے دی۔

سیٹو کے بعد ماہدہ بغداد کی تشکیل پر ہندوستان کا توقع کے مطابق انتہائی شدید اور معاندانہ ردعمل ہوا 25 فروری 1955ء کو پنڈت نہرو نے ایک بین میں کیہا بڑی قوتوں کے مابین تو فوجی معاہدوں کی بات سمجھ میں آسکت ہے اور اس کا کچھ نہ کچھ مطلب ضرور ہوتا ہے مگر جو بات میری سمجھ میں ائی وہ یہ ہے کہ ایک طاقتور دیوقامت ملت یعنی امریکہ اور دوسرے ست قامت بونے ملک یعنی پاکستان سے کے مابین اس قسم کا کوئی بھی بندوبست کیسے وسکتا ہے؟[2]

یہ وہی پنڈت نہرہ تھے جنہوں نے چندسال پہلے فرمایا تھا۔

یہ بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ چند چھوٹے اور کمزور ایشیاءیمما لک کو ایسے نامساعد حالات کے پیش نظر عظیم طاقتوں کے سامجھنے جھکنا پڑے گا اور ان کے حاشیہ بردار کی تحیثیت بھی اختیار کنی پڑ صرف اسی وجہ سے کہ جس مخالف قوت کا انہیں سامنا ہے اس کا مقبلہ تنہا ان کے بس کی بات نہیں چنانچہ ایسی صورت میں کوئی نہ کوئی سہارا ڈھونڈ نا پڑ گیا۔

نہرو کے ان دونوں بیانات میں جو تضاد ہے وہ ان کی مجموعہ اضداد قسم کی شخصیت کا صحیح مظہر ہے وہ انتہائی مغلوب الغضب قسم کے انسان تھے اور کسی وقت کچھ بھی کہہ اور کر سکتے تھے تاہم معاہدہ بغداد کے باب میں انوہس نے دیو اور بونے کی جو مثال دی وہ تلخ وہنے کے باوجود غلط نہیں تھی یہ حقیقت تھی کہ فوجی نوعیت کے معاہدوں میں بڑے اور چھوٹے کا ساتھ ہرگز برابری کی سطح پر نہیں ہوسکتا ار وخواہ کتنی ہی احتیاطی تدابیر اور ضمانتیں کیوں نہ مہیا کر دی جائیں غلبہ بڑی طاقت کے مفاد کا ہی رہے گا یہ کلیہ امریکہ اور پاکستان کے مابین عسکری نوعیت کے معاہدوں پر صادق نہیں آتا بلکہ خود ہندوستان اور روس[2] کے مابین اس قسم کے جو بھی سمجھوتے ہوئے ان پر بھی اس کا پورا پورا اطلاق ہوتا ہے۔

مغربی طاقتوں کے ساتھ فوجی معاہدوں میں شمولیت کے بعد پاسکتان میں خود اعتمادی کا وہ احساس پیدا وہنے لگا تھا جس کی اسے اشد ضرورت تھی اور جو انہائی نامساعد

حالت اورتابڑتوڑ اندزرونی و بیرونی بحرنوں کے باعث گھٹتے گھٹتے نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا ہر چند کہ امریکہ ارو برطانیہ نے آغاز کار ہی میں بالکل واضح کر دیا تھا کہ ان معاہدوں کا ر،صرف اروصرف عالمی اشتا کیت کی جانب سے اور ہندوستان کی طرف سے مسلح جارحیت کی صورت میں وہ ہرگز اس کی مدد کونہیں آئیں گے تاہم بڑی قوتوں کا ساتھ ہی اپنی جگہ بہت تھا اوراس طرح پاکساتن مک ازکم برصغیر کی تنگنائے سے نکل کر کثیر الوقتی معاہدوں کی وسیع وعریض دنیا میں دخل ہوگیا اس دنای میں جدید ترین آبدار اسلحہ تھے خوبصورت وردیاں تھی۔اعلیٰ ترین سطحوں پر منصوب بندی کے وسیع مواقع موجود تھے ہر چند کہ اس نوعیت محض تدیری اورسراسر زبانی جمع خرچ سے زیادہ نہ تھی تاہم پاکستان کوایسے حیفوں کے درمیان وہ عصری مقام اوردرجہ مل گیا جس کا وہ مدت سے متلاشی تھا وجس کی تحفصیل ہندوستان اروافغانستان جیسے ہمہ وقت مخالف اور جارحیت پرآمادہ ہمسایوں نے اے لےءناممکن بنادی تھی۔

1954ء کے وسط میں معاہدہ بغداد کی کونسل کا جواجلاس کراچی میں ہوااس کی صدارت کا عزاز جنرل ایوب کوبخشا گیا جو پاکستان جیسے نوزائیدہ ملک یک لئے ایک بڑی بات تھی اس میں شک نہیں کہ یہاں تک سفارتی آداب کاتعلق بتا امریکہ نے پاکستان کی دل جوئی میں کوئی کسرنہیں اٹھارکھی مگراصل بات جہاں کی تہاں رہی ارو باہمی اشتراک وتعاون کے باوجودمشترک جارحیت کی تعریف وہی کی وہی رہی جو روز اول امریکہ کی صوادبدی کی روشنی میں متعین کردگئ یعنی صرف اروصرف روس کی جنب سے مسلح حملہ جارحیت کی تعریف میں آتا تھا نہ کسی ارو جانب سے کسی حملہ ہوتو اس کے بارے میں مشاروت تو ہوسکتی ہے مگرکسی قسم کےعملی اشراک کا سوال پیدانہیں ہوگا اس کانفرنس میں امریکی فضائیہ کےے سربراہ جنرل ناتھن ٹوننگ نے بحثیت سفرکے شرکت کی ارو بہت ردقد ملے بعد صرف اس امر پراصولی طور رپ اتفاق رائے ہوسکا کہ محدود عالمی جنگ کی صورت میں مغربی پاکستان ک خلاف اگرکوئی یعنی اشترا کی قوت کی شہہ پرخطرہ پیدا ہوا تو اسے مشترکہ خطرہ سمجھا جائے گا اروا س کے فوری تدارک کا بندوبست کیا جائے گا کمینوسٹ اورکیمونسٹ طاقتوں کی شہہ پر پیدا کی گئی ہنگامی صورتحال میں اگرکوئی فری تھا تو یہ تھا کہ مثال کےطور پرگر یہ امرواضح ہوجئاے کہ ہندوستان ے روس کی شرط پر پاکستان پرحملہ کیا ہے تو پھر

معاہدہ بغداد حرکت میں آجائے گا لیکن سوال صرف یہ تھا کہ آخر اس کا فیصلہ کون ادرک رے گا اور فیصلہ وہتے ہیئے کیا یہ مثل صادق نہیں آئے گی بغداد دردشور مار گزیدہ مردہ شود دوسرا انتہائی اور اہم انتہائی قابل اعتراض نکتہ یہ تھا کہ ہر چند پاکستان بشمول مشری اور مغربی پاکستان معاہدہ بغداد کا رکن تھا مگر 1987 کی میٹنگ کی کارروائی میں دفاعی کاروائی کے سلسلہ ں ی ذکر صرف مغربی پاکسان کا کیا گیا آخر کیوں؟ کیا مشرقی بنگال کا دفاع، استحکام اور اس کی سلمیت اتنی ہی اہم اور ناگزیر نہیں تھی جتنی کہ مغربی پاکستان کی؟ یقیناً تھی مگر اعلیٰ عسکری اور دفاعی منصوبہ بندی میں اس کا خیال نہیں رکھا گیا اور یہی امر اس فوجی نقطہ نظر کا خالق بنا جس کے مطابق مشرقی بنگال کا دفاع مغربی پاکستان سے کرنا تھا اور جس کا ہمیں بڑا خمیازہ بھگتنا پڑا اروجس کا پورا فائدہ ہندوستان نے اٹھایا۔

بظاہر یہ نظریہ خاصا معقوم اور حقیقت پسندانہ معلوم ہوتا تھا مگر اس پر کامیابی کے ساتھ موثر طریقہ سے عمل کرنے کے لئے جن وسیع عربی ذرائع اسلحہ ات اروآتشین قوت کی رضوتر تھی وہ ہمارے پاس موجود نہیں تھی البتہ امریکی فوجی امداد میں ہم نے اس کی ایک جھلک دیکھی اور اس جز و کو کل سمجھ بیٹھے اور اپنی غلط فہمی ارونا سمجھیت کے باعث 1955ء ارو1965ء کے مابین کی گئی حربی منصوبہ بنانے میں کمزوری اور حماقت کا شکار ہو گئے۔

مغربی بازو سے دور افتادہ مشرقی بازو کی جنگ کامیابی کے ساتھ صرف اسی وقت لڑ جا سکتی تھی جب مغربی باو کے پاس اتنا اسلحہ گولہ بارونفری او اس سے بڑھ کر اعلیٰ ترین قیادت ہوج کے بل پر وہ ایک مختصر اور مسر یع الرفتار جنگ میں مغربیؒ محاذ پر ہندوستانی افواج کو پسپا کر دڈے اس سے پہلے کہ وہ اپنا رخ مشرقی خطہ کی طرف کرے ظاہر ہے ایسے وسائل ہمارے پاس نہیں تھے امریکی اسلحہ سے لیس اعلیٰ تربیت یافتہ جوانوں اروافسروں کی مدد سے ہم اپنے سے تین گنی چوگنی ہندوستانی فج کو روک تو ضرور سکتے تھے مگر اسے مکمل طور پر پسپائی پر مجبور کر کے کانفرنس کی میز پر انا دوسری بات تھی نیز اس ناقص حکمت عملی کی وجہ سے مغربی بازو اور وہاؒں پر متعین افواج پہ ذمہ داری کا جو بھاری بوجھ آن پڑا اسلحہ نورنفری کی کم مقدار کے اعتبار سے اسے اٹھانے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اگرچہ متحدہ پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان جھغرافیئ خلیج دفاعی نقطہ نگاہ

سے ناممکن حد تک وسیع اور نا قابل عبور معلوم ہوتی تھی تا ہم اسے اعلیٰ منصوبہ بندی کے ذریعے نہ صرف پایا جاسکتا تھا بلکہ دفاعی کمزوری کو دفاعی قوت میں تبدیل کا جاسکتا تھا چاروں طرف سے گھرے ہونے کے باوجود مشرقی بنگال دفاعی قسم کی متحرک جنگ اور چاپہ مار گوریلا جنگ کے لئے انتہائی موزوں تھا او یہاں ہندوستان کو بہ آسانی ایک طویل نگی کارروائی میں الجھایا جاسکتا تھاً جیسے ایک زانہ تک ناگا او منیر و قبائل نے کیا اس کے باوجد کہ اب ان کی منظّم مزاحمت ختم ہوچکی ہے۔ ہندوستانی فوج سے ان کی اکا دکا جھڑپوں کی خبریں ملتی رہتی ہیں مشرقی پاکستن میں منصوبہ کے مطابق چھاپہ مار جنگ جاری رکھنے کی صورت میں مغربی محاذ پر باقعدہ جنگ کر سکتے تھے۔

آپ کو یاد ہوگا 16 دستمبر 1971 کو ڈھاکہ میں ہتھیار ڈالنے کی تھر پڑپ ے فوراً بعد ہندوستان نے 45 میں سے 18 اسکوارڈن کا رخ فوراً مشرقی محاد پر مصررف تھے اور جیسے ہی اس محاذ کی بسطا پلٹی وہ مغرب کی طرف پروانز کرنے لگے ارو یہی حال بری ارو بحری افواج کا ہوا۔

سیٹو کی وجہ سے پاسکتان خواہ مخواہ مشرق وسطیٰ کی بین الاقوامی سیاست میں بھی الجھ گیا چنانچہ جولائی 1956ء میں مصر نے نہر سوئز کو قومی ملکیت میں لینے کا فیصلہ کیا تو پاکستان کے لئے یہ مسئلہ ہوا کہ وہ کس کا ساتھ دے اور کس کا نہ دے کدھر کی چوٹ کھائے اور کدھر کی بچائے 1956ء کے آئین کے تحت اس وقت چوہدری محمد علی پاکستان کے پہلے وزیر اعظم تھے اور جناب حمید الحق چوہدری وزیر خارجہ تھے ان دونوں نے یہی الغان کیا کہ نہر سوئیز ایک تجارت ادارہ ہے اور مصر کو پورا حق پہنچتا ہے کہ جب چاہے ہ اسے قومی ملکیت میں لے لے مگر جاں تک بین الاقوامی جہاز رانی کا تعلق ہے سو اس سلسلہ میں پاکستان کو بھی اتنی ہی تشویش ہے جتنی اور مما لک کو اس مسئلہ پر لندن میں پہلی کانفرنس ہوئی تو اس میں حمید الحق چودھری نے سوئیز پر مصر کی حاکمیت تلیمکر تے ہوئے اس موقف کو پھر دہرایا کہ قوما ینے کاروائی نئے متعدد متاثرہ مما لک ے اتعماد کو مجروک کیا ہے او اس اعتماد کو بحال کرنے کے لئے فوری اقدامات ناگزیر ہیں پاکستان کا موقف اصولی ضرور تھا مگر اپنی تاریخ کے جس عظیم بحران سے اس وقت مصر دوچار تھا وہ اسؒ ے لئے زندگی گا ورموت کے سوال سے کم نہ تھا یا سے وقت میں اسے سفارتی آداب اووضع

احتیاط سے کہیں زیادہ بھر پور اخلاقی معاونت اروعملی اشراتک کی ضرورت تھی جو اسے میسر نہ آسکی۔

اس پر غضب یہ ہوا کہ سوئیز کے بحران کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد ہی پاکستان میں مرکزی قیادت بدل گئی اور زمام حکومت حسین شہید سہروردی کے سنبھال لی سہروردی ایک انتہئی منجھے ہوئے العی دل و دماغ کے مدبر اور سیانستدان سمجھے جاتے تھے مگران سے ایک ایسی احرکت سرزد ہوئی جو خارجہ امور میں غالبًا پاکستان کی سب سے سنگین غلطی تھی تقریباً اس وقت جب پاکستان میں سہروردی صاحب اپنی حکومت بنارے تھے برطانیہ اروفرانس نے مصر کو دھمکی دی کہ وہ نرسوئیز کو استعمال کونے کے حق سے دستبردار نہیں ہوں گے بلکہ اسے استعمال کرتے رہے گے اوراس ضمن میں انہوں نے User Association یعنی استعمال کرنے والوں کی ایک انجمن کے انعقاد کا اعلان بھی کردیا ان کا یہ اعلان مصر کولصی میٹم کے متادف تھاو جمال عبدالنصر نے اس کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا ابھی سفارتی سطح پر جنگ جاری تھی کہ 29 اکتوبر 1956ء کو اسرائل نے مصر پر حملہ کردیا بہنایا بنایا کہ مصر میں فدائین اس وقت پی ایل اووجود میں نہیں آیا تھا کے جوٹھکانے قائم ہیں ان کا قلع قمع کرنا مقصود ہے اسرائیل کے حملے کے صرف دودن بعد یعنی اکتیس اکتوبر کوفرانس او برطانیہ نے مل کر مصر پر بھر پور حملہ کردیا اوراس کے پانچ روز بعد اپے چھاتہ بردار دستوں کو وہاں اتار دیا یہ وقت نہ صرف مصر کے لئے بلکہ تمام عرب مما لک اوور پی اسلمی دنیا کے لئے بڑی آزمائش کا وقت تھا اور تمام اختیالافت کے باوجود مصر کے حق میں جو کچھ کہاارو کیا جاتا کم تھا غلطی اہے کسی کی بھی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو دو بڑی قوتوں نے مصر کے خلاف کھلی جارحیت کا ارتکاب کیا ارو دوسری طرف اسرائیل اس پر چڑھ بیٹھا تا اس قیامت کی گھڑی میں حسین شہید سہروردی کی زیر قیادت پاکستان نے معاہدہ بغداد میں اپنی رکنیت کا حق ادا کرےتہوء یا یسا مغرب نوا رو یہ اتخیار کیا جس کی مثال نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آئی نہ بعِ میں۔

انہوں نے دسمبر 1954 میں ایک تقریر کے درواان کہا کہ اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے ہم یعنی مسلم مما لک اپنے آپ کو عظیم قوتوں سے وابستہ کنے کے بجائے خود اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے اپنی قوت مجتمع کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اس سوال کا میرے پاس صرف ایک ہی جواب ہے یہ کہ صفر جمع صفر، جمع صفر مل کر بھی صفر ہی کے برابر

ہوتے ہیں چنانچہ اپنی ترقی اور دفاع کے ئے اسلامی اتحاد سے اورآگے بڑھنا ہمارے لئے بہت ضوری ہے مجھ یا بھی تک تعب ہتا ہے کہ سہروردی نے یہ بیان دیا تو کیوں دیا اور خود انہیں پاکستان کو اس بیان سے بجز رسوائی اور جگ ہنسائی کے ارو کیا حاصل ہوا ز ور بیان میں وہ یہ بھی بھول گئے صرف کر تکرا میں خود پاکستان کو بھی انہوں نے صفر کا درجہ دے دیا ظاہر ہے امریکی ذرائع ابلغ نے سہروردی کے اس بیان کو بہت سراہا ارو نیویارک ٹائمنر نے تو یہاں تک لکھ دای کہ سوئیز کے بحران کے سلسلہ میں وزیر اعظم سہروردی اور صدر سکندر مرزا نے جو رویہ اتخیار کیا ہے اس کے بعد ان دونوں اپنی پورسی سیاسی زنندڈگی کو داؤ پر لگاؔ دیا ہے۔

طرفہ تماشا یہ ہوا کہ خود امریکہ نے اپنے آپ کو نصہ صرف اس بحران سے لحید ہ رکھا بلکہ برطانیہ ارو فرانس دونوں کو جتا دیا کہ وہ اپنی فوجیں مصر سے ہٹالیں اپنے مغربی ساتھوں کے ساتھ امرکیہ نے جو موقی اختیار کیا اس کے مطابق مصر پران کا حملہ رایتی نو آبادیاتی نظام کی نشادہی کرنا تھا جو امریکہ کے نزدیب انہائی ناپسندیدہ امر تھا اخبار الجمھو ریہ نے اپنی ایک اشاعت میں انور سادات بکد میں صذ درانوار سادات کا ایک مضمون بھی شائع کیا جس میں مصنف نے پر زور لافظ میں امیرکہ کو بتایا کہ اب تمام من عالم کی ذمہ داری مریکہ پر عائد ہوتی ہے امرکیہ نے اس دلیل کو اصولی طور پر تسلیم کیا مشرق وسطی میں روس کے بڑھتے ہوئے لبے اور برطانیہ کے روز افزوں گھٹتے ہوئے اثر و رسوخ کے پیش نظر امریکہ نے بظاہر برطانیہ اور فرانس کی مشترکہ جارحیت کے خلاف یہی موقف اختار کیا۔

برصغیر کی عام سلامتی کی ضا پر سوئیز کے بحران کا یہ اثر ہوا کہ پاسکتان میں مشرق وسطی کے سب سے بڑے ارو صف اول کے ملک مصر سے بالکل کٹ کر رہ گیا ارو اس کا براہ راست فادۂ ہندوستان کو پہنچا مصر سے ہندوستان کے تعلقات بے حد دوستانہ اور مستحکم ہوگئے اور پاکستان کی حیثیت محض امریکہ کے ایک طفیلی کی ہو کر رہ گئی سوئیز کے بحران کے بعد مشرق وسطی میں مصر کی قیادت مسلم ہوگئی عرب قومیت اور انقلاب کا چرچا ہاا وشام ارو مصر کے تعلقات مکمل یک جہتی ارواد غام تک بڑھ گئے 1958ء میں مصر اور شام کا اتحاد ہوا اور متحدہ عرب جمہر ویہ کا یقام مل میں آیا سی سال عراق میں بھی انقلاب آیا وہاں بادشاہت کا خاتمہ کر دیا گیا،

اروکرنل ناصر کی طرح کرنا قاسم نے انقلاب عراق کے قائد کی حیثیت سے زمام حکومت سنبھال اوراس کے بعد سب سے پہلا کام یہ کا کہ اپنے ملک کے معاہدہ بغداد سے اخراج کا عالن کردیا اس طرح معاہدہ بغداد کا خاتمہ وااوراس کی جگہ سیٹو معرض وجود میں آیا اروا س کے صدر دفاتر عراق سے انقرہ منتقل ہوگئے۔

مصر کے بعد عراق میں ہونے والیے انقلاب کے نتیجہ میں امریکہ کی نظروں میں پاکستان کی قدر و قیمت او بڑھ گئی اور پورے مغربی اروجنوب مغربی ایشیاء میں یہ ملک نہایت مستحکم ارومضبوط نزآنے لگا جس کی فوج پوری طرح تربیت یافتہ اور جدید اسلحہ سے پوری طرح لیس تھ تر کی کے ساتھ تو امریکہ کا تعلق دوسرا تھا کیوں کہ وہ معاہدہ بغداداور سیٹو سے بھی بہت پہلے Nato کا پورارکن بنا چکا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ پاکستان کی عسکری قوت میں پچاس کی دہائی کے وسط اور آخر میں کافی اضافہ ہا اور پاسکتان میں پہلی بار یہ اعتماد پیدا ہوا کہ وہ رقتہ آبادی او ذرائع میں کم ہونے کے اوجود بھی کمزور نہیں رہے اور وقت آنے پر ہندوستان سے نہ رف یہ کہ مقابلہ کرسکات ہے بلکہ سازگار حالات میں اسے شکست بھی دے سکتا ہے۔

ہندوستان والے پاکستان کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت پر جھلاتے رہے اور پاکستان حد سے زیادہ خوداعتمادی کا شکار ہوتا گیا ارویہی دوعوامل یعنی ہندوستان کی ادھر عورتوں او ادھر بچوں کی جھلاہٹ اور پاکستان کی نوجون ؒنوں کی سی انانیت اور خوداعتمادی دونں مما لک کو مسلح تصادم کے قریب ترلے آئی۔

ایک قدم آگے دو قدم پیچھے

ہندو پاک تعلقات می ایک ایسا انوکھا پہو رہاٗ ہتہ ے جسے انگریزی زبان میں Absurd کہتے ہیں مگر اردو میں صرف لغو کہا جا سکتا ہے ایسی لغویت جس کا ارتکاب اعلیٰ ترین سطح پر کیا جا تا رہا ہے اورج سکے اجزائے ترکیبی میں ہمالائی چماقت سے بھی کہیں زیادہ خواہ مخواہ کی ضد کج بحثی اروایک دور سے کی نیت پر حد سے زیادہ شک کا عمل دخل رہا ہے اور آج تک چلا آ رہا ہے نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ جہاں بھی تعلقات ذرا سنبھلتے نظر آئے اور بات بنتی دکھائی دی وہیں معاملات کسی معمولی بات پر پلٹا کھا کر ایک بار پھر بگڑنے لگتے ہیں۔

لغویت یا بوالعجیبس کے اس عنصر کے باعث ہندوستان ور پاکستان کے تعلقات کی نوعیت کچھ ایسی چلی آ رہی ہے کہ جس ک یکوئی قطعی اور واضح یا سائنسی تشریح توضیح کم از کم میرے نزدیک ممکن نہیں اس کا بنیادی سبب وہ تاریخی عوامل مہیں جو صدیوں کی ہم وطنی کے باوجود ہندو مسلم منافرت اور اجنبیت کا سبب بنے رہے اور بالآخر تقسیم برصغیر پر منتج ہوئے قٗ ادے کے لحاظ سے تو تقسیم کے بعد حالات کو یکسر بدل جانا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ مزید پیچید گیا پیدا ہو گئیں اجنبیت ارمنافرت کی جگہ شکوک وشبہات نے لے لی اروفرقوں کی سلامتی کا مسئلہ دو قوموں اور دو ملکوں کی سلامتی اور تحفظ کا مسئلہ بن گیا آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات کی جگہ ان گنت چھوٹی بڑی فوجی کارروائیوں اور وقفہ وقفہ سے ہونے والے مسلح تصادموں نے لے لی اکثر دفاعی ماہرین نور تجزیہ نگار جن میں اپنے اور پرائے سبھی شامل ہیں جب پاک و ہند تعلقات پر بحث کرتے ہیں تو ابسورڈ کے اس عنصر کو اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکمہ یہ عنصر جاری تاریخ کا ایک نہایت فیصلہ کن عنصر رہا ہے اور ابھی تک ہے دونوں ملکوں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے مجرب نسخے تجویز کئے جاتے ہیں تھوڑی دیر کے لئے یہ نسخے کارگر بھی معلوم ہوتے ہیں مگر چونکہ مرض بہت پرانا و

پیچیدہ ہو چکا ہے اس لئے پھر پہلے سے بھی زیادہ شدت سے عود کرآتا ہے ارومریض کومزید ہلکان کرتا ہے۔

میرا اپنا خیال تو یہی ہے کہ یہ کیفیت آئندہ کم ازکم ڈیڑھ دونسلوں تک ضرور چلے گی اس کے بد نہ صرف یہ کہ آہستہ آہستہ طبیعت میں ٹھہراؤ آجائے گا بلکہ ہوسکتا ہے کہ مرض جڑ ہی سے چلا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخی مرض کا عالج محض تاریخ کے نسے سے ہی کیا جا سکتا ہے ج سکے لئے وقت اورصبر دونوں ہی ناگزیر ہیں دریں اثناء یہ گاڑی اسی طرح اٹک اٹک کر چلتی رہے گی کبھی ہلکی، کبھی بھاری اور کبھی چلتے چلتے یوں اٹک جائے گی جیسے ڈرائیورکا ایک پیرتو ایکسیلیٹر پر ہے اودوسرا بریکس پراس آہستہ خرامی بلکہ مخرامی کا اندازہ نہرواور بوگرہ کی اس گفتگو سے وہجا تا ہے جوان کے مابین 1953ء میں اس وقت ہوئی جب باہمی تعلقات پانے عروج پر پہنچ رے تھےاور مسئلہ کشمیر سمیت تمام معالات سلجھتے معلوم ہوتے تھے اس گفتگو کے دو اقتباسات حکومت پاکستان کے سرکاری رکیارڈ کے حوالے سے ایم ایم برک نے اپنی کتاب Pakistan Foreign Policy میں اس طرح پیش کئے ہیں۔

نہرو: پاکستان کی عسکری قوت اور اسلحہ میں اضافہ کا صرف ایک مطلب ہوسکتا ہے اور وہ ہے ہندوستان کے خلاف غیر دوستانہ اورمعاندانہ کارروائی یہ ایک ایسا عمل ہے جوصرف ہندوستان ے لئے خطرات سے بھرپور ہے اس سم کا اقدام، صحیح اور مکمل آزادی کے تقاضے کے مطبق بھی نہیں اوراس سے ایشیائی مما لک کی آزادی کوخطرہ لاحق ہوسکتا ہے باالفاظ دیگر اگر کوئی خطرہ لاحق وہسکتا ہے تو صرف مشرق یعنی ہندوستان کی طرف سے ہوسکتا ہے چنانچہ یہ تمام ہتھیارصرف ہندوستان کے خلاف استعمال ہوسکتے ہیں۔

بوگرہ: پاکستان کے مقابلہ میں ہندوستان کی عسکری صاحللت اورقوت کہیں زیادہ ہے کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان اپنے دفاع کے استحکمام کے لئے کوئی مناسب کارروائی کرے تو اسے ہندوستان کے لئے اپنے خلاف ایک غیر دوستانی فلع تصور کرے مجھے یقین ہے ہ پاک ہدودوستانہتعلقات کے متعلق آپ کا ہرگز یہ نظریہ نہیں وہگا اروان کا تمام تر دارومدار دفاعی شعبے میں باہمی عدم توازن اورعدم مساوات پر ہے اس طرح کہ اس شعبہ میں ہندوستان کو ہمیشہ پاکستان پر برتری حاصل رہی ہے۔

غلط یا صحیح ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے ہ ہما کے استحکام اور ہماری سلامتی کو خطرہ لاحق ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم اپنے دفاع کو مضبوط بننے کے لئے مناسب اقدام کریں کمزوری ہمیشہ جارحیت کو دعوت دیت ہے اوی یہ ایک واضح حقیقت ہے جسے ردنہیں کیا جا سکتا اس لئے یہ نہایت نا قابل فہم اور عجیب بات ہوگئی کہ ہمارے خالص دفاعی نوعیت کے اقدامات اور کوششوں کو جارحانہ کارروائی کے مترادف سمجھا جائے۔

میرے خیال میں آج بھی ہندوستان اور پاکستان بالکلو ہیں کھڑے ہیں اور انکے باہمی شکوک و شبہات کی نوعیت ایسی ہے جو آج سے تیں اکتیس برس پہلے تھی اور جس کی عکاسی مندرجہ بالا مکالمہ میں بخوبی ہوجاتی ہے آج بھی وہی امریکن لیڈ کا فض ہے اروا س کے خلاف ہندوستان کا وہی واویلا اور انہیں خدشات کا مسلسل اظہار کہ امریکی فوجی امداد کے جلو میں برصغیر عظیم تر قوتوں کی عالمی جغرافیائی سیاست میں الجھ کر رہ جائے گا حالانکہ آج کا برصغیر 1950 کا برصغیر نہیں ہے پاسکتان کے دولخت ہوجانے کے بعداب برصغیر ہندوستان کے بجائے جنوبی ایشیاء بن چکا ہے۔

ہندوستان جسے ایک زمنہ میں اپنی غیر جانبدارانہ آادخارجہ حکمت عملی پر بڑا ناز تھا اب خود 1971ء کے معاہدہ دوستی وتعاون کے تحت روس کا حلیف بن چکا ہے بحیرہ ہند میں برطانیہ کے رخصت ہونے کے بعد امریکی اور روسی بحری بیڑے دندناتے پھرتے ہیں افغانستان میں روسی افواج براجمان ہیں ایران میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوچکا ہے عراق میں ایران جنگ نو سال کی خونریزی کے بعد بغیر ہائیت کے ختم ہوچکی ہے ۔خلیج کی ریاستیں بشمول سعودی عرب جنہیں 50ء تک کوئی پوچھتا نہیں تھا اب آادار وخودمختار ہیں اور تیل کی دولت سے مالا مال ہوجانے کے بعد علاقائی امن کے اسچکام کے معامہل میں ایک لیدی اہمیت احتیر کرچکی ہیں غرض کہ برصغیر اروا س کے گردونواح کا دفاعی اوحفاظتی ماحول یکسر بدچکا ہے مگر گزتہ تیرہ سال سے جنگ نہ ہونے کے باوجود ہندوستان اور پاکستان کے مابین کشیدگی اوتادم کی وہ فضا جو روز اول تھی آج بھی جوں کی توں برقرار ہے اروا س میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں آیا ہندوستان کے ہاتھویں میں ہمیشہ بایک ؒ بڑا حربہ یہ رہا کہ جب بھی پاکستان نے عظیم تر طاقتوں بالخصوص امریکہ سے تعلقات استوار کئے ہندوستان نے سامراجی ارونو آبادیاتی نظام کی واپسی کا نعرہ لگایا اروپاکستان کی

دفاعی کوششوں کو اس اس رنگ میں پیش کا ی کہ اس کے نتیجے میں گویا پاکستان واقعی امریکا کا طفیلی بن گیا اور اس کی افواج امریکی افواج کا ایک ذیلی ادارہ یہ نعرہ اور مفروضہ نہ صرف اپنی جگہ پر تاریخی طور پر غلط ثابت ہو چکا ہے بلکہ نتہائی نامعقول اور دل خراش بھی ہے ہم نے دیکھا کہ 1965ء کی جنگ میں کیا ہوا ادھر جنگ شروع ہوئی ارو ادھر امریکہ نے بیک جنبش قلم ہندو پاسکتان دونوں ہی کو جارح قرار دے کر فوری طور پر دونوں ہی کو اسلحہ کی فراہمی بند کر دیؒں اور اس طرح اپنے قریب ترین دوست پاکستن کو ہندوستان ے ساتھ برابری کا درجہ دے دیا اس وقت جب ہندوستان نے پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا ارو پاکستان موت و زیست کے مسئلے سے دوچار تھا بالکل یہی حالت چھ سال بعد 71ء میں بھی ہوئی اصولاً امریکی فجیا مداد کی پاکستان کے لئے وہی اہمیت اور حیثیت تھی اور ہے جو روسی فوجی امداد کی ہندوستان کے لئے رہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ہندوستان ے روس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے باوجود بین الاقوامی امور میں اپنی آزندی عمل کو برقرار رکھا، اس طرح کہ درندر ہے ہاتھ سے جنت نہ گئی ہندوستان، روس اور چین دونوں ہی کے ساتھ برابر کی پینگیں بڑھاتا رہا۔ نہرو نے جواین لائی کے ساتھ آواز میں آواز ملا کر پنچ شیلا کا بھرپور چرچا کیا پھر یہی بات خرشچیف ارو بنگانن کے ساتھ مل کر ہارائی اسکو پیکنگ ارو نئی دہلی کی تکون ابھری اور کچھ عرصے کے لئے امن عالم کی خود ساختہ علامت بن گیئے لکھنے والوں نے لکھا ور سننے والوں نے سنا کہ اب چین، روس او ہندوستان مل کر عالمی امن کی جنگ لڑیں گے۔

اس کے برعکس پاکستان نے پانا سب کچھ امریکہ کے ساتھ دوستی کے کھایت میں ڈال دیا اور اس کے بدلہ میں اسے سے بجز فراہمی اسلحہ جو بہرنو اس کی اشد ضرورت تھی ارو چھیہس ملا کشمیر کا معاملہ کٹھائی میں پڑا پھر سرحدیں گرم ہونا شروع ہوئیں کشمیر میں فائر بندی کی خلاف ورزیاں روزمرہ کا معمول بن گئی رن مچھ میں سرحدی تنازع کھڑا ہو گیا مشرقی پاکستان جو ابھی تک باقاعدہ مسلح تصادم ے دائرہ سے باہر تھا وہاں بھی 1957 میں باقاعدہ جنگ کے سے حالات پیدا ہو گئے شمالی مشرقی سیکٹر میں گرما گرمی شروع ہوئی اور لکشمی پور کے مقام پر ہندوتان فوج بارڈر پولیس اور یاسٹ پاکستان رائفلز کے مابین زبردست جھڑپ ہوئی یہ وہی معرکہ تھا جس کی قیادت میجر طفیل محمد نے کی اور شہادت پائی اور

پاکستان فوج کے سب سے بڑے اعزاز نشان حیدر کے حق دار قرار دیئے گئے کیپٹن محمد سردار شہید کے بعد میجر طفیل محمد دوسرے افسر تھے جنہیں دوان جنگ فرض کی آوعاز سے بھی کہیں زیادہ جرات و بہادری پر نشان حیدر عطا کیا گیا۔

ہندوستان اب سفارتی اور عسکری دونوں ہی میدانوں میں پاکستان کے خلاف جارحیت پر اتر آیا تھا جنوری 1957ء میں سلامتی کونسل نے متفقہ طور پر اس کے مقابلہ میں صفر ووٹ جب کہ سویت یونین نے ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا اقوام متحدہ کی اکتیس اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قرار دادوں کی توثیق کی او کونسل کے واں صدر گنزیارنگ کو ہدایت کی کہ وہ مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلہ میں ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں سے رابطہ قائم کرلیں ار کشمیر میں اقوام متحدہ کی ایک غیر جانبدارانہ فوج متعین کرنے کی پاکستانی تجویز پر غور کریں، مگر اس سے پہلے کہ اس ضمن میں کوئی پیش رفت ہوتی تو کرشنا نینس جو اس وقت اقوام متحدہ میں اپنے ملک کی نمائندگی کر رہے تھے انتہائی برہم ہوگئے اور انوہس نے فوراً ہی اقوام متحدہ کی فوج کی تجویز کو نہ صرف سخت سے مسترد کردیا بلکہ یہ تک کہہ دیا کہ سلامت کونسل کو جرات ہی کیسے ہوئی جو اس قسم کی تے جویز پیش کی کشمیر ہنوستان کا حصہ ہے اور ہم وہاں کسی بھی بیرونی فوج کی موجودگی برداشت نہیں کریں گے پھر وہ جوش خطابت میں اتنے آگے بڑھے کہ انہوں نے مسئلہ کشمیر کو ختم ہی کرکے رکھ دیا او صاف صاف کہہ دیا کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق مکمل طور پر ایک طے شدہ امر ہے۔

انہوں نے انتہائی غصہ کے عالم میں اعلان کیا کہ مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل ابھی تک ایک سو چار اجلاس بلا چکی ہے بے شک ایسے دو سو اجلاس بلا لے مگر ہم ٹس سے مس نہ ہوں گے آپ ہمیں جب بھی بلائیں گے ہم آئی گے مگر صرف ایک شرط پر اور وہ یہ کہ ہم کسی حالت میں بھی اپنی آزادی خودمختاری اور سلامتی کو داؤ پر نہیں لگائیں گے مسئلہ کشمیر کے لئے انوں نے صورتحال کی ایک اصطلاح گھڑی اور فرمایا کہ کشمیر تو سرے سے مسئلہ ہی نہیں ہے یہ تو محض ایک صورتحال ہے آپ فوری سوچیں کہ ہندوستان اور پاسکتان کے مابین کشمیر مسئلہ ہی بن ہی کیسے سکتا ہے جب اس پر پاکستان کا کوئی حق ہی نہیں انوں نے ثالثی اور بین اقوامی عدالت میں مسئلہ کشمیر کو پیش رکرنے کی تجویز کو بھی

پائے حقارت سے ٹھکرادیا اروا س طرح مسئلہ کشمیر ایک بار پھر کھٹائی میں پڑا گیا اروا س تعصل کے نتیجہ میں ہندو پاک تعلقات پھر سے کشیدہ ہونے لگے۔

اکتوبر 1958ء میں پاکستان میں فوجی انقلاب آ گیا جنرل ایوب نے چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر اور مسلح افواج کے سپریم کمانڈر کے کلیدی عہدے سنبھالے جب کہ جنرل سکندر مرزا صدر کے عہدہ قر قائم رہے مگر جب خود انہوں نے ہی وہ آئین منسوخ کر دیا ج سکے تحت وہ صدر بنے تھے تو پھر وہ کیسے ار وکب تک اس عہدہ پر جمے رہ سکتے تھے ان کی صدارت کی قاونی حیثییت ختم ہو چکی تھی چنانچہ وہی ہوا جو اس صوتر حال میں و ہنا چاہئے تھا اور انہیں 27 اکتوبر کو صدارت کے عہدے سے ہٹا کر کچھ روز کوئٹہ میں نظو بند کیا اروا س کے بعد ملک بدر کر دیا گیا۔

انقلاب کے کچھ عرصہ بعد جنرل ایوب ھنے پریس کانفرنس کے دوران ہندو پاکستان تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر چہ ان کی و پری کوشش یہی ہوگی کہ ہندوستان کے ساتھ تعلقات بہر ہوں کسشمیر اور نہری پانی جیسے مسائل پر امن طریقے سے حل ہو جائیں تاہم اگر پاکستان کو دور سے ذرائع اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کی مکمل ذمہ داری بھارت پر عائد ہوگی۔ جنرل ایوب نے اپنے بیان میں ہتہ ندوستان کی جگہ بھارت کا فلظ ہی استعال کیا جو اس کشیدہ فضا کی غمازی کرتا تھا جو اس وقت دونوں مما لک کے مابین قائم تھی ورنہ عام حالات میں بھارت کی جگہ ہندوستان ہی کا لفظ زیادہ مستعمل تھا۔

نہرو بھلا کیوں چوکنے والے تھے انہوں نے فوراً ہی ایوب کو جواب دیا اور جی بھر کے پاکستان میں فوجی قیادت کی مذمت کی انہوں نے فرمایا جس قسم کی کھلی اروبر ہنہ فوجی آمریت اس وقت پاکستانمیں قائم ہے اس کی نظریہ پوری دنیا میں نہیں ملتی اور محض یہی کہنے پر اکتفانہیں کیا بلکہ ساتھ ہی ان خطرات ارو خدشات کی طرف بھی اشارہ کیا جو اس قسم کے آمرانہ نظام میں مضمر ہوتے ہیں ایک اور موقع پر نہرو نے یہ بھی دھمکی دی کہ کشمیر کے لاف کوئی بھی جارحانہ قدم خود ہندوستان کے خلاف جارحانہ کاروائی کے مترادف ہوگا۔

بعد میں جنرل ایوب نے مصالحت آمیز لہجہ اختیار کیا مگر نہرو اپنی ضد پر قائم رہے 1959ء کے اوائل میں جنرل ایوب نے پانے قدم پورطرح جمائے تو ہندوستان کو انہوں نے روشنی کا پیغام دیا انوہں نے پاکستان کی طرف سے کسی قسم کیک جار۔حانہ کارروائی کے امکان کو یکسر رد کرتے ہئے کہا کہ آخر اس ققسم کے مسلح تصادم سے فریقن میں سے کسی کو بھی کیا حاصل

ہوگا پاسکتےان کا تعق ہے تو اس کی طرحف سے پہل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البہ اگر اس پر جارحیت مسلط کردی جائے تو پھر ارو بات ہے انہوں نے کہا کہ اگر پاکستان اور ہندوستان کے بنیادی اختلافات پرمن طریقے سے طے ہوجائیں تو پاکستان کو ہندوستان کے ساتھ باہمی تعاون اور اشتراک کے تعلقات قائم کرنے میں انتہائی خوشی ہوگی ابھی جنرل ایوب کے بیان کی بازگشت فضا میں گونج رہت تھی کہ چین نے تبت پر حملہ کردیا اور دلائی وہاں سے بھاگ کر ہندوستان آیا جہاں دلائی لامہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا یا اس پر چین بجا طور پر بہت برہم ہوا ارو پھر یہی سے چین اور ہندوستان کے تعلقات بگڑنا شروع ہوگئے باہمی طنز و تفریض کا سلسلہ روع ہوگیا جو بڑھتے بڑھتے کھلی جارحیت کی شکل اختیار کرگیا چین نے ہندسوتان پر الزام لگایا کہ اس نے دلائی امہ کو زبردستی روک رکھا ہے تا کہ اس کی موجود کو چین کے خلاف پراپیگنڈہ ے طور پر استعمال کرے چین نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہندوستان وہی کچھ کر رہے ہے جو ایسے حالات میں استعماری قوتیوں کرتی ہیں دلائی لامہ کے ساترے بیان اور اس کی ساری تقریریں خود ہندوستانی لکھتے ہیں اور چین کو ہدف تنقید بناتے ہیں ۔نہرو عادت اور معمول کے مطابق چینی الزامات پر سخت برہم ہوئے انہوں نے پے جواب میں سرد جنگ تک کی ترکیب استعمال کردی۔

تبت میں چینیوں کی پیش قدمی کے بعد جو صورتحال پیدا وئی پاکستان نے بھی اس کا پوری طرح نوٹس لا ی ارو اس کی روشنی میں ہندوستان کے اسھت پانے تعلقات پرنظر ثانی شروع کردی ایبوخان چوں کہ خالص فوجی تھے اس لئے انہوں نے اور ان کے تین نزدیک ترین شرکاء نے یعنی جنرل اعظم، جنرل شیخ اور جنرل برکی کی جو سب کے سب فوجی تھے خالص فوجی زاویہ نگاہ سے تبیت کی صورتحال اور برصغیر کی مجموعی سلامت کی فضا پر اس کے اثر کا جائزہ لیا اور فوراً اس نتیجے پر پنچے کے مستقبل میں شمال کی طرف سے کی جانے ولی کسی بھی جارحانہ کارروائی کے موثر مقابلے کے لئے رضوری ہے ہ ندوستان اور پاسکتان مشترکہ دفاع قائم کرنے کے امکانات کا جائزہ لیں ارو پھر کھل کر یہ بھی کہیں کہ بیرونی حملہ کی صروت میں ہندوستان ور پاسکتان مل کر اس کا مقابلہ کریں اسی سال گست میں ہندوستان کی شمال مشرقی سرحدا یجنی NEFA میں چینی اور ہندوستانی افواج کے درمیان پہلی جھڑپ کی خبر آئی جھڑپیں دراصل پہلے بہت ہوچکی تھیں مگر ہندوسان نے ان خبر کو

دبا دیا تھا اروااس طرح عام پبلک کواس کا علم نہیں وہا مگر استگ 1959ء میں لانگ چو کے مقام پر جھڑپ ہوئی اس کی نوعیت اتنی سنگین تھی کہ چھپائے نہیڈ چھپ سکتی تھی ارونہرو کو پارلیمن کے سامنے اس کا اعلان کرنا پڑااس میں یہ اعتراف بھی شامل تھا کہ شمال مشرقی سرحدی کشد یگی خطرناک حدتک بڑھتی جارہی ہے۔

نہرو کے اعلان کے صرف تین دن بعد اور ابو خان جواب فیلڈ مارشل بن چکے تھے کراچی سے ڈھا کہ جاتے ہوئے خاص طور پر دہلی کے پالم ایئر پورٹ پر نہرو سے ملاقات کے لئے ٹھرے اور بات چیت کے بدانہوں نے اپنے اس بیان کو دوہرایا جس میں انہوں نے شمال سے مشترکہ خطرے کا ذکر کیا تھا اروااس خطرے سے نمٹنے کے لئے مشترک دفاع کے قیام کی تجویز پیش کی صدرایوب نے اپنے اخبارای بیان میں کہا میری گزارش یہ ہے رہ ماضی میں جو ہوا سو ہوا اب وقت آ گیا ہے ہم اپنے تعلقات اچھے پڑوسیوں جیسے بنائیں اور انہیں عقل وشعور کی بنیاد پر استوار کریں بحیثیت ایک فوج یکے مجھے ایک بڑا خطرہ نظر آرہا ہے اور وہ یہے ہ اگر ہم یونی آپس میں لڑتے رہے اور اپنے معاملات ومسائل کو نہ سلجھا سکے تو بری طرح مار کھائیں گے تاریخ شاہد ہے کہ ہم برصغیر والوں نے ہمیشہ اسی طرح شکت کھا ییے ۔

ایوب خان کی پش کش کا نہرو نے پنے خاص روکھے رویے اور طنزیہ نداز میں یوں جواب دیا کہ جب لوگ ایک مشترکہ دفاع کی بات کرتے ہیں تو یہ بھی تو بتائیں کہ دشمن کون ہے یہ دفاع کس کے خلاف وہگا اوبس یہی مشترکہ دفاع کی بات چیت ہوگئی اور ایوب خان اپنا سامنہ لے کر رہ گئے ۔

ہندو چین کی 1962 کی جھڑپ اور پاکستان

فیلڈ مارشل ایوب خان کی شمال سے حملہ کے خلاف ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کی پیش کش نہ صرف خالص فوجی نکتہ نگاہ سے ناقص لکہ بڑی ح تک اس ابولجمی کا مظہر تھی جو ہندو پاک تعلقات کا خاصہ رہی ہے یعنی ابھی تو ہندی اپکساتنی بھائی بھائی کے نعرکے بلند ہرہے ہیں اور ابھی طل جنگ پر تھاپ پڑنا شروع ہوگئی ذرا تصور کریں کہ اگراس قسم کا معاہدہ ہندوستان کے ساتھ ہو جاتا تو پھر پاک چین دوستی کا کیا بناا نومبر 1962ء میں شمال مشرقی سرحد پرچین اور ہندوستان کے مابین جوآمنا سامنا وہااس میں پاکستان کا کیا رویہ رہتا اگرمشترکہ دفاع کی پیش کش مسئلہ کشمیرکو پاسکتان کغےحق میں کرنے کی محض ایک چال تھی تو یہ فیلڈ مارشل ایوب خان یک بھول تھی وہ سیاست میں بالکل نوارد تھےاوران کا مقابلہ نہرواورکرشنامینن جیسے تجربہ کارلوگوں سے تھا یہ دونوں کے درمیان سیاسی شطرنج کے مشتاق کھلاڑی تھےاورشہ پڑجانے کے بعد بھی اپنے لئے کوءنہ کوئی راستہ نکال لینے کےاوصاف کے حامل تھے۔

فیلڈ مارشل کو یہ خوش فہمی تھی کہ اقتدار پر قبضہ جمانے کے بعد جس طرح ودان کے ملک میں ان کی ہر بات کی پیذ رائی ہوئی ان کےؔ ے ایک ایک اندز کوسراہا گیا اسی طرح بیرون ملک بھی ہان کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا ظاہر ہے یہ ناممکن تھاارونہرو کے صرف ایک فقرے یعنی Defence Agaistation نے ایوب خان کی ساری سوچ ارومنصوبہ بندی کوختم کرکےکے رجھ دیا او بہرحال یہ بہتر ہی ہوا کیوں کہ اگر کہیں واقعی ہندو پاکستان کا مشترکہ فاع ہوجاتا تو پھر خود پاکستان کا کیا بنتا؟ باالفاظ دیگر کیا اس قسم کی کوئی دفاعی منصوب بندی خود پاکستان کےمنفرداورعلیحدہ تشخص کومعرض خطر میں ڈالنے کاموجب نہیں بن سکتی تھی۔

یہاں میں ایک نکتہ کی وضاحت کرتا چلوں تا کہ میرے اس بیان سے کسی قسم کی غیرضروری

الجھن نہ پدا ہوراور ہہ یہ کہ مشترکہ دفاک کے منصبہ کا مطلب ایوب خان تے آزدیک خواہ چھ ہی کیوں ہولکین اس ماطلب عام تو پرتو یہی ہوتا ہے کہ دونوں ملکوں کیں مشترکہ اسلح افواج ہوں ایک مشترکہ کمان کے تحت دونوں کی مشترکہ منصبہ بندوہ یکساں معیار کا اعلی نظم ہوارو پھرپینی طور پردشمن بھی مشرتک ہوخواہ وہ ایک ہو یا ایسے سے زیادہ ایسی صورت میں ایوب خن کی تجویز پاسکتان کے اس بنیادی تصور کے سراسر منافی تھی جس پراس کے منفرد اورایوب خان کیی تجویز پاسکتان کے اس بنیادی تصور کے سراسر منفای تھی جس پرس کے منفرد ارو جداگانہ تشخص کی ااس ہے اورصرف محض آج کے خصوصی حالات ہی نہیں بلکہ آئندہ بھی کسی وقت ایسی کسی تجویز کا پاکستان کی جانب سے پیش کیا جانا قطعی طور پر پاکستان کے منفرد ارو جداگانہ تشخص کو مجروع کرنے ک مترادف ہوگا خواہ اسوقت دونوں مما لک کے باہمی اختلافات کتنے ہی کم کیوں نہ ہوجائیں ایسے دونوں کے درمیان کسب بھی وقت مختلف معاملے میں ایک سے زائد سطحوں پر سمجھوتہ تو ہوسکتا ہے حتی کہ باہمی دوستی اوخیر سگال یکے جذبات کے اظہار کے طور پر عدم جارحیت کے عہدو پیمان بھی کیئے جاسکتے ہیں ان باتوں سے پاکستان کے منفرد اور جدانگانہ تشخص پرکوئی آنچ نہیں اتی لکین مشرک دفاع اور عدم جارحیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایوب خان کی مشترکہ دفاک کی پیش کش جب ایک گیلی پھلجڑی کی طرح بالکل بجھ کررہ گئی تو دیگر معاملات بھی یکدم تعطل کا شکار ہوتے نظر آئے مگراسی اثناء میں ایک انہتائی اہم پیش رفت ہوئی۔ 19 کو نہرواورایوب نے دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے بارغے میں Indus Water Traty پر دستخط کیئے اورویوں ایک اہم مسئلہ انہتائی خوش اسلوبی سے طے ہوگیا البتہ فساد کیی جڑ یعنی مسئلہ کشمیر جوں کا توں رہا نہروایوب مذاکرات میں اس کا مفصل ذکر ہوا مگراس کے بعد جومشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں اس امر کا واضح اعتراف کیا گیا کہ یہ ایک مشکل مسئلہ ے اوراس کا ہر پہلے محتاط غوروفکرا کا طالب ہے صدر ایوب اوروزیراعظم نہرونے اصورلی طرورپ اس امرسے اتفاق رائے کیا کہ مسئلہ ے تسلی بخش حل ک لئے اس پرمزید غوروفکر کیا جائے بالفاظ دیگر مسئلہ کی متنازعہ نوعیت کو اصولی طور پر ایک بار پھر تسلیم کرلیا گیا اور ادغام کی اطرف طرف کاروائی کے باوجود ہندوستان سے مذاکرات کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند نہیں کیا یگا۔

مگراس کے فوراً بعد دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات میں ایک بار پھر تعطل کی کیفیت

کیا تھا وہ ہندو پاکستان کے سربراہان حکومت سے ذاتی طور پر واقف تھے ارو بحثییت ملک غیر سیاسی اور اختلافی صخشصیت کےان سے پروے طور پر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اس مسئلہ کا بھی مناسب حل نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گےلیکن حسب سابق پاکستان نے تو صدر کینڈی کا پیش کش فوراًہی منظور کر لی مگر نہرو اپنی ضد پر اڑے رے اورانہوں نے کہا کہ ثالثی کے اصول کوتسلیم کرنا اپنی خودمختاری کا فیصلہ کسی تیسرے فریق پر چھوڑ دینے کے متادی ہوگا یہ وہی نہرو تھے جنہوں نے 1958ء میں مشرقی پاکستان میچ دند مقامات پر سرحدو کے تیعن کے معاملے کوثالت کے سپرد کرنے کا مشورہ دیا تھا بیرونی باری یونی یہ ہلاقہ قاپکساتنی حدود میں تا ارواس پر ہندوستان نے زبرؔدستی قبضہ جما لیا تھا پر ہندوستان کا ہمیشہ یہی موقف رہا کہ اس کا تصفیہ کسی تیسرے فریق کے حوالے کردیا جائے گا مگر ادھر تو ہمیشہ کچھ یہی دستور رہا ہے آپ وٹھے تو ہم مان گئے اور آپ مان گئے تو ہم روٹھ گئے بوالعجی یافریت کا یہی وہ عنصر ہے جو ہندو پاک دوستی میں سدارا بنا ہاہغے سایر بات دراصل باہمی اعتماد یا عدم اعتماد کی ہے اور جب عدم اعتماد کا عنصر اعمتاد کے عنصر پر غالب رہے گا تو یونی ہوتا رہے گا۔نومبر 1962 میں NEFA یعنی ہندوستان کی شمالی مشرقی سرحد پر ہندوستانور چین کے مابین جھڑپ ہوئی ہر چند کے یہ ایک محض سرحدی جھڑپ تھی جیے 1965 میں رن کچھ کی جھڑپ مگر ہندوساتن ے اس کوایسا اچھالا کہ جیسے واقعی چین ک ساتھ باقاعدہ جنگ چھڑ گئی ہواوراس کے ساتھ ہی پوری جنوبی ایشیائاو جنوب مشرقی ایشاء میں مغربی طرز کی جمہوریت کا حال ارو مستقبل خطرے میں پڑ گیا وعالمی سطح پر ہندوستان کی ایسی کامیاب پراپیگنڈہ مہم کا اثر مغربی قوتوں یعنی امریکہ برطانیہ پروہی وہا جس کی توقع کی جاسکتی تھی اور یہ دونوں مما لک پوری طرح ہندوستان کی مددکؔو آ پہنچے حالانکہ اب ایسے تارخیی شہادہد سامنےآ ئے یہں جن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ پورا شوشہ ہی ہندوستان نے ایک سوچے بچے منصوے کے مطابق اٹھایا تھا جس کے دو بڑے مقاصڈ تھے اول یہ کہ مغربی قوتوں کا خاص کرامریکیک کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی جاسکے اوراس طرح ان عسکری ارو اقتصادی امداد سے پوری طرچ بہرہ مند ہوا جاسکے دوئم یہ کہ ہنوستان افواج جو داخلی فتوحات یسے جونا گڑھ، دیرآباد، گواوغیرہ کی ضرورت سے زیادہ

ہوتی جاری تھی ان کو ایک اصل جنگ کا موقع فراہم کرنا تھا کہ ان کی پیش وارانہ صلاحیت صحیح معنموں میں اجاگر ہوسکے ارو باقاعدہ جنگ اور پولیس ایکشن میں امتیاز قائم ہوسکے کم وبیش انہی خیالات میں اظہار نیول میکس ویل نے اپنی کتاب ؔ میں کیا ہے۔

چین ہندوستان سرحد پر جھوڑوں کا آغاز 1965ء کیے پہلے ہفتے میں اس وتق ہوا جب تھا گلاج کو پار کرکے ہندوستان کی ایک چوکی ڈھونؔ کے لئے خطرہ پیدا ہوگیا تاہم تھوڑی بہت گزرما گرمی کے بعد معماملہ وہیں رک کررہ گیا ہوسکتا تھا کہ وہیں ختم بھی ہوجاتا مگر نہرو بھلا کہاں خاموش رہنے والے تھے انہیں اپنی سیاسی حکمت علمی ارو سمجھ بوجھ پر بڑا ناز تھا ارو مسلح طاقت پر بڑا گھمنڈ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی افواج کے لئے ایک اصل اور باقاعدہ جنگ کا موقع بھی فراہم کرنا چاہتے تھے چانچہ 12 اکتوبر کو لوک سبھا می تقرر کرتے ہوئۃ ے انہوں نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ وہ بھارتی علاقہ سے چنیوں کو باہر نکال کریں اور اس طرح طبل جنگ پر تھاپ پڑ گئی۔

دو اکتوبر کو چینی افواج نے سرحد کے مشرقی اور مغربی جانب زبردست جوابی حملہ کردیا ارو دیکھنے ہی دیکھنے ہندوستان افواج کو شرمنا پسپائی پر مؔ بور کردیا یہ تمام کاروائی اتنی بھرپور ارو فیلہ کن تھی کہ ہندوستانی فوجوں کو سنبھلنے کا موقع تک نہیں ملا اروان کے پیر ایسے اجھڑے کہ پھرانروں نے تیز پور آسام ہی میں آ کر دم لیا چینیوں نے کوئی چار ہزار ہندوستانی فوجی کو قیدی بنالیا اس کے برعکس ہندوستان کے ہاتھ ایک بھی چینی سپاہی نیہں لگا اکیس نومبر کو چعینیوں نے یک طرفہ فائر بند کا فیصلہ کیا جس ک ینفاذ کے فوری بعد جنگی کارروائی بند ہوگ ئی ہندوستان افواج میں اب اتنی بھی سکت نہ تھی کہ وہ کسی قسم کی پیش قدمی یا پیش رفت کے ابرے میں سوچ بھی سکیں چناچہ وہ جنگ جس کا آعغاز انہوں نے کیا تھا وہ ان کے دشمن کی اعلیٰ حربی حکمت عملی ارو منصوبہ بندی کے مطابق اپنے انام کو پہنچی اور اطرح ایک معمولی جھڑپ یاک عظیم تباہی کا پش خیمہ بگ گئی جھڑپ ایک خالص جنگی کارروائی ہوتی ہے ایک محدود مقصد کی تحصیل کے لئے جو ایک خاص محاذ پر فتح یا ایک خاص علاہ کی تحفیصل تک محدود ہوتا ہے جبک کہ کاروائی ایک اعلیٰ اور مکمل اور ہمہ گیر منصوب ہوتی ہے جس کے

تحت چھوٹی بڑی کارروائیاں کی جات ہیں اور جن کا مقص محض ایک خالص محاذ پر فتح نہیں بلکہ پوری جنگ میں فتح حاصل کرنا ہوتا ہے اور یہاں مینن اونہرو دونوں ہی مات کھا گئے وہ اپنی فوج کو جھنجھوڑ نا ضرور چاہتے تھے مگر اتنی بڑی قیمت پر نہیں انہیں گمان تک نہ تھا کہ ان کا یہ حشر ہوگا ارو وہ ایک المناک تصویر یا مجسمہ عبرت بن جائیں گے۔

اب اسے پاکساتن کی شرافت سمجھے یا بھولا پن یہ نہ ہی ہچکچاہٹ اور کمزوری کہ اس نے حالات سے فادہٗ اٹھانے کی ذراب بھی کوشش نہیں کی ہندوشتانی اب تو خیر جو چاہیں سو کہیں مگر اس وقت ان کی حالت اتنی غیر ہو چکی تھی کہ خود نہرو کو جنوبی افریقا ارو پرتگال کے علاوہ دنیا کے تمام مما لک سے امداد وتعوان کی انتہاءی دردمندانہ اپیل کرنا پڑی۔ یہ وہی نرو تھے جنہوں نے صرف ایک ماہ پیشتر اپنی افواج کو حکم دیا تھا کہ وہ چینیوں کو ہندوستانی علاقے سے نکال باہر کریں اور جن کے وزیر دفاع کرشنا مینن نے ناعلان کیا تھا کہ ان کا ملک تہیہ کئے ہوئے کہ وہ اس وقت تک چین سغے نہیں بیٹھے گا جب تک ایک ایک چیتنی کو نکۃال کر باہر نہیں کردے گا ارو آخری سپاہی اور آخری گولی تک لڑ گا خواہ اس میں ایک دن لگے خواہ سو دن خواہ ایک غزار دن مگر اب وزیراظع ہندوستان پوری دڈنیا سے امداد اور دوستی وتعاون کی اتا کر رہے تھے پاکستان اگر چاہتا تو اس وقت تک کشمیر میں باقاعدہ جنگی کاروائی نہ تہی تو کم ازکم 1965ء کے حیرالٹی قسم کی چھاپہ مار کارروائیاں ضرور کرسکتا تھا اس وقت کشمیوں کے حصولے بلند تھے ارو امکان غالب تھا کہ ایسی موافق صورتحال میں وہ اپکستان چھاپہ ماروں کا پروی طرح ساتھ دیتے مگر کارروائی تو کیا پاکستان نے کارروائی کی دھمکی تک نہ دی جو خود ایک اسٹریٹجک غلطب تھی اب ہندوستانی ضور کہہ سکتے تھے کہ بلکہ کہتے ہیں کہ اگر پاکستان اس سم کی کوئی بھی کارروائی کرتا تو ہندوستان افواج کے صورتحال سے نبٹنے کے لئے بالکل تیار پا تا ارو بعینہ یہی بات مسٹر کے برانیم نے میرے ایک بیان کے جوابمیں امریکی یونیورسٹی کے ایک حالیہ سیمیار نے دوران کہی بھی مگر یہ سب بعد کی باتیں تھیں حقیقت یہ ہے کہ اگر مسئلہ کشمیر کا فوجی حل ہی منظور تھا تو پھر اس کے حصول کے لئے اس سے بہتر موقع ہو ہی نہیں سکتا تھا عام خیال یہ ہیکہ سب کچدھ پاکستان کے سب سے بڑے عسکری حلیف امریکہ کے ہی اشارے پر ہوا ارو یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے تاہم اگر یہ بات ٹھیک بھی ہے تو سوال پیدا وہتا ہے ہ آخر اسے پاکستان

کو حاصل کیا ہاو۔ 1962 میں کشمیر میں کچھ نہ کرنے کا غم آج تک ہمارے دل میں ہیج اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور چین مسلح تصادم کے نتیجہ میں خود امریکا اور پاکستان کے تعلقات میں جو بگاڑ پیدا وہا اور شیشہ میں بال آیا وہ آج تک نہ جا سکا نہرو نے اپنی اپنیل میں فلسفیانہ اور دانشورانہ انداز اختیار کیا جوان کی تحریرو تقریر کا خاصا تھا اروا اس طرح انہوں نے دو پڑوس ملکوں کے درمیان ایک معمولی ہی سرحدی جھڑپ کو معرکہ حق و باطل بنادیا انہوں نے تمام دنیا سے کہا کہ اب بین الاقوامی برادری کو اس امر کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ باہمی تعلقات میں ڈنڈا تو چلے گا پر امن تۃصفیہ کے اصول کو پانا یا جائے گا انہوں نے علان کیا کہ چین کے خلاف ہندوستان کی جوجدہ تمام دنیا سے دھوکہ فریب کے خلاف جہاد ہے وغیرہ وغیرہ نہرو کی پرزور اپیل کا خاطرخواہ اثر ہوا برطانیہ تو فوراً ہی ہندوستان کی مدد کو دوڑا اور دنگ شروع ہونے کے ایک ہفتہ کے اندر اندر رائل ایئر فورس کے دو مال بردار جہاز اسلحہ سے لدے ہوئے ہندوستان پہنچ گئے ان کے کوئی پہندرہ دن بعد یعینی نومیر کے وسطے تک فوجی سامان سے بھرے ہیئے بحری جہاز پہنچنے شروع ہو گئے اور اس طرح پہلی بار برصغیر مغربی اقوام کی حربی کرم فرمائیوں کی آماجگاہ بن گیا ہندوستان نے سی پر اکتبفا نہیں کیا بلکہ تھوڑے ہی دن بعد امریکہ کے ساتھ باقاعدہ فو یک تعلق اور اشتراک کی پیش کش کی جو محض اصول یا نظریاتی اشرتاک پر ختم نہں ہوجاتی تھی بکلہ اس کے عقب میں اسلحہ کی فراہمی دفاعی امور میں باہمی مشاورت کا باہمی خطرات کا تعین وغیرہ وہ تمام عناصر شامل تھے جو بالعموم ایک باقاعدہ فوجی معاودوں میں شامل ہوتے ہیں۔

اس قوت ہندوستان میں اقتصادیات کے مشہر و عالم او ماہر دانشرو اور مصنف TK galbrath امریکی سفیر تھے انہوں نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب میں تو یہاں تک لکھا ہے ک ہہندوستان نے امیکہ سے نہ صرفجہازوں کی درخواست کی بلکہ امیکی ہوابازوں کو بھی مانگا اور اس طرح اپنی غیرجانبدار حکمت عملی میں ضروری ترمیم کرلی یونائٹڈ اسٹیٹس ایئرفورس کے ہوابازوں کو ہندوستان باربرداری اروکک رسانی کے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا تاکہ خود اس کے ہوابازوں پر بوجھ ہلکا ہوجائے اور وہ اپنی پوری توجہ جنگی کاروائیوں پر

مذکور کرسکیں تاہم منزل اور مقصد چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو مشن فضا میں میں مقابلہ کا ہو یا بمبار اور دیکھ بھال جاسوسی یا خالص مار بادری اور کک رسائی کا سب جنگی کارروئی میں شامل ہیں اور حالت جنء میں ان کی انجام دہی میں کسی بھی بیرونی قوت کا عمل دخل نہ صرف ناوابستگی کے برعکس بلکہ قومی خوذ دمختاری اوغیرت کے تقاضوں کے بھی منافی ہوتا ہے۔مگر ہندوستان نے پہلی ہی فوجی ناکامیابی کے بعد یہ سب کچھ کیا۔

پاکستان کو اس امر کا سخت ملال تھا کہ معاہدہ بغداد اور سیٹو میں ساتھ ہوتے ہوئے بھی امرکیہ نے ہندوستان کو فراہمی اسلحہ کے بارے میں پاکسان سے رسمی مشورے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی پاکستان تو ہر معاملہ میں دستوی اور باہمی تعاون کے تقاضوں کے عین مطابق امؐریکہ ارومغربی قوتوں کا ساتھ دیتا رہا مگر امریکہ کا رویہ اس کے برعکس رہا مانا کہ امریکہ کی خارجہ حکمت عملی کسی بھی دوسرے ملک خواہ وہ اس کاب سے بڑا حلیف پاکستان ہی کیوں نہ ہو کے تابع نہیں ہوسکتی پھر بھی باہمی دلچپسی کے امور میں مشاورت کی ضروتر اور اہمیت کو تو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیا یہ حقیقت نہ تھی کہ ہندوستان کو یوں بے دریغ فراہمی اسلحہ کے بعد خود برصغیر کا حربی توازن جو پہلے ہی ہندوستان کے حق میں تھا بالکل درہم برہم ہوکر رہ گیا تھا کیا یہ حقیقت نہ تھی کہ برصغیر میں امریکی اثر ورسوخ میں اچانک اضافہ کے نتیجے میں چین کے ساتھ ساتھ روس کا عمل دخل بڑھ جانے کا بھی پورا اچتمال تھا؟ اوراس کے نتیجہ میں چین کے ساتھ ساتھ روس کا علم دخل بڑھ جانے کا بھی پورا احتمال تھا اوراس کے تنیجہ میں عالمی سطح پر امریکہ اورروس کی سرد جنگ سردتر اور شدیر تر ہنے لگی تھی۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس نے امریکہ اور برطانیہ اورروس تینوں ہی سے جی بھر کے فائدہ اٹھایا ایک طرف امریکہ سے C-130 بار بردار طیارے اور پائلٹ حاصل کئے ارودوسری طرف پہلی بار روس سے آواز سے زیادہ تیز رفتار MIG-124 جہازوں کی فراہمی اروانہیں مقامی طور پر اسمبلی کرنے اورمکمل طوررپ بنانے کا سودا کیا۔

ہندوستان کو بھیجے جانے والے نامزد امریکی سفر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ امریکہ ہندوسان کو فوجی مدد دینے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔اب یہ ہندوستان پر منحصر ہے کہ وہ کتنا چاہتا ہے اروکس مصرف میں لاسکتا ہے یہ چیسٹر باؤلزہی

تھے جنہوں نے پاسکان کو امریکی فوجی امداد کی سخت مخالفت کی تھی ارو کہا تھا کہ یہاں کہاں کی دانشمندی ہے کہ چھتیس کروڑ ہندوستان کے بدلغ ہم صرف آٹھ کروڑ و پاکستانیوں کا ساتھ دیں جسٹر باؤلز جو اپنی بھارت نوازی کے لئے مشہر و تھےؔ دو بار نئی دہلی میں امریکی سفیر کی حیثیت سے آئے دوسری بار 1963 میں وہ نئی دہلی میں نہ صرف اپنے ملک کے سفیر تھے بلکہ ہندوستان کے سب سے بڑے ہمدرد اور ترجمان بھی تھے۔

پاک امریکہ تعلقات میں سرد مہری

ہندوستان اور چین کے مابین جو سرحد کنگ 20 اکتورب 1964ء کو چھڑی تھی، وہ چین کی طرف سے یکطرفہ بائز بند کے بعد اکتیس اکتور کو ختم ہوگئی ہندوستانی افواج کے حوصلے اتنے پست ہو چکے تھے کہ اگر ان کی حکومت جنگ جاری رکھنے افیصلہ بھی کرتی تو بھی ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس مختصر جنگ میں ہندوستان کو سیاسی اورفوجی ہر دو سطح پر ہزیمت اٹھانی پڑی اونہ رواور مینن کا یہ دعوی اروااعلان کہ وہ چینیوں کو پانی سرزمین سے باہر نکال کر ہی دھم لیں گے خواہ انہیں ایک دن لے یا سودن یا ہزاردن یونہی دھرا کا دھرا رہ گیا اروان کے سرنیاز امریکہ کے سامنے جھک گئے امریکی اروطرانیہ تو جیسے اس موقع کے انتظار میں ہی تھے چنانچہ جیسے ہی نہرو نے ان سے مدد کی اپیل کی وہ فوراً دوڑے دوڑے آئے۔

فائز بند کے فرواًبعد امریکہ کے ایورل ہیری مین فوجی ارودیگر ماہرین کی ایک پوری ٹیم سمیت، الات کا جائزہ لینے کے لئے ہندوستان پہنچ گئے اس کے دوہی روز بعد برطانوی وزیردافع ڈنکن سینڈز اپنی سرکردگی میں ایک اسی قسم کا وفد لے کر پہنچ گئے اس کے کئوی تین ہفتے کے بعد دسمبر میں امیریک صدری کینیڈ اور برطانوی وزیراعظم ہیرولڈ میکمین کی ملاقات ہوءیانہوں نے ہنگامی بنیادوں پر ہندوستن کو ہرفوجی اور مالی مدد پہنچانے افیصلہ کیا اس ضمن میں دوطرح کے منصوبے بنائے گئے ایک فو کی نوعیت کا دوسرا طعیل المعیاد مغربی قوتوں کو یقین ہو چلا تھا کہ اب ہندوتان ان کے چنگل سے باہر نہیں نکل سکے گا چنانچہ انہوں نے سفارتی سطح پر اس کی خاطرداری اروفوجی شعبہ میں مکمل امادمیں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی۔ 1932ء کے وسط میں کینیڈی اومیکمین کی دوسری ملاقات انگلستان می ہوئی جس کے دوران ہندوستان کی طویل المعیادفوجی ضروریات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کو فوجی

امداد نہ صرف جاری رکھی جائے گی بلکہ اس میں مزید اضافہ کیا جاتا رہے گا اس کے دفاعی نظام کو اتنا مستحکم بنادای جائے گا کہ وہ اشتا کی چین کی طرف سے ہر خطرے کا مبلہ کر سکے ادھر بیرونی امداد کا زور ہوا ادھر ہندوستان نے پنی فوجی قوت میں زبردست اضافہ کرنا شروع کر دیا ہندوستان کے وزیر دفاع دائی بی چاوان نے فوج کو دوگنا کرنے کے فیصلے کا اعلان کیا اس کے بعد 1964 میں ہندوستان نے اپنی مسلسل پنج سال ددفاعی پالن کو مرتب کیا اور اس کے لئے پانچ ہزار کروڑ روپے کی رقم مختس میں جس میں چھ سو پچاس کروڑ روپے کا زرمبادلہ بھی شامل تھا اطرح ہندوستان کو نہ صرف چین کے خلاف دفاعی منصوبہ بندی کنے کا ایک نادر موقع ملا گیا بلکہ پہلی بار یہ شوی بھی ہوا کہ وہ جلد از الد ایک علاقائی عسکری قوت بن کرا بھرے اور اپنی فوجی قوت کے بل بوتے پر پڑوسی مما لک سے باہمی تعلقات برابری کی سطح کی بجائے برتری کی سطح پر قائم کر سکے۔ امریکہ اروطرانیہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان نے روس کا بھی بھرپور تعاون حاصل کیا اور پوری توجہ فوجی منصوبہ بندی پر مبذول کر دی ظاہر ہے پاکستان کے لئے یہ صورتحال کسی طرح بھی تشفی بخش نہیں ہو سکتی تھی امریکہ کی دوستی یا دباؤ میں کشمیر کے فوجی حل کے لئے پاکستان ایک بہترین موقع تو پہلے ہی گنوا چکا تھا اب بجز صبر وتحمل اس کے پاس چارہ ہی کیا تھا اطراف عالم سے دھڑا دھڑا ہتھیار ہندوستان پہنتے رہے اور پاکساتن خاموش تماشائی بنا ییہ سب کھ دیکھتا رہا۔ امریکہ سے جب ہندسوتان کی اسلحہ بندی سے متلق دبے لفظوں میں شکایت کی تو اس کا سخت جواب ملا۔

اس کا انندازہ خود مجھے ایک ایسے واقعہ سے وا جو میرے سامنے پیش آیا 1962ء کے آخر میں ہنری کینجر پاکستان تشریف لائے وہ اس وقت امریکی نیشنل سیکورٹی کونسل کے سربراہ تھے کراچی، اسلام آباد کے علاوہ کینجر ایئر ہیڈ کوارٹر پشاور بھی تشریف لے گئے میں اس وقت اسکواڈتن لیڈر کے عہدہ پر بحثیت افسر تعقات عامہ وہیں متعین تھا ایئر ہیڈ کوارٹر میں کینجر نے ہم سے خطاب کیا اور اپنی تقریر میں ہندوستان کے ساتھ اپنے ملک کے روز افزوں تعلقات خاص کر اس کی بھرپور فوجی امداد پر روشنی ڈالی جہاں تک مجھے یاد ہے ان کی تقریر کا لب لباب یہ تھا کہ اگر اس وقت ہندوستان کی بھرپور مدد نہ کی جائے تو پورے برصغیر کے لئے چین کا خطرہ بڑھ جائے گا اور اس طرح دنیا کا سب سے بڑا جمہری ملک یوعنی ہندسوتان چینی

اشتراکیت کےتوسیع پسندانہ عزائم کا شکار ہوجائے گا وقفہ سوالات کے دروان سامعین میں سے کسی صاحب غالبًا برادم تجمل حسین صاحب جواس قوت ایئرفورس کے مشیر مالیات تھے نے ایک سوال میں جب اس خطرے کیی نشاندہی کی جو پاسکتن کوفوجی لحاظ سے ایک مضبوط تر ہندوستان کی طرف سے لاحق ہوسکتا تھا تو کیسجز سخت برہم ہوئے اورانھس نے انتہائی تلخ لہجے میں جواب دیا کہ امریکہ آخرایک آزاداورخومختار ملک ہےاورواسے پوراانخیار رہےک ہووہ اپنے عظمی مدمی جس قسم کی خارجہ عملی چاہےاختیار کرے میرےؔ خیال میں یہ پہلاموقع تھا جب ایئر ہیڈکوارٹر میں امریکہ کے سلسلے میں واضح طور پر مایوسی کا اظہار کیا گیا حالانکہ مسلح افواج میں پاکستان یائرفورس تربیت ارواسلحہ کی نوعیت کے اعتبار سے امریکہ سے قریب ترین تھی ارواس وقت تک پشارو کےقریب بڈھابیر کے مقام پرامریکہ کانشریاتی بیس بھی تھا۔

تاہم پاکستان نے معاملہ بہت آگے نہیں بڑھایا اور عافی حقیقت پسندی سے کام لیا جنزوی 1963ء کے آغایں البتہ صدرایوب نے صدرکینڈی کواکی مکتوب ارسال کیا جس میں انہوں نے امریکی صدر سے اس یقین دہانی کی درخاست کی ک ہندوستان کو جوفوجی امداد کی جارہی ہے اسے کسی طرح بھی مسئلہ کشمر کے پرامن حل پراثرانداز نہ ونے دیا جائے گا صدرایوب نے ساتھ ساتھ نہرو کوبھی یقین دلایا کہ پاکستان کوئی بھی ایسا پدنہیں اٹھائے گا جس کے تنیجہ میں ہندوستان کی فوجی صورتحال مزید بگڑ جائے مزید برآں انو ہنے نے یہ یقین دلانے کی کوشش بھی کی کہ اگر ہندوستان چاہےتو پاکستانؔ اپنی افواج ہندوستان کی سرحدوں سے ہٹا کرچینی سرحد پر لے جانے کے لئے بھی تار ہوسکتا ہےایوب خان کی اس وقت کی پالیسی سراسرحقیقت پسندی کے تقاضے پرمبنی ہوسوال یہ پیداوہتا ہے ہ آخرکس قسم کی حقیقت پسندی؟ اگراس سے مرادفوجی سعبہ میں کمزوری اروکمتری تو پھراس وقت اس امن پسند حکمت عملی کواس کے منطبق نتجیے تے جانے سے کویں روکا کیگا اوردوستی اروبقائے باہمی کی ایسی فضا کیوں پیدانہیں کی گئی جس کے بعد آئندہ کےتمام جھگڑے بالخصوص 1965ء کی جنگ کے امکانات نہ ہونے کے برابررہ اتے مزید برآں اگران کا مقصد صرف امریکی خوشنودی حال کرنا تھا تو کیا ہمیں اس مقصد میں ذرا بھی کامیابی حاصل ہوئی بلکہ امریکہ سے تعلقات بجائےسنبھلنے کے بگڑتے ہی چلے گئے۔

میری اپنی رائے میں ہچکچاہٹ کی اس حکمت علیم میں دیگرعوام لےسزیادہ خودایوب خان

کی اپنی قوت فیصلہ میں کمی یا امریکہ کے ساتھ ان کی حد سے بڑھی ہوئی مروت جیسے عناصر بھی شامل تھے ایوب خان نہایت بارعب شخصیت کے مالک تھے مگر خارجہ امور میں ان کی قوت فیصلہ انکے عہدے اور آمرانہ اختیارات کے مطابق نہیں تھی اس کا تکلیف دہ مظاہرہ ہم نے 1965ء کی جنگ کے دوران دیکھا جب وہ ایک اعظافی کھنڈر بن کر رہ گئے تھے اور بحثیت ایک فیلڈ مارشل اور مسلح افواج کے سپریم کماڈر کے وہ جرات وعزم نہ دکھا سکے جو کسی جنگ کو بڑی فتح سے ہمکنار کرے کے لئے ضروی ہوتے ہیں امریکہ کے ہیری مین اور برطانیہ کے ڈنکن سینڈز کی نہرو سے مذاکرات اا تنا اثر ضرور ہوا کہ چین کے ساتھ فائند بندی کے تقریباً ایک ہفتہ بعد ہی نہرو نے مسئلہ کشمیر پر ازسرنو مذاکات کی ابتداء پر اتفاق کرلیا۔ انتیس نومبر 1962ء کو اسلام آباد اور کراچی سے ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں مذاکرات کے اعلان کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی توثیق کی گئی کہ فریقین مسئلہ کشمیر سمیت تمام متنازعہ فی امور کا منصفانہ اور آبرومندانہ حل تلاش کرنے کی پوری کوشش کریں گے سفارتی مسلحہؒ پر اس اعلامیہ کی اتنی اہمیت ضروری تھی کہ مسئلہ کشمیر جو ریاست میں نام نہاد انتخاب اور آئین ساز اسمبلی کے قیام کے بعد سے منجمد ہو کر رہ گیا تھا ذرا کی ذرا پگھلتا معلوم ہو مگر نتیجہ صفر ہی رہا اور جیسے ہی حلات سدھرے اور معمول پر آنے لگے ہندوستان نے پھر وہی پرانی موشگافیاں شروع کردیں۔

مذاکرات کا پہلا دور تو مشترکہ اعلامیہ کے اجراء کے فوراً بعد پنڈی میں شروع وہا تو اس میں ہندوستان کی نمائندگی اس وقت کے وزیر خارجہ سردار سورن سگنگھ نے کی تھی پاکستان کے نمائندے پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو تھے آئندہ پانچ چھ ماہ تک یہ مذاکرات باری باری نئی دہلی اور راولپنڈی میں منعقد ہوتے رہے آخر 16 مئی 1963ء کو دونوں وزرائے خارجہ نے بعد افسوس مذاکرات کی ناکامی کا علان کردیا مذاکرات کی کایابی تو شروع ہی سے مشکوک تھی کیوں کہ ہندوستان کسی طور پر اپنے طے شدہ موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھا اور اس کا ابھی تک یہ دعوی تھا کہ قانوناً کشمیر ہندوستان کی سرزمین کا حصہ ہے ار رہے گا اگر غور کیا جاسکتا ہے تو محض اس بات پر کہ موجودہ سیز فائر لان کو تھوڑے بہت رد و بدل کے بعد دونوں ممالک کے درماین بین الاقوامی سرحد کے طور پر تسلم کرلیا جائے اور اس طرح ہندوستان جب سابق اصول استصوب سے منرف ہی رہا حالانکہ ہندوستان نے خود یہ وعدہ کیا تھا اواس وعدے کے مطابق اقوام متحدہ کی 15 اگست 1948ء اور 5 جنزوی 1949ء کی قرارداد کا پابند تھا پھر نہرو

بوگرہ کا کشمیر میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام نگران اعلی کے تقرر کے متعلق منظور شدہ پرگرام بھیؒ تھا اور پھر 1962ء کا وہ مشتر کہ اعلامیہ بھی تھا جس میں کشمیر کی متنازعہ اہمیت کو پوری طرح تسلم کیا گیا تھا اور جس ک تحت بھٹو سورن سنگھ مذاکرات ہوئے ایورل ہیری مین کا وہ بیان بھی تھا جس میں انہوں نے مسئلہ کشمیر کو آزاد دنیا کا اہم ترین واحد مسئلہ قرار دیا تھا مگر ہندوستان تمام اصولوں، وعدوں اور اعلانات کو بالائے طاق رکھ کر بس اتنی رعایت دینے کو تیار تھا کہ لائن آف کنٹرول میں برائے نام ترمیم کے بعد موجود صورتحال کو تسلیم کرلیا جائے اور اس طر ہمیشہ کے لئے کشمر کا بٹوراہو جائے ارو وہاں کے رہنے والے اپنے حق خود ارادیت سے محروم ہو جائیں۔

ظاہر ہے پاکستان کو یہ موقف کسی طرح بھی منظور نہیں ہوسکتا تھا جھگڑا محض زمین کے بٹوارے کا تھوڑا ہی تھا جو بندر بانٹ سے طے پا ایا جاتا ارو وہ بھی کشمر یکی عوام کو اعتماد میں لئے بغیر کشمیریوں کے اصول خود ارادیت پر پا کا تنکسی قسم کا سمجھوتہ کرہی نہیں سکتا تھا پھر بھی اس نے اپنے موقف میں بڑی حد تک نرمی اختیار کرتے ہئے یہ پیش کش کی کہ اگر پورے کشمیر میں نہیں تو کم ازکم وادی کشمری میں استصواب کرالیا جائے وادی کی تقریبا نوے فیدص آباد مسلمانوں پر مشمتل تھی ارو ان کی اس سے بڑی حق تلفی ارو کیا ہو رسکتی تھی ان سے پوچھے قغیر انہیں ایک ہندو اکثریت کے ملک میں ضم کر کے ان کے ازاد وجود اور تشخص کو ہمیشہ ک لئے ختم کر دیا جائے پاکستان نے یہاں تک کہا کہ عرصہ پندرہ ماہ تک واندی کشمیر کو کسب یھ غیر جاندار ادارکے کے حوالے کردای جائے اور اس کے بعد استصواب کرادیا جائے پھر کشمیر جنے ارو کشمیر کے عوام وہ جو فیصلہ کریں گے فریقین کو منظور ہگا۔

بیان میں ایک ایسے امر کا ضرور ذکر کروں گا جو اصولی طور پر صحیح ہونیکے باوجود مصلحت تھا تقیر باً اسی وقت جب کشمیر پر ہندو پاک مذاکرت جاری تھے پاکساتن انور چین کے مابین بھی شمالی سرحد بندی کے سلسلہ میں مذاکرات ہورہے تھے واضح رہے کہ چین کے صوبے نکیا نگ اور پاکستان کے شمال یعاقہ گلگت سے ہنزہ عغیرہ کے درمیان تقریباً تین سومیل لمبی سرحد تھی جس کی اس وقت صورت طرح سرحد بنیدی نہیں ہوئی تھی 2 مارچ 1963ء کو پاک چین سرحدی معاہدے پر دستخط ہوئے اور اس کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا نہر وتو گویا ایسے موقع کے انتظار میں تھے انہیں کشمر یکی مذاکرات کو کٹھائی میں ڈالنے کے لئے بس ایک بہانہ چاہیئے

تھا جوسو وہ انہیں اس شکل میں مل گیا او انہوں نے فوراً ہی اعلان کر دیا کہ چین اور پاکستان کے درمیان سمجھوتے سے کشمیر مذاکرت کونقصان پہنچا ہے اس کے بعد کچھ اس طرح صورتحال پیدا ہوئی جیسے 1953ء میں فوجی امداد کے اعلان کے نتیجے میں ہوئی تھی عین اس وقت جب بوگرہ نہرو کو بڑھا بھائی کہہ کران سے محبت کی پینگیں بڑارہے تھے اواپریل 1954 تک ڈاکٹر فرنیک گراہم کشمیر میں بحثیت اقوام متحدہ کے نگران اعلی برائے استصواب اپنا عہدہ سنبھالنے والے تھے اروسابرے میں واضح اعلان بھی ہوگیا تھا اور مسئلہ کشمیراپنے حل کے قریب معلوم وہتا تھا۔

ہمیں تسلمی رنا ہوگا کہ مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں ہماری سفارتی حکمت علمی حقیقت پسندی سے کہیں زیادہ جوش خطابت اور ہنامی نوعیت کے اقدامات پر مبنی رہی ہم کشمیر کے فوری حل کے چکر میں ایک دوس اور جچی تلی حکمت عملی واضع نہیں کر سکے اور اس طرح ہم نے بار ہا ہندوستان کو ایسے مواقع فراہم کئے کہ وہ اپنی ہٹ دھرمی اور اصوولں سے انحراف کا جواز ہماری بے موقع غلطیوں کے سبب کامیابی سے ڈھونڈ سکے اس ایک ایک مثال ہماریاس شدید ردعمل میں ملتی ہے جو امریکہ کی ہندوستان نواز پالیسی کے خلاف ہمارے ہاں پیدا ہوا ہر چند کہ ردعمل اس قلبی تعلقات کے لحظ سے جو ہمارا امریکہ سے تھا بالکل فطری تھا مگر نپا تلا ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا بین القاوامی واقعات خواہ کتنے ہی دوستانہ اور قریبی کیوں ھنہ ہوں بہرحال اپنے اپنے قومی مفاد پر مبنی ہوتے ہیں اور اس میں تعلق قلبی کا سوال ہی پیدا نہیں وہتا ہم نے دیکھا کہ وقت آنے پر کس رح امریکہ نے تائیوں کا ساتھ دھوڑ کر عوامی چین کو تسلم کیا اووہ ین کے نظر کہ کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا ڈپلومیسی بہرحال ؒ ڈپولیمسی ہے اور اس میں جذبات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہندوستان کے حق میں امریکہ کی حمیت عملی کے خلاف ہمارے شدید ردعمل ک یتنچے میں ہندوستان کی طرف امریکی دور میں تو کوءفرق نہیں آیا لبتہ ہمارے ساتھ اس کے تعلقات میں ضرور خرابی پیدا ہگئی او آگے جا کر پتہ چلا کہ فجی امداد کے نام پر ہم نے جو کچھ بھی امریکہ سے کئی برس میں حاصل کیا اس سے دوگنا ہندوستان نے اقتصادی امداد کے تحت صرف ڈھائی برس میں حال کرلیا۔ ستمبر 1965ء کی جنگ شروع ہونے تک ہندوستان کو امریکہ سے چھ ارب الرکی اقتصادی امداد ملی بلکہ پاکستان کو پورے دس گیارہ سال یعنی 56 تا 65 کل تین ارب ڈالر کی امداد ملی تھی اس میں تقریباً نصف فوجی امداد کی شکل میں تھی اروبقیہ اقتصادی نوعیت کی

تھی ہندوستان کو جو فوجی امداد ملی اس کی کل مالیت دو ملین ڈالر تھی جس میں سے چوراسی پچاسی ملینڈ ڈالر اسلحے کے تھے اسی طرح پاکستان کو امریکہ کی طرف سے ہتھیار ضرور زیادہ ملے مگر ہندوستان کو اقتصادی امداد کی شکل میں سے مالی وسائل فراہم کئے گئے جس سے وہ امریکہ کے عاوہ بھی جہاں سے چاہے ہتھیار خرید سکتا تھا ارو ہندوستان نے ایسا ہی کیا اس کا سب سے بڑا فائدہ ہندوستان کو ہوا یہ کہ وہ فوجی امداد اور اس سے پیدا ہونے والی عسکری وابستگی کی تہمت سے بچ گیا دوسرے یہ کہ اسے فراہمی اسلحہ کے سلسں میں صرف ایک ذریعہ کا سہارا نہیں لیٹنا پڑا اس نے اپنے اسلحے نظام کو معایری بنانے کے لئے ساتھ اسھت میں تنوع بھی پدا کیا اسلحہ کی خریداری کے ساتھ ساتھ فنی تربیت اور تکنیکی واقفت کا بھی بندوبست کیا ہندوستان کا صنعتی بیس پہلے ہی بہت وسیع تھا اس میں دفاعی پیداوار کا شعبہ بھی شمل تھا چین سے جنگ کے بعد 23064 میں جدید اسلحہ سازی کا عمل ایک با قاعدہ منصوبہ بند کے ساتھ شروع ہوا جو نہ صرف میدان جنگ میں اس کی شکست کا نعم البدل بلکہ اس کا سب سے بڑا انعام ثابت ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ چین سے شکس تکھان ے کے بد ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں خد ہندوستان میں ار ہندوستان کے باہر جو غیر قیقینی صورتحال پیدا ہوئی اس سے ہندوستان نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا اوراس طرح عسکیر شکس تکوسفارتی اروسیاسی فتح میں تبدیل کردیا پہلا فائدہ سے ایہی یہی ہوا کہ پاک امریکی تعلقات میں فرق آ گیا ارو پاکتان جو قطعی طور پر امریکی کیمپ میں تجا دھیرے دھیرے غیر وابستگی کی طرف بڑھنے لگا اس کے برعکس ہندوستان جو غیر وابستہ تحریک میں پیش پیش تھا تیزی سے امریکہ سے دوستی کی طرف بڑھنے لگا مگر اپنے ناداستی کے بین الاقاوایم امیج کو گزند پہنچائے بغیر چنانچہ اسے سوویت یونی کی جانب سے بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا جو پہلے ہی اس کا منتر تھا اسے فکر تھی کہ اگر اسلحہ کی آڑ میں ہندوستان اوامریکہ دوستی مستحکم ہگئی تو نہ صرف جنوبی ایشیاء بلکہ پورے ایشیاء میں اس کی حیثیت بہ تکمز ور ہو کر رہو جائے گی چنانچہ روس نے ہندوستان کا بڑھا ہوا ہاتھ نہایت گرمجوشی سے تھام لین چین کے مقابلہ میں ہندوستان کی انتہائی مایوس کن کارکردگی کے بعد روس کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ ہندوستان اس وقت تک چین کا موثر مقابلہ نہیں کر سکے گا جب تک پاکستان سے اس کی آئے دن ہنگاہ آرائی ختم نہیں ہو جاتی اس کے ساتھ ہی برصغیر میں اسے اپنے لئے ہر شعبہ میں ایک وسیع تر میدان نظر آیا امرکیہ کے برعکس روس بہرحال برصغیر کے پڑوس میں واقع تجا ارو یہاں کے معاملات

میں امریکہ سے زیادہ موثر کردار ادا کرسکتا تھا بشرتکلطہ اسے پاکستان ارو ہندوستان دونوں ہی کا اعمتا داور معونت حاصل ہوگا لہذا اس نے ہادوستان کا دوستی کا ہاتھ تھامنے کے ساتھ ساتھ پاکستن کو بھی نظرانداز نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو ہموار کرنا شروع کردیا ارو برصغیر کے معاملات میں روس نے سرگرم حصہ لینا شروع کردیا اس کے دو مقاصد تھے اول تو یہ کہ انجام کرار برصغیر سے امریکہ کے عمل وفن کو بالکل ہی ختم کرائے دوئم یہ کہ ہندوستان اور پاکستان کو ملا کر چین کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا جا سکےٗ چین اور روس کے تعلقاتمیں کشیدگی بڑھتی جاریہ تھی اسی باعث روس کو ہندوستان اور پاستکان دونوں ہی کے تعاون کی ضرورت تھی۔

پاکستان کو روس کی طرف سے دوستی کے پیغامالت ملنا شروع ہوئے بہرحال چونجکہ دونوں ملکوں کے تعلقات کے پیچھے باہمی شکوک اور غلط فہمیوں کا ایک طویل ریکارڈ تھا اس لئے پیش رفت بہت آہست آہستہ رہی تاہم اسی اثناء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی اہمیت کو سفارتی سطح پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا جون 1963ء میں سر ظفر اللہ خان بحثییت جنرل اسمبلی کے صدر ماسکو تشریف لے گئے وہاں ان کی وزیراعظم خرشچیف اور وزیر خارجہ گرومیو سے ملاقاتیں ہوئیں جس کے بعد انہوں نے ایک اخباری بیان میں واضح طور پر کہا کہ اگر پاسکتان کے طری سے اقتاصدی ارو دوسرے شعبوں میں سوویت یونین کے ساتھ تعاون کی کوئی بھی کوشش ہوئی تو سوویت یونین کی طرف سے اس کا خاطر خواہ جواب ملے گا آے جا کر ظاہر ہوا کہ سر ظفر اللہ خاتن نے جو کھ بھی سوویت یونین کے بارے میں کہا تھا وہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ اس میں کافی وزن تھا 1964ء کے اوائل میں جب مسئلہ کشمیر پھر ایک بار سلامتی کونسل میں پیش ہوا تو سوویت یونین کا لہجہ اور موقف دونوں ہی قدرے پاسکتان کے حق میں تھے چنانچہ مئی 1964ء میں سوویت یونین نے کشمیر پر اپنا پرانا موقف برقرار رکھتے ہوئے بھی کشمی کے مسئلہ یعنی Dispute کا لفظ استعمال کیا ارو اس خواہش کا اظہار کیا کہ فریقن کو اس مسئلہ کے پرامن تصفیہ کی کوشش کرنی چاہیئے۔

باالفاظ دیگر سوویت یونین نے شاید پہلی بار سلامتی کونسل میں کشمیر کی متنازعہ حثیثیت کو تسلیم کیا جو بہرحال پاکستان کے حق میں ایک اہم پیش رفت تھی۔

برصغیر پاک و ہند پر جنگ کے سائے

ہندوستان کی چین سے جنگ نے برصغیر کی سلامتی کی فضا پر گہرا اثر ڈالا اور نہ صرف حربی توازن کو درہم برہم کر کے رکھ دیا بلکہ بیرونی دنیا کے سفارتی نبت اور رشتے کو بھی متاثر کیا چین جو ہندوستان کے لئے مخزلہ بھائی کے تا ھا ہندوستان کا سب سے بڑا حریف بن گیا ارو امریکہ کو جو پاکسان کی دوستی کا دم بھرتا تھا ہندوستان کا سب سے بڑا معاون مددگار بن گیا امریکہ کی حد سے بڑھتی ہوئی ہندوستان نواز حکمت عملی خاص طور پر حربی شعبہ میں اس کے ساتھ بھرپور تعاون کے نتیجے میں جو خلا پاک امرکییک تعلقا تمیں پیدا ہوا ارو جس کا پاکستان کو شدت سے احساس تھا اسے پاکساتن چین سے تعلقات مزید استوار کر کے پر کرنے کی کوشش کی چین کی طرف سے بھی اس کا خاطر خواہ جواب آیا اور عین اس وقت جب پاکساتن میں کشمیر پر بھٹو سورن سنگھ مذاکرات کی ناکامی کے بعد انتہائی بددلی ارو جھلاہٹ پھیلی ہ ءتھی چین کے وزیر اعظم نے یہ اعلان کر کے پاسکتان کو اطمینان دلایا کہ وقت پڑنے پر چین تمام دنیا میں جہاں بھی ضرورت ہوئی پاکستان کا تحفظ اور دفاع کرے گا۔

جو این لائی کی اس دوٹوک یین دہانی کے بعد بھٹو نے اپنا وہ مشہر و بیان دیا جس میں انہوں نے بڑے وثوق سے کہا اب پاکستان دنیا میں تنہا نہیں ہے اور کبھی بھی ہندوستان نے اس ک، خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا تو چین اس کی مدد کو آئے گا یوں کہ پاکستان پر حملہ کا مطلب پروےے ایشیاء پر حملے کے مترادف ہوگا 63ءہی میں چین اور پاسکتان کے مابین سرحدی معاہدے کے علاوہ اور بھی کئی معاہدے ہوئے جس میں تجارت، جہاز رانی، ہوائی سفر سے تمعلق امور شامل تھے یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ایک دوسرے کو ترجیحی بناید پر سب سے زیادہ پسندیدہ قوم کا درجہ دیا جائے گا۔

امریکہ پاکستان اور چیٗن کے بڑھتے ہوئے تعلقات پر صرف تو شیش ہیں نہ بلکہ جھلاہٹ

بھی تھی چنانچہ جب دسمبر 1963ء میں چواین لائی کے مجوزہ دورپاکستان کا اعلان کیا گیا تو امریکہ نے اس پر کافی برہمی کا اظہار کیا اسٹیٹ ڈیپارمنٹ کے ایرترجمان تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ بڑی بدقستی کی بات ہے کہ پاکستان جوامریکا کا دوست اروحلیف ہے اشترا کی مما لک کے زعما کو یوں اپنے ہاں آنے کا موقع فراہم کرے یہ بات ہر گز پاسکتان کے لئے مناسب نہیں اروو ہ ہی اس کے حق میں ہے اسی اثناء میں ایک اور ہنگامہ خیز واقعہ پیش آیا دسمبر 63ء کے اواخر میں کشمیر کی حضرت بل کی درگاہ سے حضور کا موئے مبارک چوری ہوگیا یہ درگاہ کا انمول اور انتہائی مقدرس سرمایہ تھا اوراس کی زیارت کے لئے عقیدت مند دور دور سے آیا کرتے تھے اس واردات سے پورے کشمیر کی مسلم اکثریت میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور ہنگامے شروع ہوگئے عام خیال تھا کہ یہ کام حکومت کے ایماء یاہدایت پر کیا گیا ہے جمّوں اروکشمر ی میں وسیع پیمانے پر فسادات شروع ہوگئے اور خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اس وقت کشمیریوں میؒں اس قدر ہیجان پایا جاتا تھا اور وہ خود ہندوستان سے اتنے بددل تھے کہ ان کے حق میں اگر پاکساتن کی طرف سے کوئی بھی بروقت اروموثر مداخلت کی جاتی تو نہ صرف اس کا پر جوش استقبال کرتے بلکہ بھرپور ساتھ بھی دیتے دراصل بے چینی اروانتشار کے ذریعہ کشمیر کے مسئلے کوحل کرنے ایہ ایک نادر موقع تھا مگر اپکساتن ی طرف سے کسی قسم کی پیش قدمی نہیں ہوئی اکتوبر نومبر 1962ء کے بعد جب ہندوستان چین کے ساتھ جنگ میں الجھنے کے باعث عسکری لحاظ سے کشمیر میں بڑی حد تک بےبس ہکررہ گیا تھا پاسکتان کے لئے یہ دوسرا سنہری موقع تھا کہ وہ مناب اور موثر چھاپہ مار کارروائی کے ذریعہ کسمیر کے مسئلے کو اگر مکمل طور پر حل کرنے کی نہیں تو آگے بڑھانے اور زندہ کرنے کی کوشش کرتا مگر ایسا نہیں ہوا اور معاملہ حسب سابق سفارتی ارو قانونی موشگافیوں کے زنغے میں ہی پھنسا رہا۔

چین کے ساتھ اختتام جنگ کے بعد ہندوستان نے جو مواط عسکری منصوبہ بندی کی اور جس طرح اپنی مسلح افواج کی تنظیم نو کی اور انہیں مسلح کرنا شروع کیا اس کے بعد اس بات کا بہت کم بلکہ نہ ونے کے برابر امکان رہ گیا تھا کہ ہندوؒ پاک تعلقات میں دیرپا دوستی اوصلح جوئی کی بنیادیوں پر کئو بامعنی اور معقول پیش رفت ہوسکے وسیع پیمانے پر اسلحہ بندی سے تصادم کی راہ خواہ مخواہ استوار ہو جاتی ہے اور ہتھیار اپنے استعمال کا ودہی بہانہ یا جواز ڈھونڈ لیتے ہیں۔

چین کے ہاتھوں اپنی عبرتناک شکست ارواس سے بھی زیادہ چین کی یک طرفہ فائر بندی

ہے جس سے کھل کر ظاہر ہو گیا تھا کہ چین کی جنگ پر مکمل گرفت تھی ارو جب بھی ارو جس انداز سے بھی چاہتا اسے روک یا جاری رکھ سکتا تھا ہندوستان بلکل تلملا اٹھا تھا ورآتش انتقام سے جلا جار ہوا تھا اس کی فوری ارواشد ضرورت تھی کہ وہ اپنی عسکری آن اروعزت کو بحال کر سکے ارواس کا واحد طریقہ جنگ ارواس میں مکمل فتح تھا عسکری شکست کانعم البدل صرف عسکیر فتح ہوسکتا ہے اوراس مقصدے حصول پر ہندوستان تل گیا سوال صرف یہ رہ گیا کہ اب کس کے خلاف جنگ کی جائے اتنی بھرپور شکست کے بعد ہندوستان میں تو ہمت نہیں تھی کہ وہ چین کو دوبارہ للکارے چنانچہ اس کی نظریں پاکساتن پر جم گئیں میں یہ دعوی کرسکتا ہوں اگرا کتوبر 1962ء میں ہندوستان چین سے نہیں الجھتا تو 1965ء کی ہندو پاک جنگ اگر سرے سے ٹل جاتی تو عرصہ دراز کے لئے ملتوی ضرور ہواتی 1962ء کی چین ہندوستان جنگ کے بعد جوایک ہیجانی کیفیت برصغیر میں پیدا ہئوی اس کے باعث ہندوستان یک زخمی سانپ کی طرح پھن اٹھا اٹھا کر شکار کی تاک میں ادھرادھر دیکھنے لگا جب کہ پاکستان عسکری معاملات میں انہتائی خوداعتمازی اوراحساس برتری میں مبتلا ہو گیا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں امریکی فوجی امداد نے پاکستان کو جدید ہتھیاروں سے لیس کرنے ے علاوہ ذہنی طور پر بھی متاثر کیا پاکستان کا احساس خوداعتمادی جو تشکیل ملک کے بعذ دبرتی طرح منزلزل ہو گیا تھا امریکی فوجی امداد نے نہ صرف یہ کہ اسے بحال کیا بلکہ اس میں خاطرخواہ اضافہ بھی کیا۔ پاسکتان روزاول ہی سے ایسے خطراتؔ میں گھرا ہوا تھا کہ اس کا وجود ہی مخدوش ہوکر رہ گیا تھا ارو ہر طرف سے یورش کا خطرہ اسے اعصابی تناؤ میں مبتلا رکھتا تھا۔ شمال مغرب میں آمادہ بجارحیت افغان، مشرق میں ہندوستان جنوب میں کھلا سمندراور پھر چودہ سومیل مشرقی بنگل جس کو سب کی طرف سے ہندوستان نے نرغے میں لے رجھا تھا یہ تھا پاکستان کا دفاعی ماحول ارواس ماحول سے متاثر ہوکر خود فیلڈ مارشل ایوب نے اپنی تقریر میں پاسکتان کوایک سپاہی بھیانک خواب کہا تھا جس کی سرحدیں طویل اور کھلی وہئی تھی اور جو گہرائی سے باکلل محروم تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکی فجی امداد نے مادی استحکام کے ستاھ پاکستان کو ذہنی دباؤ پر بھی توانا کیا تھا تاہم فوجی استحکام چوں کہ زیادہ تر سیاسی اورمعاشی فلامین پروان چڑھتا رہا اس لئے ایک خاص مقام پر پہنچ کر خوداعتمادی خودآ گاہی پر غالب آگئی استحکا کا کنول سطح آب

پر کھلا رہا مگر جڑ نہ پکڑ سکا۔ مزید برآن جب 1985 میں پورے مارشل لاء کا نفاذ اور اور حکومت پھی بھی فوج کا مکمل قبضہ ہو گیا تو فوجی استحکام مضبوط و عسکری دافع کے ہم معنی ارو متارادف ہو کر رہ گیا ساتھ ہی فوج کی پیشہ ورانہ خود اعتمادی نے ایک ایسے زعم اور احساس برتری کی شکل اختیار کر لی کہ جس کے آتے ہی یہ غیر فوجی قومی ادارہ ہیچ نظر آنے لگا یہ تھا وہ ذہن اور دفاعی ماحول جس نے 1965ء کی نگ کو ناگزیر بنا دیا ہندوستان ااور پاکستان کے درمیان مسلح تصادم کو ثالث کا درجہ دڈے دیا ای طرف ہندوستان کی حد سے بڑھئی ہوئی جھلاہٹ ارو پاکستان ے دفاعی استحکام سے متعلق حد سے بڑی ہوئی ذکی الحسی تھی تو دوسری طرف پاکستان کے حد سے بڑھئی ہوئی خود اعتمادی جس کے آگے بڑے سے بڑا خطرہ بھی ہیچ معلوم ہوتا تھا۔

ایک برطانوی منصف رسل برائنز نے 1965ء کی جنگ پر اپنی کتاب میں لکھا کہ جب 1961ء میں نہرو دریائے سندھ کے پانی کے معاہدے پر دستخط کرنے پاکستان تشریف لائے تو وہ آرام کے لئے مری بھی گئے وہا ایوب خانے بات چیت کے دوران انہیں بتا یہ کہ پاکستان کی حربی قوت تانی ہے کہ حکم ملتے ہی اس کے ٹینک جرنیلی سڑک پر دنادانے نظر آئیں گےاچوبیس گھنٹے کے اندر اندر دہلی پہنچ جائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال اب دونوں ملک شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے باوجود ایک بار پھر آمنے سامنے آئے تھے اور آنکھوں مس ی آنکھیں ڈالے کھڑے تھے ہندوستان اپنی دفاعی قوت میں ہم جہت اضافہ کر رہا تھا فوج میں بکتر بند اور توپ خانہ جیسے جارحانہ ہتھیاروں کا اضافہ کیا جارا تھا ایئر فورس میں مختلف قسم کے جہازوں کی تعداد بڑھا کر 45 اسکواڈرن یعنی تقیبر اُدگنی کی جارہی تھی بحریہ میں متعدبہ اضافہ ہو رہا تھا ادھر امریکہ نے ہندوستان کو دس نئی پہاڑی ڈیژنوں کے لئے پورا اسلحہ اور دیگر ساز و سامن مہیا کر دیا تھا ہر چند کہ یہ ڈویژن شمال مشرقی سرحد پر چینیوں کے خلاف کھڑی کی گئی تھی مگر وقت پڑنے پر انہیں کشمیر میں پاکستان کے خلاف استعمال کرنے سے کون روک سکتا تھا اور اس کا عملی مظاہرہ ہم نے 1965ء کی جنگ میں دیکھ لیا بلکہ ان ڈویژنوں کی ایک بڑی تعداد جموں و کشمیر میں منتقل کر دی گئی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی پوری عسکری تنظیم نو اس قسم کی تھی کہ وہ صرف اور

صرف پاکستان کے خلاف استعمال ہوسکتی تھی خاص طور پر ٹینک لڑا کا اروبمبارطیارار بحری جہاز۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ دفاع کے شعبہ میں پاکستان کی وہ خوداعتمادی جوآٹھ دس برس کی فراہمی اسلحہ اورتربیت کے بعدحاصل ہوئی تھی اب معرض خطر میں پڑتی معلوم وہتی تھی ایسے اسلحے کے جوعام طور پر دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لئے بطور Strike Force استعمال ہوتے ہیں ان میں پاکساتن کو برائے نام برتری حاصل ہورہ گئی تھی اروہ بھی تعداد میں نہیں بلکہ اعلیٰ معیار کارکردگی میں اب جس قسم کے جدید ہتھیاروں کے حصول کا ہندوستان نے منصوبہ بنایا تھا اروجس پیمانہ پر بانایا تھا اس کے بعد پاکستان یک برائے نام برتری کا خاتمہ بھی لازمی تھا سا لئے کشمیر کا اگر سیاسی حل واقعی ممکن نہیں تھا اور فیصلہ مؑیدان جنگ میں ہی ہونا تھا تو پھر جہاں تک اعلیٰ ہتھیاروں اروبہتر تربیت کا تعلق تھا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہوسکتا تھا ظاہر ہے اپنے پنج سالہ دفاعی منصوبے کیی تکیمل کے بعد ہندوستان کو اتنا مضبوط ہوجانا تھا کہ پاسکتان کے لئے موثر مسلح کارروائی کا تصور بھی محال ہوجاتا تھا۔

1964ء کے شرع سے ہندو پاکستان تعلقاتمیں تیزی سے ابتری آنے لگی اور برصغیر پر مسلح تصادم ے بادل منڈلانے لگے یوں تو سیز فائر لائن پر مسلح جھڑپیں روز کا معمول بن چکی تھی اوراس پر کوئی بھی زیادہ دھیان نہیں دیتا مگر 1964 ءفروری میں مظفرآباد کے قریب وادی نیلم میں جو جھڑپیں ہوئی وہ سیز فائر لان ءکی معمولی یا معمول کے مطابق خلاف ورزیوں سے بہت زیادہ تھیں میں نے دریائے نیلم کے معرکہ کو بعثیت ایک جنگی مبصر کے دیکھا اوراس کے متلقع قومی اخبارات می لکھا بھی اس معرکہ میں ہندوستان نے اپنا توپ انہ استعمال کیا تھا ور پاکستان نے بھرپور جواب دیا تھا اطلاات کے مطابق ہندوستان کی طرف سے ایک پروی ڈویژن اروہماری جانب سے بھی بریگیڈیئر خلجی کی قیادت میں آزاد کشمیر ریگولرفسورسز پر مشتمل ایک پورا بریگیڈیئر گروپ تھا جس میں پاکستانی فوج کا توپ خانوہ اوردوسرے کچھ عناصر شامل تھے یہ معرکہ شاید دو ہفتے جاری رہا اوراس میں ہماری افواج کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ادھر فوجی معرکہ آرائیاں ہورہی تھیں ادھر سفارتی سطح پر کشیدگی میں اضافہ ہونے لگا اس کشیدگی میں بڑا حصہ خود امریکہ کی اس بدلی ہوئی پالیسی کا تھ جو ہندوچین تصادم پر محمول تھی یا پھر ہندوستان کے حق میں تھی باہم دستوی اورامتعاد کی جس سطح پر پاک

امریکی تعلقات 62-1961ء میں پہنچ چکے تھےاس کے پیش نظر دونوں ممالک خاص طور پر چھٹا اروکمزور پاکستان ایسا سمجھنے میں بالکل حق بجانب تھا جو کہ بات واضح طور پر ان کے حق میں نہیں وہ صریحاً ان کے خلاف ہوگی چنانچہ جب پاکستان نے ایک بار پھر مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں اٹھانے کا فیصلہ کیا تو امریکی نائب وزیر خارجہ فلپس تالبوٹؒ نے ایک بیان میں کہا کہ اگر مسئلہ کشمیر واقعی آزاد دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے تو پھر امریکہ کا یہ فرض ہے کہ وہ ہندوستان ور پاکستان کو صاف بتادے کہ امریکہ ان کی اس وقت تک کوئی مدد نہیں کرے گا جب تک وہ خود اس مسئلہ کو سلجھا نہ لیں اصل بات یہ ہے ہ اشترا کی ممالک کو ہر حالت میں اس علاقہ میں گھسنے کا کم سے کم موقعہ فراہم کیا جائے۔

ایک زمنہ وہ بی تھا جب Averall Harriman نے کشمیر کو آزاد دنیا کا اہم ترین مسئلہ کہا تھا اوراب میں اگر مگر کا اضفہ ہونے لگا اووہ اشرکیت سے مشروط ہوگیا۔

مئی 1964ء میں مسئلہ کشمیر باقاعدہ طور پر سلامتی کونسل میں پیش ہوا اور گرما گرم بحث کے بعد تعطل کا شکار ہوگیا اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی مگر اس کا اہم ترین پہلو امریکا کا بالکل بدلہ وہا رویہ تھا امریکہ نے کشمیریوں کے ح خودارادیت کی حمایت تو ضورکی مگر اس کے اتھ ساتھ اقوام متحدہ پر اس کے حل کے لئے ذرا سا بھی زور نہیں ڈالا امریکی نمائندہ کا بس ایک ہی مشورہ تھا کہ دوطرفہ تعلقات کی بنیا پر ہندوستان اور پاکستان باہمی مذاکرت کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں سوال یہ تھا کہ دو تطرقہ تعلقات ارو مذاکرات کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں یسوال یہ تھا کہ دوطرفقہ تعالقات ارومذاکرات کی بنایدپر ہی اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا ہے تو پھر اقوام متحدہ کی کیا ضرورترہ جاتی ہے ؟ ان تمام قاردادوں کا کیا بنے گا جو اقوامی متحدہ نے کشمیر کے بارے میں منظور کریں اروگذشتہ سول سترہ سال کی ان تمام بین اللاقوامی مساعی کی کیاست حیثیت رہ جائے گی جو مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے کی گئیں جس میں خود امریکی مسائل بھی شامل تھؒیں خاص کر صدر کینیڈی کی مسٹر یوجنی بلیکو ثابلث بنانے ک پیش کیش؟ مگراب امریکہ اپنے پرانے دوست پاکستان اوراس کے پرانے حریف ہندوستان وایک ہی ترازو میں تول رہا تھا روا سے ہرگز یہ منظور نہ تھا کہ کشمیر کا مسئلہ اکے ارو ہندوستان کے بڑھتے ہوئے تعلقات میں کسی طرح بھی کوئی رکاٹ بن سکے۔

اس طرح امریکہ نے پہلے پاکستان کو سیٹو اور بغداد پیکٹ بد میں سیٹو کے ذریعے

عالمی اشتراکیت خاص طور پر سویت یونن کے خلاف استعمال کرنا چاہا اور یہاں تک کیا کہ 1960ء میں U2 کی واردات کے خرشچفی نے دنیا کے نقشے پر جہاں پاکستان واقع ہے سرخ دائرہ بنا دیا اور اسے ایک دشمن ملک قرار دے دیا ظاہ ہیکہ پاکستان جیسے چھوٹے ملک کو لئے روسی جیسی سپر پاور اور وہ بھی پڑوس کا یہ العان کسی طرح بھی خوش آئندہ نہیں وہسکتا مگر امریکہ کی دوستی میں پاکستان نے یہ بھی برداشت یا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پشاور کے قریب بڈبیر کے گاؤں میں امریکہ کا یک بڑا Montoring Station تھا جہاں سے وہ روسی افواج کی نقل وحرکت سے طاقت ورریڈیائی آلات کے ذریعے خبردار رہا کرتے تھے اس کے علاوہ پشاور ایئر پور سے U-2 جیسے بلند پرواز امرکی طیارے روسی فضائی حدود میں دور تک جا کر زمین پر فوجی نقل وحرکت اور دوسری عسکری سرگرمیوں نیز تنصیبات کی تصاویر اتارتے مئی 1960 میں امریکی فضائیہ کا کیپٹن گیری پاوز ایسی ایک پرواز پر گیا روسیوں نے اس کے جہاز کو مار گرایا مگر کپتان خود پیراشوٹ کے ذریعے بحافسط اتر آیا اور روسیوں کے قابو میں آ گیا اس واقعہ کے بعد روس اور پاکستان کے تعلقات اتنے خراب ہوئے کہ شاید پہلے کبھی خراب نہیں ہوئے تھے اس کا فائدہ بھی ہندوستان کو پہنچا اروا نے روس کیساتھ پنے تعقلات مزید استوار کرنے شروع کر دیئے۔

U-2 اور سلامت کونسل میں کشمیر کا سئلہ پیش کرنے سے ذرا پہلے ای اور اہم واقعہ پیش آیا جس کے باعث امریکی تعلقات کی خصوصی اور ترجیحی نوعیت بری طرح متاثر ہوئی 1965ء فروری مارچ میں صدر ایوب ارو ہندوستان کے نئے وزیر اعظم لال بہاردشاستری کے آنے والے سرکاری دورہ واشنگٹن کے متعلق باقاعدہ اعلانات کئے گئے صدر ایوب خان کا دورہ پچیس اپریل کو شروع ہونا تھا جبکہ وزیر اعظم شاستری کے دورے کے تاریخ چھ جون مقرر ہوءیمگر سولہ اپریل کو صدر جانسان نے بیک وقت ایوب اور شاستری دونوں کا دورہ آئندہ موسم خزاں تک ملتوی کر دیا جواز یہ پش کیا گیا کہ ویت نام کی نگ کی وجہ سے کانگریس کی کارروئا ی میں معتدد بہ اضافہ ہوگیا ہے بنا برس درووں کا التوانا گزیر ہے مگر یہ محض کہنے کی بات تھی دراصل امریکہ ہندسوتان اور پاکستان دونوں ہی سے بیک وقت ناخوش تھا پاسکتان سے چین کے ساتھ اس کے بڑھتے ہوئے تعلقات کی بناء پر اور ہندوستان سے اس لئے کہ

اس نے ویت نام میں شدید امریکی بمباری کی سخت مذمت کی تھی ارو جہاں تک صدر جانسن کا اپنا تعلق تھا سو وہ کسی طور بھی پاکستان اور ہندوستان میں کوءیا متیر زیاً تفریق برتنا نہیں چاہتے تھے۔

امریکہ کے اس غیر معمولی اور سفارتی آداب کے خلاف رویہ کا ردعمل دونوں مما لک میں نہایت شدید ہوا اور جو شکایات پاکستان کو امریکہ سے ہونا چاہئے تھی اس کا اظہار ہندوستان نے کیا شاستری نے اپنے اخباری بیان میں کا کہ جو چیز ان کے لئے انتہای ءنا قابل برداشت تھی وہ یہ کہ صدر جانسن نے انہیں اروایوب کو برابر کا درجہ دیا چہ خوب، ابھی ہندوستان امریکی دوستی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ شاستری کو امریکا کی طرف سے ہے بے رخی کی شکایت بھی وہنے لگی شکایت تو بجاطرو پر صرف پاکستان کو ہوسکی تھی جسے امریکہ سے دوستی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا ارو جس کا اسے یہ پھل ملا کہ خالص سفرتی امور میں امریکہ نے اسے کسی قسم کے ترجیجی سلوک کا مستحق قرا نہ دیا۔

برصغیر کی عام سلامتی کی فضا پر امریکی سرد مہری کا یہ اثر ہوا کہ بیک وقت ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں پ اس کا اثر نہ ہونے کے برابر رہ گیا بلکہ اس عمل کو تیز کرنے اسبب بنا جس نے آئندہ چند ماہ کعے نندر اندر دوّں پڑوسیوں کو جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔

1965ء کی جنگ اور اس کا پس منظر

کشمیر میں مسلح جھڑپیں تو 1964ء کے آغاز ہی میں شروع ہو چکی تھیں اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی طرف سے انتاہائی اشتعال انگیز دھمکیاں اور بیان بھی آنے لگے اگرچہ پاکستان نے کشمیر میں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی جارحانہ کارروائیوں کا بھرپور جواب دیا مگر معاندانہ پروپیگنڈہ اور الزام تراشی میں اس نے قدرے احتیاط سے کام لیا اس کے برعکس ہندوستان کی طرف سے دباؤ برابر بڑھتا رہا اور پاکستان کو سنگین نتائج سے خبردار کیا جاتا رہا۔ اس وقت مسٹر وائی بی چاون ہندوستان کے وزیر دافع تھے پاکستان کے بارے میں انؒ کا لہجہ ہمیشہ بہت تلخ او معاندانہ وہا کرتا تھا وہ ایک انے پہچانے ہاک اور ان کا شمار ہندسوتان کے ان لیڈروں میں ہوتا تھا جو ہنوز اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہے تھے او پاکستان کو محض ایک عارضی حقیت ارو گریز پا مرحلہ ستکھا کرتے تھے انہوں نے ایک موقع پر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ہم ہندوستان کو پاکستان کا قبرستان بنا کر رکھیں گے۔

بھارت کے ایک اروو زیر غالباً مٹر کھنہ وزیر تعمیرات تو اور بھی آے بڑھے اور انہوں نے پاکستان کو صاف صاف ہندوستان کا دشمن نمبر اول قرار دیا ساتھ ہی دھمکی دی کہ پاکستان کی طرف سے خطرے کا بھرپور مقابلہ کیاجائے گا اس کقس کے دھمکی آمیز ارو اشتعال انگیز بیاات کے بعد مسلح تصادم کیلئے اسٹیج تیار تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ بس پردہ اٹھنے کی دیر تھی عین ممکن تھا کہ اگر پنڈت نہرو کا انتقال 1964ء میں نہ ہو جاتا تو 1965ء کی جنگ 1964ء ہی میں ہو جاتی نہرو اس وقتؒ ہندوستان کے مرد بیمار تھے ارو امور حکومت میں ان کے ذاتی اثر ورسوخ کے باوجود ان میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ چاون جیسے سخت گری اور طالع آزما لیڈر وکا موثر طور پر مقابلہ کر سکتے اولوگ یہ پاکستان سے الجھنے پر جیسے تلے بٹھے تھے۔

نہرو کی موت کے ساتھ ساتھ ایک اور ایسا واقعہ بھی پیش آیا کہ جس نے کشمیر پر جنگ

کے امکان کو کچھ عرصہ کے لئے التوا میں ڈل دیا اور یہ تھا مئی 1964 میں شیر کشمیر شیخ عداللہ کا دورہ پاکستان شیخ صاحب چوبیس مئی کو راولپنڈی پہنچے جہاں پر ان کا والہانہ استقبال کیا گیا پنڈی پہنچتے ہی وہ صدر ایوب سے ملے اور ان سے مذاکرات کے بعد انہوں نے 26 مئی کو یہ اعلان کیا کہ آئندہ ماہ جون میں نئی دہلی میں صدر ایوب وزیر اعظم نہرو سے ملاقات کریں تا کہ مسئلہ کشمیر کا کوئی مناسب حل نکل آئے اس ضمن میں جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اپنے دورہ پاکستن سے پہلے شیخ عبؒداللہ نے کشمیر میں ہندو پاکستان مشترکہ کنٹرول یا حکومت کے قیام کی تجویز پیش کی تھی اور شنید ہے کہ اس بارے میں انہیں ہندسوتان کے پہلے ہندوستانی گرونر جنرل سی آر راج گوپال اچاریہ کی پوری حمایت حاصل تھی درال راجہ جی بہت پہلے سے اس تجویز کے حق میں تھے راجہ جی کا شمار ہندوستان کے انہاء زیرک تجربہ کار مدیر ارو اعتدال پسند سیاستدانوں میں وہتا تھا ارو جہاں تک مجھے علم ہے وہ شاید واحد ہندوستانی لیڈر تھے جنہوں نے کبھی بھی پبلکے سامنے پاکستان کی مخالفت نہیں کی نہ اس کی تشکیل سے پہلے نہ اس کے بعد۔

اس وقت تک غالبًا خود نہرو بھی مسئلہ کشمیر سے کافی اکتا چکے تھے ارو ان کی یہی خواہش تھی کہ مسئلہ کسی نہ کسی طرح انکی زندگی میں نمٹ جائے خود شیخ عبداللل کے دورہ پاکستان کو نہرو کی اس خواہش کا ماظہر سمجھا جاتا تھا ظاہر ہے کہ نہرو کی مرضی ارو اجازت کے بغیر اس قسم کے دروے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور وہ بھی عین اس وقت جب دونوں ملکوں کے تعلقات روز بروز بگڑتے جا رہے تھے نہرو نے تو لوگ سبھا میں ائیک تقریر جو غالبًا انکی آخری تقریر تھی میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ میری خواہش یہ کہنے کی ہے کہ جلدی ہندسوتان اور پاکستان نہ صرف قریب تر آ جائیں گے بلکہ شاید اپنے طور پر ایسا بھی ممکن ہوتا ہم میں کھل کر ایسا کہنے سے گریز کرتا ہوں کہ کہیں پاکستان کو برا نہ لگے۔

نہرو کے اس بیان سے پاکستان کے حق میں انے جذبہ خیر سگالی کی تصدیق ضرور ہوتی ہے مگر ساتھ ہی قربت کی خواہش یا پیش گوئی اس ذہنی رویہ کی غماری کر رہی تھی جو انہیں پاکستان کے منفرد آزاد تشخص کے بارے میں رہی۔

بہر حال مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلہ یں جو بھی پیش رفت ہو رہی تھی وہ نہرو کی اچانک موت کی وجہ سے دم توڑ گئی اور معاملہ پھر تعلطل کا شکار ہو گئی واضح رہے کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل

میں مسئلہ کشمیر پر جو بحث فروری 64 میں شرع ہوئی تھی وہ 18 مئی تک یعنی شیخ عبداللہ کے دورہ پاکستان او نہرو کی اچانک موت سے صرف ہفتہ عشرہ پہلے تک پہنچی نتیجہ تو خیر اس کا کیا نکلنا تھا کیوں کہ امریکہ اور روس دونوں ہی زور لگایا تھا کہ معاملہ ایسے فیصلہ تک نہ پہنچ سکے جس سے ہندوستان یا پاکستان بطور خاص ہندوستان می سے کسی ایک کی بھی دل آزاری ہو لہذا اسے ایک بار پھر غیر معینہ عرصے کے لئے ملتوی کر دیا جائے مسئلہ کشمیر کے بارے میں اب یہ دونوں عظیم تر قوتیں کھل کر سامنے آگ ءتھی او یہ سمئلہ ان کا عالمی حکمت عملی کا ایک حصہ بن گیا تھا ایک طرف سوروس اروامریکہ میں سے کسی کو یہ منظور نہ تھا کہ پاسکتان زچ ہوکر بالکل چین کے آغوش میں چلا جاءیاور دوسری طرف وہ کسی صروت بھی ہندوستانکی ذراسی بھی ناراضگی مول لینے کے لئے تیار نہ تھے چنانچہ ہندوستان اور پاسکتان دونوں ہی کو یہ مشورہ دیا گیا جہاں تک ممکن ہو وہ یہ مسئلہ خوڈ دوطرفہ مذاکرات کی بنیاد پر حل کرنے ک یکوشش کریں ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتادیا گیا کہ بیرونی عناصر بشمول اقوام متحدہ ک مداخلت معاملہ کو محض پیچیدہ تر بنا سکتی ہے تاہم اگر ضروری ہوا تو اقوام متحدہ کے سیکر ٹیری جنرل یوتھان خود برصخیر جا کر مذاکرت میں فریقین کی مدد کریں تو اس پر ہندوستان جے نمائندے ایم سی چھگلا نے سختی سے اعتراض کیا ورصاب کہہ دیا کہ سیکیر ٹی جنرل برصغیر ضرور جا سکتے ہیں مگر کشمیر کے تنازعہ کے حل کے لئے انہیں او بات وہیں ختم ہوکر رہ گئی۔

نہرو کے سوگ میں ہندو پاک تعلقات میں قدرے ٹھاؤ سا آتا ہوا معلوم ہوا صدر ایو نے نے اپنی ایک تقریریں ہندوستان کے حق میں گرمجوشی کا اظہار کیا اور اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانیا انہوں نے یہ بھی کہا کہ اب وقت آ گیا ہے ک ہباہمی تعلقات کو نظر ثانی کے بعد بہتر بنایا جائے اسی سال سولہ اکتوبر کو ہندوستان کے نئے وزریراعظم لال بہادر شاستری نے قاہرہ جاتے ہوئے چند گھنوں کے لئے کراچی میں قیام کیا صدایوب نے ان کا اسقبل کیا اور مذاکرات کئےس کے بعدا یک مشرتکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اور اس میں تمام پراےاو پیچیدہ مسائل کو جلد از جلد حل کرنے کے عزم کو دہرااایا گیا اور اس سلسلہ میں باہمی رابطہ قائم رکھنے کی ضروتر کا اعتراف ارتافقا کیا گیا مگر یہ بھی سب زبانی جمع خرچ نکلا اروو زیر اعظم شاستری نے جلد ایسا طرز عمل اختیار کیا گیا جو نصہ صرف باہمی دوستانی تعلقات کے منافی تھا بلکہ یک طرفہ کارروئ ای کے ذریعہ کمیر کو باقاعدہ طور پر ہندوستان می ضم کرنے کی طرف ایک قطعی اقدام تھا۔ دسمبر

64ء میں شاستری نے اپنے ایک بیان میں پاکستان سے تعلقات کا ذکر کرتے ہیئے اعلان کیا تھا کہ ان تعلقات میں کشمیر کی نوعیت محض ایک ثانوی مسئلہ کی ہے اور ساتھ ہی ہندوستان ے آئین کی دفعہ 370 کے تحت کشمیر کو جو خصوصی حیثیت حاصل تھی اور جس کی وجہ سے کم از کم اس کی داخلی خودمختار بڑی حد تک قائم تھی اسے ختم کرنے کے لئے بھرپور کاروائی کا آغاز کر دیا۔

برصغیر کے آسمان پر جنگ کے بادل تو پہلے ہی منڈ لا رہے تھے اب گھر کرائے اور گرجنے لگے پہلے رن کچھ کے ریگزاروں پر بجلی گری عجب معاملہ تھا کہ ڑائی کا اصل محرک اگرہ مسئلہ کشمیر تھا مگر اس کا آغاز رن کچھ سے ہا بھلا کہاں شمالی کوہستان ارکہاں جنبی ریگستان، خالص فوجی منصوبہ بندی کے نقطہ نگاہ سے کشمیر کے تصفیہ کیلیئے اس سے زیادہ غیر مناسب مقام ارونہیں ہوسکتا مگر لڑائی رشروع کرنے کے لئے بس ایک بہانہ چاہیئے تھے یوں بھی ہندوستان کو پاکستان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھنے پر مزا آتا تھا خواہ کچھ ہو خواہ بیروی یونین رن کچھ کا سرحدی تنازع کوئی نیا نہیں تھا بلکہ شروع ہی سے چلا آرہا تھا 1948ء میں سفارتی سطح پر اس مسئلہ پر کافی خط وکتاب ہوئی پھر 1955ء میں ار اس کے بعد 1956ء کے آغاز میں سفارتی سطح سے ہٹ کر معاملہ مسلح کارروائی کی صورت میں سامنے آیا چھڈ بیٹ کے مقام پر جھڑپ ہوئی یہ وہ وقت تھا کہ جب ہندستوان امریکی فوجی امداد کی پاکستان میں آمد پر بہت بھنایا ہوا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر پاکستان سے الجھنے کو تیار تھا اسی سال پاکستان کا پہلا آئین بھی نافذ ہا جس کے تنیجہ میں پاکستان میں واقعی استحکام پیدا ہو رہا تھا مزید برآں 1955ء کی بنڈونگ کانفرنس میں پاکستان کی کامیابی کے بعد پاک چین میں روابط میں بھی برابر اضافہ ہو رہا تھا اور خارجی امور میں پاکساتن پہلی بار ایک موثر کردار ادا کر رہا تھا بنڈونگ میں پاکستان کی کامیابی نے نہرو کو اتنا بددل کر دیا تھا کہ ایک موقع پر روہ کانفرنس سے واک آوٹ کر گئے اور انھوں نے اپنی تقریر تک نہیں کی۔

مختصر یہ کہ 1956ء کا سال پاکستان کے داخلی استحکام ار وامور خارجہ میں موثر کارکردگی کے لحاظ سے ایک تاریخی سال تھا ساتھ ہی پاکستان کی عسکری طاقت میں بھی برابر اضافہ ہوؒ رہا تھا اور ہندوستان کو کسی ایسے بہانے کی ضرورت تھی جس میں وہ پاکستان کو الجھا کر استحکام ار وترقی کے واستے سے ہٹا سکے یہ محض خیالی بات نہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ جیسے ہی پاسکتان پننپنے کو آیا ہندستوان ے اسے کسی نہ کسی جھنجھٹ میں الجھانے

ؒ کی کوشش شروع کردی ارو آج تک یہی چلا آ رہا ہے۔

رن کچھ کا معاملہ کچھ ایسا نہیں تھا کہ اسے ایک بھرپور جنگ کا پیش خیمہ بنایا جاتا پاکستان کا دعوی رن کچھ کے 3500 مربع میل پر تھا جب کہ ہنوستان کو یہ کسی طرح منظور نہ تھا اور یہی بات 1965ء کی جنگ کے آغاز کا بہانہ بن گئی غضب یہ ہوا کہ جو بات خود نہ روجیسا مقتدر لیڈر نہیں کر سکا وہ شاستری جیسا نو وارد اور مضحکہ خیز حد تک چھوٹے قد وقامت والا جمالی ارو سیاسی ہر دولا حاسے لیڈر کر گزرا رن کچھ میں مسلح کارروائی میں پیش قدمای کا طعنہ پاکستان کو ضرور دیا جا سکتا ہےگ ؒ ر یہ مسلح کارروائی اتنی سنگین او بڑی نہیں تھی کہ اس کے جواب میں پورے برصغیر کے امن کو ہی داؤ پر لگا دیا جاتا۔ سرحدی جھڑپیں پاکستان اور ہندوستان کے مابین ہوتی چلی آئی تھیں مگر ایک ایسی محدود کارروائی کو جنگ کا درجہ دینا کسی لحاظ سے درست نہیں تھا رن کچھ میں جھڑپیں 1965ء کے آغاز میں ہچکی تھیں مگر باقاعدہ مسلح کاروائی کا آغز اپریل کے پہلے ہفتے ہمیں ہا دونوں ہی طرف سے قوت کا استعمال کرنا شروع کر یدا سرحدی جھڑپوں میں ایئر فورسا کا استعمال اعالن جنگ ک یمترادف ہوتا ہے یہی موقعہ تھا جب پاسکتان فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل اصغر خان نے ہندوستانی فضائیہ کے چیف ایئر مارشل ارجن سنگھ کو بتایا ارو انہیں تنبیہ کہ کہ وہ ایئر فورس کو جھگڑے سے باہر ہی رکھیں ورنہ کھلی جنگ شروع ہو جائے گی اگر چہ ہنوستن کی فضائیہ نے اپنے دائرہ عمل کو محض دیکھ بال نؒ وعیت کی پروازوں تک محدود رکھا تاہم فضائیہ کا استعال خواہ وہ محض مظاہرے کے لئے ہی کیوں نہ ہو الت نگ میں سنگینی نتاج ء کا پیش خیمہ بن سکتا ہے غنیت ہے کہ پاکستان کا رعمل انتہائی معقول رہا ارو نہ شید ساستمر کی بجائے اپریل ہی میں جنگ چھڑ ایت ہندوستانے صرف ہائی قومت کے مظاہرے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چھانہ بریگیڈ کو بھی مسلح جھڑپوں میں جھونک دیا اور اس کی ایک پلٹ سکینڈ ان کمانڈ میجر کرنسل سنگھ ایک ناکام چھاتہ بردار کارروا ء کے بعد پاکستان میں کنگلی قیدی بنالیا گیا۔

30 اپریل کو کچھ میں فائر بندی وہئی اور اس میں برطانوی وزیراعظم مسٹر ہیرلڈ ولسن نے کلیدی کردار ادا کیا سیز فائر کے دو ماہ بعد یعنی تیس جون کو دونوں ملکوں نے لیک معاہدہ پر دستخط کئے جس کی رو سے طے پایا کہ جھگڑے ک یپرامن حل کی کوشش کی جائے گی۔ پاکستان

کی طرف سے اس معہدہ پر دستخط ص ایوب نے ے ء جبکہ ہندوستان کی طرف سے وزیر اعظم شاستیر نے یہ دونوں حضرات اس وقت دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس میں شرکت کلے لندن گئے ہوئے تھے۔

طرف تماشہ یتھا کہ ادھر تو معاہدا میرن پر اعلیٰ ترین سطح پر دستخط ور ہے تھے اروھر بھر پور جنگ کی تیاریاں ہر ہی تھیں شاستری کچھ میں منہ کھانے کے بعد پاسکتان کو دھمیک دےچکے تھے اگ اب کہیں پاسکتان ے کاروائی کی تو ہندوستان اور ارو ہندوستان کی مسلح افواج کو یہ حق استخار ہوگا وہ جہاں جہاں جیسے چاہیں جب جاہیں ہندوستان کے خلاف بھر پور کارر ئای کریں یہ محص دھمکی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں خطرے کاالارم تھا کیون اس اعلان کے ساتھ انہوں نے کشمری می کارگل کے مقام پر تین پاکستنیوں چوکیوں پر قبضہ کرے کدڑھ بھی بمار بیلٹ اور پوائنٹ کے نقصان کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تیس جون کے معاہدے کے بعد چاہتے تو یہ تھا کہ جارحیت کی جگ دستی اور من کا عمل آگے بڑھتا وہ مگراس کے بالکل برعکس فوجیوں کی چھٹیاں منسیخ کردی گئیں ہندوستان کی فوج بشمول ٹینک اروتوپ خانہ چھاوئنیوں سے نکل کر سحدوں کے ساتھعھڑی وگئی پاکستان کی خلاف سخت مخالافانہ پراپیگڈہ شروع کردیا گیا جبوامیں پاکساتن نے بھی وہ یکچھ کیا جو ایسے حلات میں سے کرنا چاہتے اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں طرف فوجیں بیرکوں سے نکل کر میدان میں آگئی یہ وہی بوالجمعی تھی جس کا مظاہرہ بار ہا ہنو پاک تعلّاقت میں بالخصوص سنگین بحران ے زمانہ ارو ہنگامی حالت میں ہوکر ایک ہاتھ میں خاردار ببول کا ڈنڈا اتھا ہوا ہے اودوسرے ہاتھ میں زیتون کی چھڑی طرفقہ تماشا یہ ہوا کہ بھر پور ارو مکمل جنگ چھڑ جانے کے بعد دونوں حکومتی تیں کجو نے امن کے معاودخ پر قائم ریں اوتیں اپریل کی عاریضی یا غیر رسمی فائز بند کے بعد پھر کن چج میں ایک بھی چھوٹی یا بڑی جنگی کارروائی نہیں ہوئی ہر چند کے انہیں سے ملحق راجھتان اور سندھ کے لاتے آگے چل کر ڑے پیمانے پر ہم جنگی کارویئاں ہوئیں جس کے تنیے میں پاکستان فوج نے ایک بڑے صحرالی علاقہ پر قبضہ کیا۔

خالص رن کچھ میں دوبارہ جنگ نہ چھڑنے کی ایک بڑی وجہ بارش کا موسم بھی اس زمانہ اکثر رن کچھ کا علاقہ چھوٹے ساندرونی سنمندر ریا دلدل کی صورت اتیخار کرلا ہے ارووہاں تقل وحرکت جو عام حالات میں بھی بہت داشوار ہوتی ہے عملاً

ناممکن ہوکر رہ جاتی ہے مگر جہاں تک خالص فوجی نقطہ نگاہ کا تعلق ہے تو رن کچھ میں کسی موسم اروکسی حلات میں بھی ایسا علاقہ نہیں جہ جس کو حاصل کرنے کے لئے فوجی کاروائی کا خرچ اروخطرہ مولیا جائے جائے اس کا جواز خواہ کچھ بھی ہو کیوں ہو کم از کم میرے نزدیک تو پورے رن کچھ کا معرکہ ایک قطعی غیر ضوری اروانتہا ی مہنگی کوش تھی اس میں شک نہیں کہ ہنوستان کے سو ما قلہ میں پاسکتان فوج کی کارک دگی اس معکہ میں بدرجہا بہتری رہ یاوراس کا ہمرے حصوول اور عزائم پر بہت اچھا اثر متب ہا مگر ساتھ ہم ہم اس چھوٹے سے خالق قسم کے معرکہ کے سجیلے جوانوں میرے نغمے تمہارے لئے ہیں ایسے پر جوش نغموں پر وارشتہ عرکو دفتو رشق میں یہ تک بھول گئے کہ دشمن جنگ کا دائرہ وسیع کرنے کب یھ کھلی دھمکی دے ہاہے۔

معرکہ چھ کے بعد پورا مغربی پاکستان ماسوا کچھ کے جنگلی محاذ بن گیا ارو پنجاب ک میدان فوجی اروں اور جوانوں فوجی گاڑیوں ٹینکوں توپ خانو رار وجملہ ساز وسامان جنگ سے بھر گئے بڑے شہروں کے بار ہر جگلی فیلڈ ڈ آری تھی جی ایچ کیو راولپنڈی سے منتقل ہو کر ٹالٹیکل ہیڈ کواٹرز کی صورت میں کھاریاں اٹھا آیا تھا جنگز کسی بھی لمحہ شروع ہو سکتی تھی مگر تین جونے کے معاہدے امن کے تحت پہلے تو کچھ سے افواج ہٹنا شروچ ہوئیں اس کے بعد ایک مرحہل وار منصوبے کے طمبق کھلے میدان سے ہٹ کر واپس بیرکوں میں جانا شروع ہوگئیں افواج کے انخلاء کا سلسلہ بھی جاری تھیا کہ کشید گی پھر بڑھنا شوع ہوگئی اروجنگی کارروائیوں کا نقطہ عروج ایک دم سے رن کچھ کی دلدلوں اروریگزراروں سے اٹھ کر کشمیر کے کہشتانوں کی طرف چلا گیا ارو وہاں گرما گرمی شرعع ہوگئی حقیقت یہ تھی کہ فریقیؔ میں سے ابھی کسی کے بھی جی کی حسرت نہیں نکلی تھی اروو ہ معرکہ جسے پاکستان میں حق وباطل کی جنگ کے پس منظر میں دیکھا گیا اس کو شراع کرکنے کے لئے کوئی نہ کوء یمنطقی یا غیر منتصقی جواز پدا کنا تھا اب اس میں شاستری کا کیا رول تھا ہندوستانی فوج کے سربراہ جنرل بے این چودھری کا کیا حصہ تھا جنرلچودھری بکتر بند جنگ یعنی ٹینک وانفیئر کے اپنے وقت کے بہت بڑے ماہر سمجھے جاتاے تھے مگر چونڈہ کی جنگ میں انہوں نے پاین پشہ روانہ مہارات کا کوئی خاص ثبت پیش نہیں کیا گیا پاسکتان میں فیلڈ مارش ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو ارو میجر جنرل اختیر کے ملک کیا عزائم تھے اس کے متعق ہمارے پاس بجز ہنگامی شواہد کے کوئی

مثبت دستاویز ثبوت نہیں البتہ ان شواہد کی روشنی میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے ہ چند درمیانہ درجہ کے دل و دماغ کھنے والوں کے ذاتی عزائم اور خاب ایک ایسی جنگ کا سبب بن گئے جس کی جغرافیائی حدود پر ہر چند کہ بغت مختصر تھے مگر جس کے تیاریخی اثرات پورے برصغیر کی سلامتی اور دفاعی ماحول پر بہت گہرے اور دیگ ؒر ثابت ہوئے۔

میں نہیں سمجھتا کہ کسی بھی ایک فرد یا افاذ د کے گروپ کو اس جنگ کا ذمہ دار ٹھرایا جاسکتا ہے دونوں طرف شکوک وشبہات تھے اور دونوں طرف دلو میں غبار تھا اس غبار کو نکالے کے لئے 1965 جی جنگ اپنی تمام تر پیشہ وارانہ او معروضی بوالجبیو ں کے باوجود ناگزیر ہو کر رہ گیا یک طرفقہ ہوتی سو اس جنگ کا کوئی قطعی اور دیر پا نتجہ بھی نکل سکتا تھا مگر یہاں تو ہمہ خانہ آفتاب است والا معاملہ تھا۔

65ء کی جنگ میں کیا کھویا۔ کیا پایا؟

جس گھن گھرج اوطمراق سے 1965ء کی جنگ کا آغاز ہوا تھا سک ے برعکس نہایت دھیمے اور مبہم انداز میں اس کا انام ہوا مقلہ بغیر ہار جیت کے ختم ہوگیا اور دونوں طرف دل دل میں رہ گئی ہندوستان اپنے جارحانہ عزائم کی تعمیل میں قطعانا کام رہااور پاسکتن کی حکمیت عملی میدان جنگ میں تجربہ کار افتر انو بہادر جوانوں کی بے مثال جرات اروعمدہ کارکردگی ک یباوجودریت کی اعلین ترین سطح پرنا کام رہی۔

جستہ جنگی کاروائی میں پاکستان نے اپنا لوہا ضرور منوایا خواہ رن کچھ میں خواہغ چھب لاہور، سیالکوٹ یارا ستجھن می، مگران کارروائیوں کوموثر انداز میں مربوط نہیں کیا جاسکتا جنگ میں مختلف محاذوں پر علحیدہ حلیدہ مسلح جھڑپوں اورآویزشوں کی شکل تیسیح کے دانوں کی س ہوتی ہے اگرانہیں ٹھیک سے پرویا نہ جائےتو وہ بکھرے ہی رہتے ہیں اروکبھی بھی تسبیح کی مربوط ومنظم شکل اختیار نہیں کرسکتے۔

ہندوستان نے بڑے بھرپور انداز میں بغری کسی العان ے پاکستان پرحملہ کیا اسے اپنی عددی برتری پر بڑا گھمنڈ تھا ارواس کے جرنیلوں کویقین تھا کہ وہ چند ہی گھنٹ ں میں فتح کے شایدانے بجاتے لاہرو میں داخل ہوجائیں گے ارواسی شاہم لاہرو کے جیم خانہ کلب میں جشن فتح منائیں گے اروا پنی فاتح فوج کا جام صحت پیئیں گے اچھنبے کا عنصر مکمل طر پروان کے حقمیں تھا مگرالعی حربی منصوبی بندی انتہائی ناقص اور غیر موثر تیھ ورنہ بجز بی آر بی کے ان رستے میں بھلا کونسی بڑی رکاوٹ حائل تھی پاسکتان فوج کا ایک بڑا حصہ بمعہ بکتر بنداورتوپ خانے کے دستوں کے ساتھ ایک بھارت جم عیت کے چھمپ میں برسرپکا تھا ارواس طرح راوی اروچناب کے درمیان کا علاقہ جس میں شمال میں سیالوکوٹ سیح لے کرجنوب مس ی لاہورتک واقع ہے اروجو ہرلحاظ سے مغربی پاکستان

کا قلب ے ہندوستان یورس سے صرف ایک یا دو روز پہلے تک کھلا پڑا تھا وہاں افواج ضرور تھیں مگر بیشتر اپنی چھائنویں میں اروسرحدوں یک طرف انی کی پیش قدمی اگرچاہ چار پانچ ستمبر کی نصب شب سے شروع ہو چکی تھی مگر وہ ہنوز اپنے دفاعی مورچے پروی طرح سنبھال بھی نہیں پاءتھیں کو چڑھائی ہوگئی ارو پاکستان کو انتہائی عجلت میں اپنے حربی انداز کو مکمل طور پر بدلنا پڑا اروچھمپ میں سریع الرفتار پیش قدمے کے مل کی جگہ لاہر وارو سیالکوٹ بلکہ پورے مغریب محاد پر مدافعانہ حکمت عملی کو اپنا پڑا گویا وہ فعال حکمت عملی جو جن میں فتح کی ضامن ہوتی ہے تو اسی وقت ختم ہوگئی جب ہندوستان نے پای پروی طاقت سے پاکستان پر حملہ کردڈی اور ہم نے اس حملہ کو روکنے کے لئے پل اڑانا شروع کردیئے پل نہ صرف دشمن کی پیش پدمی کے لئے ضروری ہوتے ہیں بلکہ خود اپنی پیش قدمی کے لئے بھی اتنے ہی ضروری ہوتے ہیں ارک اس طرح ان کی باہی سے ونوں طرف کی پیش قدمی کا راستہ رک جاتا ہےاُرو جنگ صرف ایک مدافعانہ کارروائی ہوکر رہااتی ہے۔

اس کے بعد پاکستان کو جنگ میں پش قدمی کی بازیابی کا ایک اور نادر مقوع ملا جو چند وجوہات کی بنا ئپر وینیہ ہاتھ سے نکل گیا مریا مزد یہاں اس کی بکتر بندڈیژن کی کاروائی ہے جو تصور سے شروع ہوئی اروکھیم کرن یکے پورے اسٹیشن پر جا کر ختم ہوگیئے خوذ د 1965ء کی جنگ اور بطور خاص ہماری آرمرڈ ڈویژن کی کارروائی پر اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے ارولکھا جارہوا ہے کہ اب بجز اس جنگ کی ایک مکمل و مستند تاریخ کے مزی ارو کچھ لھنے کی زیادہ گنجائش نہیں ویسے بھی ہم عصر تبصرہ نگاروں کی نگارشات میں یاک بڑا حصہ ناگزیرطوررپ ذات پسندوناپسن یک زیادتی کا ہوتا ہے ارو یہی عنصر بسا اوقت ذاتی جذباتی انتقام کی تشفی اور تشکیل کا باعث بنی جاتا ہے اس لئے سردست میں اس بحث میں الجھنے سے گریز کروں گا میں خود اس نگ پر بہت کچھ لکھ چکا ہوں اور پانے آپ کو کسی طرح بھی ان کزوریوں اورلغزشوں سے باال ترنہیں سمجھ سکتا جو دوسرے تذکرہ نگاروں کے ہاں عام ہیں۔

تاہم یہ حقیقت ہے ارو ہمارے جنگی تجزیہ نگاروں یک بڑی اکثریت اس پر متق بھی نظر آئی ہے قصور کھیم کرن سیکڑے ہماری بکتر بند ڈویژن کا حملہ ہمیں ہرلحاظط سے مہت مہنگا پڑا ہمارا بہت مال اس میں ضائع ہوا ارو ہم اپنی پوری ایک ٹینک رجمت جس میں امریکی ساخت کے تقریباً ٹینک شامل تھے اس وقت کھو بیٹھے جب دشمن نے نہریں توڑکر

ان کی پیش قدمی کی راہ کو دلدل اروجھیل میں تبدیل کر دیا جس کمیں وہ پھنس کر رہ گیئے اروانہیں حالت میں چھوڑ کر ہمیں واپس آنیا پڑا امید مبں ہندوستان ے پھنسے ہوئے ٹینکوں کو نکالا لڑائی میں انہیں استعمال کیا اور لڑائی کے بعد تمام دنیا کے سامنے نہ صرف ان کی نمائش کی بلاہ ترن تارن کے قریب اس مقام کو جہاں یہ ٹینک پھنس کر ان کے عہا تھ لگے تھے پٹن نگر بنا ڈلا۔

یہ حقیقت ہے کہ اگ ہیؔ ہمارا یہ حملہ کامیاب ہو جاتا تو یقیناً جنگ اپانسہ پلاٹ جاتا اور ہم کم سے کم امرتسر تک بہ آسانی پش قدمی کر سکتے تھے لفظار کے باوودا یسا ممن تھا ہمارے اصلی منصوبے کے مطابق جوابی حملے کے لئے ہماری آرمرڈ ڈویژن اور افر نٹی پیادہ ڈویژن کو مشترکہ کارروائی کرنا تھی ارواس مقصد کے ئے ان دونوں کو باقاعدہ بتر بیت بھی داجا چکی تھی مگر جب اصل کام کا وقت آیا تو میجر جنزل بعد میں جنزل آغاز محمد یحیی خان کی کمان ہیں انفرنٹیر ڈیژن تو چھمپ میں پڑی ہئی تھی اروآرمرڈ ڈویژن تن تنہا کھیم کرن سے امرتسر کی طرف پیش پدمی کی غیر موثر کوشش کر رہتی تھی اس کے جلو میں قصور کھیم کرنسیکر میں متنیع تین انفنٹر ی ڈویژن کے چیدہ چیدہ دستے تھے مگر بعداد میں اتنے نہیں تھے جو ایک کامیاب بکتر بند پیش پدمی کے لئے رضور ہوتے ہیں واضح رہے کہ بغیر پیادہ نفری کے بکتر بند جوائی حملہ بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے ٹینک سار دستوں کے دمہ دو اہم کام ہوتے ہیں پہلا یہ کہ وہ تیزی سے ایک وسیع محذ پر حرکت کریں اودشمن کو پیچھے سے آلیں دوسرا یہ کہ اس برق رفستار عمل سے دشمن کی صفوں میں کھلبلی اور مکمل افراتفری پیدا کر دیں اور اسی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر ک حملہ کے بعد دشمن کے علاقہ کہ قبضہ میں لینا اور رہاں پر اپنی پوزیشن کو مستحکم ککرنا پید نفری ہی کا کام ہے نفؔ رنٹی کے بغیر بکتر بند حملہ محض ایک چونکا دینے والی کارروائی ہو کر رہ جاتا ہیج سھج کا دھا کہ تو ہو کستا ہیج مگر نتیجہ نہ وہنے کے برابر ہی وہتا ہے۔

قصور کھیم کرن سیکٹر سے ہمارے جوابی عملے میں پیادہ نفری کے ساتھ ساتھ تیل اور پیٹرول کی شدید کمی تھی نیر انثر ان معاون عناصر کی بھی کم ی تھی جن اتعقل انجر سے تھا اور جس کی وجہ سے متخلف آبی رکاوٹیں مثلاً اس روحی نالہ عبور کر یے لئے وقت پر عاری فوجی نوعیت کے پل وغیرہ صحیح وقت پر نہیں بنائے جا سکے۔

1965k ؁ کی جنگ کے اکثر تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ وماڑے بکتر بند جوای حملہ کی کامیابی پکورے برصغیر کی قسمت بدل سکتی تھی بالفاظ دیگر پاکستان ہندوستان پر فوجی ذرائع کے موثر اسعتمال اوراس میں خ،اطر خواہ کایمبای سے غلبہ حاصل کرسکتا تھا اگرہ میں اس ائے سے متفق نہی ں تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر ہھم ایک دفعہ ؁امرتکسر کے قریب بھی پہنچ جاتے تو پھر ہندوستانی فوج کے پیر اکھڑ سکتے تھے ہندوساتن افواج اورعوام ایسے باحوصلہ نہیں کہ ناکامی کی صورت میں جم کرلڑسکیں۔ نیفا میں چین کے سامنے اوررن چھ میں پاکستانی افواج کے مقابلے میں ہم انے کے حوصلولہ اور ہمت کی پستی دیکھ چکے ہیں اروکم وبیش ہیہ اس سے بھی بدصروت حال 65 میں ہمارے بکتر بند دستوں کی پیش قدمی کے نتیجے میں؁ بھی پیدا ہوسکتی تھی رہا برصغیر کی قسمت بدلنے کا معاملہ سو میں نہیں سمجھتا کہ ایک آرمرڈ ویژن اورای انفرنٹی ڈویژن کبھی بھی ایسا کنے کے اہل ہوسکتی تھی۔ بہحال یہ سب معروضات میں اااونے خلاف اورحق میں متعدد دلائل اورتاویلات پیش کی جاسکتی ہیں۔

جنگ 65ء میں دوایسی کارر ئایاں ہوجائیں جواپنی اپنث جگہ اہم ضورو ہسکت ہیں مگر جہاں تکوری جنگ کی روسش اورنتیے مکمل فتح کا تعلق تھا وہ نہ صرف غیر موثر ہیں؁ بلکہ بڑی حدتک انہیں؁ صحیح راستے سے دورلے گئیں ہم درختوں کو جنگل سمجھ بیٹے ہیں اور جزو میں الجھ کر کل کے تصورادراک کو مکمل طور پرکھو بیٹھے معرکہ رن کچھ کا تذکرہ پہلے آچکا ہے یہ ایک خالص علاقائی نوعیت کی اوراس مقصد کے لحاظ سے محدودحربی کارروائی تھی جسے ہم نے جگ اور جہاد کا درجہ دے دیا اور پھراس بنیادی غلطی کو برابر دہراتے ہیں یہی بنایدی غلطی ہم سے اورآپریش میں سرزدہئی تھی۔

اول الذجر کاروئا ی کے تحت جموں اورکشمر میں چھاپہ مار دستے بھیجے گئے تھے اس امید موہوم پر کہ وہ اپنے حق میں کشمر یکی عوام کی ہمدردیا حاصل کرنے میں کایماب ہجائیں گے اوراسا عین ممکن بھی وہسکتا تھا مگر اعمل کو کایمابنانے میں موثر پیشگی سیاسی کارروائی کی ضروت تھی جسے بالکل نظر انداز کردیا گیا اور منصوبے سے کہیں بڑھ کرتوقع کو کامیابی کی اساس بنالیا گیا نتیج ہاس کا وہی ہوا جوہنا تھا یعنی یہ عمل اپنے آغاز کے مشکل سے ایک ہفتہ کے اندراندر کامیاب ہوگیا اوراس کے ساتھ ہی پیش رفت؁ کا وہو

عنصر جو رن کچھ سے پہلے اوراس کے بعد تک ہمارے پاس تھا تیزی ہمارے ہاتھ سے نکلنا شروع ہوگیا۔

کامیاب منصوبہ بندی کا دارو مدار بڑی حد تک اس پر ہوتا ہے کہ وہ بھر پور مربوط اور فیصلہ کن ہوا اور جہاں تک ممکن ہوا ایک ایسے مقام پر ہو جو مکمل طور پر اپنے ہی حق میں ہوا اور اپنا ہی انتخاب ہوا گر اس حکمت عملی کو چھوٹے چھوٹے غیر مربوط اور ایسے معرکوں میں بانٹ دیا جائے کہ جس جنگ کے آخری مقدر یعنی فتح سے براہ راست تعلق نہ ہو تو پھر ان کی کیفیت بالکل تسبیح کے بکھرے ہوئے دانوں کی ہو کر رہ جاتی ہے۔

جب آپریشان جبرالرکا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو پھر Grand Salam کی تیاری شروع ہوگئی واضح رہے کہ آپریشن جبرالٹر کا دائرہ عمل زیادہ تر شمال تھا جب کہ Grand Salam جنوب میں تھا اور واس طرح متحارب دستوں کا رخ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہتک جوڑنے میں نہ صرف رسل ورسد کی متوقع دشاواریاں تھیں بلکہ وہ اہم مسائل بھی جو اعلیٰ حربی بندی ار وعمل کے اچان بدلنے سے پیش آتے ہیں ایسا عمل نہ صرف زیادہ سے زیادہ وقت کا محتاج ہوتا ہے بلکہ تھکا اور کبھی کبھی حوصلہ شکن و بجھی ہوتا ہے جم کر لڑنے کے لئے متحارب دشتوں کے لے ضرور ہے کہ وہ ایک سے پہلے سے مقرر شدہ علاقہ میں حصول مقصد تک متعین رہں ارو جہاں تک بھی ممکن ہو بے سبب یا گھڑی گھڑی نقل وحرکت سے احتراز کریں اس قسم کی نقل وحرکت نہ صرف جوانوں اور افسروں کے عام مورال پر اثر ڈالتی ہے بلکہ انکے انہماک ارو اتر کاز کو بھی متاثر کتری ہے نیز ملک کی شاہراہوں اور گزرگاہوں پر بھی ٹریفک کے مسائل او بعض اوقات سنگین بحران پیدا کر دیتی ہیں۔

تاہم آپریشن جبرالٹر کے بعد شدید ہندوستان ردعمل کے باعث جو صورتحال پیدا ہوئی اس میں محاذ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوجوں کو نتقل کرنا بالکل ناگزیر ہوگیا تھا۔ ہندوستان نے حاجی پیر پاس اور گردونواح کے علاقوں پر پوری طرقت جس میں پیادہ دستوں کے علاوہ توپ خانہ بھی شامل تھا سے حملہ کر دیا ارو سرحدوں کو بند کر دیا یہاں وہ پہاڑی راستے واقع تھے جس سے ہمارے چھاپہ مار کشمیر کے علاقہ میں گھس جاتے تھے ظاہر ہے اس عمل سے ہماری جنرل منصوبہ بندی ہر طرح سے متاثر ہوء اور جواب میں ہم نے دشمن کو جنوب میں جا لینے

کا متبادل منصوبہ بنایا اس منصوبہ کا نام رکھا گیا اروا اس کا تعلق چھپ کے علاقے سے تھا معرکہ چھپ میں اگچہ ہمیں اچھی کامیابیاں ہوئیں مگر اسے خاطر خواہ کسی لحاظ سے بھی نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کے نتیجے میں ہندوستان کو پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں پر حملہ کرنے کا وہ بہانہ مل گیا جس کی اسے عرصہ جستجو تھی اور اب اچھنبے ارو پہل کے عناصر ہندوستان کے پاس تھے اور ہماری طرف سے محض ردعمل ہو رہا تھا یہ کیفیت مجموعی طور پر لڑائی کے اختتام تک رہی اور اس کے غیر فیصلہ کن انجام کا اصلی سبب بنی اس میں شک نہیں کہ اگر اعلیٰ ترین سطح پر ہماری حکمت عملی بہتر وہتی تو حربی طاقت کے عدم توازن اور مجموعی طور پر ہندوسان کے حق میں وہنے کے باوجود جنگ کا نتیجہ ہمارے حق میں وہسکتا تھتا تربیت اور اعلیٰ مرال ک یا عتبار سے اس وقت ہماری افواج یقیناً ہندوسانی افواج سے کہیں بہتر تھیں نیز آرمی ، آرٹلری ارو ایئر فورس تینوں ہی میں ہندوستان پر فنی برتری حاصل تھی ہمارے ٹینک ،توپ خانے اور فضلائیہ تینوں نسباً جدید تر اسلحے سے لیس تھے اور انہوں نے میدان جنگ میں اپنا لوہا بھی منوایا مگر زیادہ تر بے ربطہ وہنے کی وجہ سے اس کی کارروائیاں اتنی موثر نہ ہوسکیں جتنا کہ ہنا چاہئے تھیں اور جنگ جیتنے کے لئے ضروری تھی۔

ہم جو چاہے کہیں مگر حقیقت یہ ہے ہ سترہ دن کی شدید لڑائی کے بعد دونوں ہی فریق بری طرح تھک چکے تھے اور فائر بندی کے خواہاں تھے ہندوستان کا سارا گھمنڈ نکل کر رہ گیا تھا ارو اقوام متحدہ میں ان کے اعلیٰ نمائندے مسٹر چھاگلہ نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا غلاباً 21 ستمبر کو جہاں تک ان کی حکومت کا تعق ہے تو وہ ابھی اور اسی وقت فائر بندی تسلیم کرنے کو تیار ہے اور پاسکتان بھی اس پر بالکل آمادہ تھا چنانچہ 22-23 ستمبر کی شب کو فائر بندی ہوگئی بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے اپنی ناکامی کا جواز پیش کرتے ہوئے جب ایک موقع پر ہندوستان فوج کے چیف آف اسٹاف جنرل چودھری نے یہ کہا کہ لارہ تک ان کی پیش قدمی میں جو رکاوٹ حائل ہوئی وہ نہر تھی تو انہیں کے صوبہ کے مشہور عالم نقاد اور منصوف چودھری نے پلٹ کر کہا کہ حملہ آرو افواج معمولی آبی رکاوٹوں کو پش قدمی میں اپنا ناکامیابی کا جواز نہیں بنا سکتیں بھلا یہ کہاں کی منصوبہ بنید ہوئی کہ بھر پور حملہ کرنے کے بعد معلوم وہا کہ راستہ بھی نہر بھی ہے کم وبیش یہی ماجرا ہمارے ساتھ کھیم کرن میں پی آیا جہاں ہندوستان نے بند او نہریں توڑ کر سب جگہ پانی

ہی پانی کر دیا اور ہمارے ٹینکوں کو پھنسا کر رکھ دیا اس کی شکایت ایک موقع پر خود جنرل موسی نے اس طرح کی کہ بھلا یہ بھی بکتر بند جنگ کرنے کا کوئی طریقہ ہے میں ٹینک بھیجتا ہوں اُن ہندوستانی انہیں روکنے کے لئے نہروں کے پشتے توڑ دیتے ہیں جنرل موسی کی یہ شکایات اخاقی نقطہ نگاہ سے تو ہو تکی ہے مگر جن ارو محبت ممیں ہر حربہ روا ہوات ہے۔

ایک دوسرے موقع پر جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے ہندوستان فوج کے چیف آف اسٹاف اپنے سابقہ بیان سے بالکل ہی پھر گئے ارو یہ دیا کہ لاہور تک پیش قدمی اور اس پر قبضہ تو سرے سے ہمارے منصوبہ ہی میں شامل نہ تھا ہم تو بس پاکستان کی حربی قوت پر ضرب کاری لگانا چاہتے تھے سو ہم نے لگا دی حقیقت یہ تھی کہ جہاں تک خالص فوجی کارروئای کا تعلق تھا تو پاکستان کی مدافعانہ کارروائی ہندوستان کے جارحانہ عمل سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوئی۔

ہندوستانی فوج کے مورال کا تو یہ حال تھا کہ ان کے جنرل تک میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہندوستان کی 25 انفنٹر ٹری ڈویژن کے کمانڈ میجر جنرل زنن پرشاد کا واقعہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا صاحب موصوف وا ہگہ سیکٹر پر اپنی افواج کی کمان کرر رہے ہیں اور اپنی پیش قدمی کے مقالمہ میں پاکستان کے شدید ردعمل ارو جوابی حملو سے اتنا بوکھلائے کہ میدان چھوڑنے کے ساتھ ساتھ پانی جیپ ارڈائری بھی وہیں چھوڑ گئے جس فوج کے جرنیلوں کی یہ حالت وہ ان کے ماتحت افسر و اور جوانوں کی کیا حالت ہوگی اس کا اندزہ مشکل نہی وہنا چاہئے۔

رہا پاکستان کا تو الحمد اللہ پوری جنگ میں اس سم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جواب اور افسر جہاں بھی ڈٹ کر لڑے غازی بھی بنے شہید بھی ہوئے مگر کیا ہم دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ ہم اپنے اعلیٰتر ین حربی مقصد مسئلہ کشمیر کا تصفیہ کے حصول میں کامیاب ہوئے گیا وہ جنگ جو بھارتکے کسی علاقہ میں ختم ہونا چاہئےتھی دفاع لاہور اور سیالکوٹ پر ختم نہیں ہوئی۔

چھوٹی بڑی کامیاب مسلح جھڑپیں کرنا ارو ہے ما گرانہیں مربوط کر کے جنگ میں فتح حاصل کرنا اور ہے۔

برصغیر میں امریکہ اور روس کی حکمت عملی

مشہور مقول ہے کہ بین الاقوامی تعلقات خواہ کتنے ہی دوستانہ اور مخلصانہ کیوں نہ ہوں بہر حال عارضی وہتے ہیں دائمی صرف قومی مفادات وتے ہیں یہ مقولہ پاکستان اور امریکہ کے باہمی تعلقات پر اتنا ہی صادق آتا ہے جتنا کہ کسی اودویا دو سے زیادہ ملکوں کے تعلقات پر چنانچہ امریکہ ارو پاسکتان کے انتہائی دوستانہ باہمی روابطہ میں 63ء کی ہندوستان سے چین کی نگ کے نتیجہ میں جو ناخوشگوار تبدیلی آئی اس بناء پر امریکہ پر بے وفائی کی تہمت لگانا نہ صرف غلط ہوگا بلکہ بے معنی اور غیر حقیقت پسندانہ بھی امریکہ نے وہی کچھ کیا جو خوداس کے قومی مفاد میں ھا قطع نظر اس کے کہ پاکساتن پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

اگر ہندوستان سے دسوتی اواس دوستی کے صلہ میں ہندوستان کو فراہمی اسلحہ خود امیرکہ کے اپنے قومی مفاد میں تھا تو امریکہ سے گریز کیوں کرتا پاکستان سے دوستی کا یہ مطلب تو ہیں تھا تھا کہ اقتدار کی بین الاقاومی دوڑ میں وہ خود دوسری بڑی قوتوں بالخلصوص روس سے پیچھے رہے بہرحال ہندوستان جنوبی ایشاء کا نہ صرف سب سے بڑا ملک تھا بلکہ آبادی کے لحاظ سے چین کے بعد دنیا کا دوسرا ملک بھی نیز اسے دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا بھی دعوی تھا اور امریکہ اس کا معتفر تھا۔

پھر پاکستان سے امریکہ کو کچھ شکایا بھی ھیںں پہلی تو یہی کہ کوریا کی نگ میں امریکہ کی درخواست کے باوجود پاکستان نے برائے نام بھی وہاں اپنا کوئی فوجی دستہ نہیں بھیجا تھا دوسری یہ ہ کہ عرب اسرائیل تنازع میں وہ ہمیشہ نہ صرف عربوں کی دل کھول کر حمایت کرتا رہا بلکہ اسرائیل کی بھرپور مذمت بھی تیسری یہ کہ امریکہ سے مکمل دوستی کے باوجود ارو ناوابستہ تحریک کا باقاعدہ رکن نہ ہونے کے باوجود پاکستان نے بیشتر امور میں اپنی خودمختاری اور آزادی رائے کو برقرار رکھا تھئای لینڈ اور فلپائن کی طرح

اپنے آپ کو امیر کی حکمت ملی کے تابع نہیں کیا یہ تو محض چند بڑی بڑی شکایات تھیں ان کے لاوہ اور بھی بہت کچھ تھا میرے نزدیک ان میں سب سے زیادہ پاکستان کا وہ تشخص تھا جو بحیثیت ایک مستحکم اور مقتدر اسلامی ملک یک تیزی سے ابھر رہا تھا جو مستقبل میں کسی وقت اوک مکمھل پر بھی اسرائیل کے لئے ایک خطرہ بن سکتا تھا اس خرہ کا ادرکاک اور اامکان کسی طرح بھی امریکہ کے مفاد میں نہیں ہوسکتا تھا اور بنابریں سخت ناپسندیدہ تھا۔

تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امریکہ کی دوستی کی خاطر پاکستان نے روس کی خفگی مول لی اور ایک موقع پر تو بیچ مچ روس سے امنا سامناہ ی ہوگ کیپٹن گیری پادورز کے جہاز کو گرانیا ور اسے گرفتار کرکنے کے بعد خود شچیف نے پاکستان کو دھمکی دی کہ باز اجاؤ گورنہ پاکستان کے نقشہ کے گرد میں لال نشان بناچکا ہوں غرضیکہ بین الاقکامی کاموریں کوئی ایسی ہتم ہوگی جو پاکستان نے امریکہ کی دوستی میں نہیں اٹھائی اس کے علاوہ ہندوستان سے برابنا مشرق وسطی میں مصر کو خفا کیا عراق میں 85ء کے انقلاب اور بغداد پیکٹ کے خاتمہ کے بعد وہاں کی انقلابی حکومت کو ناراض کیا خود اپنی صفوں میں انتشار پیدا کیا اور ملک کی ایک بڑی اکثری بالخصوص مشرقی پاکستان والوں کو مرکز سے بددل کردیا یہ اکثریت مرکز کی امریکہ نواز پالیسی کے سخت خلاف تھی ان کے ان گنت ہمنوا ملک کے مغربی بازو میں بھی تھے۔

روس اور ہندوستان کے تعلقات تو خیر شروع ہی سے دوستانہ چلے آرہے تھے نہرو اپنی روس نوازی کے لئے مشہور تھے دولت مشترکہ کے باہر روس پہلا بڑا لنک تھا جس نے آزادی سے چند ماہ پہلے ہی اپریل 47ء میں ہندوستان سے سفاتری روابط قائم کئے تھے عالمی جنگ کو ختم ہوئے ابھی دوسال بھی نہیں ہوئے تھے اس لئے روس قطعی اس حالت میں نہیں تاکہ وہ معاشی یا دفاعی شعبوں میں ہندوستان کی کوئی مدد کرسکتا مگر پچاس کی دہائی کے وسط تک اس کی حالت بہت سنبھل چکی تھی اروواب وہ سفارتی انظریاتی تعاون کا دائرہ وسیع کرکے معقول معاشی اروعسکری امدادفراہم کرنے کا اعل ہوچکا تھا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات تیزی سے استوار ہنا شروع ہوگئے اس کے برعکس رس پاسکتان تعلقاتمیں تو اسی وقت گرہ پڑگئی تھی جب لیاقت علی خان نے ماسکو سے پہلے آئی ہوئی دعوت کو نظرانداز کرکے واشنگٹن سے بعد میں آئے ہوئے دعوت نامہ کو قبل کیا اروروس کی بجائے امریکہ کے سرکاری

دورے پر تشریف لے گئے۔

لیاقت علی کے دورہ امریکہ کے بعد پاکستان امریکی راوبط بہت تیزی سے بڑھنے لگے امریکہ کو پاکستان اور دیگر ممال ک اس وقت اتنی ہی ضرورت تھی جتنی کہ خود کو ان ممالک کو امریکہ کی تھی جتنا عکصہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے ہوئے ہوا تھا اس سے کچھ ہی ززیادہ عرصہ امریکہ کو امور اور بین الاقوامی سیاست میں آئے ہوئے ہوا تھا امریکہ آہستہ آہستہ جغرافیائی سیاست کے اس خلاء کو پر کر رہا تھا جو عالمی جنگ کے بعد برطانیہ کے روبہ زوال ہونے کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہتھا اور اس کی معیشت عسکری قوت اور داخلی استحکام جنگ کے نتجیہ میں بڑی حد تک درہم برہم ہو چکا تھا اور امریکہ کو عالمی اشترا کیت سے نمٹنے کا ایک تاریخی موقع مل گیا تھا۔

مزید برآں امریکہ اس وقت تک دنیا کی واحد جوہری طاقت بن چکا تھا جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی کے شہروں کی تباہی اس کی مہیب جوہیر قوت کا ثبوت تھا اوروں کا تو خیر کہنا ہی کیا خوؑد روس کی کیا مجال تھی جو امریکہ کے سامنے چوں تک کرتا چنانچہ جب روس نے ایران سے آذر بائیجان کا ور کروسانی علاقوں کو آزاد اشترا کی ریاستوں میں تبدیل کرنا چاہا اور امریکی صدر ٹروین نے دھمکی دی کہ یا تو اپنا منصوبہ ترک کر و یا پھر جوہری حملے کیلئے یار ہو جاؤ تو اسٹاللین جیسے مرد آہن کو بھی پسپا ہونا پڑا اور اس طرح ایران میں اشترا کی نظام کے قیام کا روسی منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔

اسی طرح اشترا کی قوتوں کے مقابلہ میں امریکہ کی بڑھتی ہوئی عسکری قوت روایتی ارو جوہری دونوں اس پالیسی کا محرک اور پس منظر بن گئیں جو صدر ٹرومن کےؔ نام سے دنیا کے سامنے آئی اور آج تک اسی نام سے مشہور ہے صدر ٹرومین نے امریکی کانگیرس کے سامنے اپنے نظریہ کی تعریف اروتشریح ان الفاظ میں کی ریاستہائے متحدہ امریکہ کی پالیسی اب یہ ہونا چاہئے کہ جہاں بھی آزاد ممالک کو مسلح اقلتیوں کی طرف سے غلبہ کا خدشہ ہو یا ان پر بیرونی دباؤ ڈالا جا رہا ہو تو امریکہ ان کی بھرپور مدد کرے ہر چند کو ٹرومین ڈاکٹرائن خاص طور پر یونان اروتر کی تناؤ میں وضع کیا گیا تھا مگر اس کا اطلاق ضرورت ارو امریکہ کے صوابدید کے مطابق کہیں بھی ہوسکتا تھا ارو یہ داخلی انتشار خانہ جنگی ارو بیرونی حملہ دونوں صورتوں میں استعمال کیا جا سکتا تھا۔

ٹرومین ڈاکٹرائن کے لگ بھگ دو سال بعد 1949ء میں

معرض وجود میں آ گیا اور اس طرح عالمی اشتراکیت کے انسداد کے لئے امریکہ کھل کر سامنے آ گیا۔ اور اس ن کوس اور چین جواب ماؤ تنگ کی قیادت میں عوامی چین بن چکا تھا کے چاروں طرکف عسکری نوعیت کے معاہدوں کا گھیراؤ النا شروع کر دیا بغداد پیکٹ اور سیٹو اسی عسکری چکر کے دو ذیلی کے چکر تھے۔

اس مختصر شرتح کے بعد کم از کم اتنا واضح ہو جانا چاہئے کہ اس وقت پاکستان سے دوستی کر کے امریکہ اس پر کوئی خاص عنائیت نہیں کر رہا تھا اس لئے کہ عالمؒی سیاست کی بساط پر وداسے پاکستان جیسے اہم مہروں کی شدید ضرورت تھی اور اسی وکہ سے پاکستان کا ورامریکہ کی دوستی کا نکتہ ارتکارذ عسکری ہی رہا احساس عدم تحفظ کا مارا ہوا پاکستان اسلحہ کا طلب گار تھا اور امریکہ خود اپنی عالمی سیاست کے تقاضوں کے مطابق پاکستان کو مناسب حد تک مسلح کرنا چاہتا تھا فرق صرف خطرے کے ادراک اوک دشمن کے تعین کا تھا پاکستان کو خطرہ صرف ہندوستان سے لاحق تھا اس کے احساس عدم تحفظ کا منبع ہندوستان کا وہ جارحانا ندا تھا جو اس یروز اول ہی سے اس کی طرح اختیار کیا جب کہ امریکی منصوبہ بندی کا اہم ترین حصہ اور تقاضاہ یہ تھا کہ پوری دنیا خاص تور پر نو آزاد ایشیائی مما لک کو اشتراکیت کے خلاف مسلح کیا جائے اور پاکستان اس مقصد کیلؒ ئے ایک موزوں ترین ملک تھا امریکہ ہندوستان کا بھی بھرپور تعاون چاہتا تھا مگر ایک تو خود ہندوستان نہرو کی قیادت میں جس عالمی مقام کا متمنی تھا اسے تلاش کر رہا تھا دوسری طرف خود امریکہ خاص کر صدر ٹرومین کو نہرو کے اشتراکی نظریات اروعزائم سے خدشہ تھا چنانچہ جب چیسٹر باؤلز کا بحثیت سفرئی دہلی میں تقرر ہوا تو صدر ٹرومین نے انہیں بطور خاص ہدایت کی کہ وہ معلوم کریں نہرو کمیونسٹ تو نہیں؟

54ء کے شروع میں صدر آئزن ہاور نے پاکستان کے لئے فوجی امداد کا اعلان کیا اروا س کے فوراً ہی بعد دونوں ملکوں کے تعلقات اتنے بڑھے کہ داخلی اور خارجی امور میں فرق معدوم وہکر رہ گیا بہر حال امریکہ چوں کہ بے حد احباب وسیع اور طاقتور تھا سا لئے مقابلہ میں پاکستان کا دب جانا ایک لازمی امر تھا صدر ایوب خان نے تو اپنے 61ء کے دورہ امریکہ کے دوران کانگریس کو خطاب کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ایشیاء میں کوئی ایسا ملک ہے جو ہمیشہ ہر حالت میں امریکا کا ساتھ دے گا اور جس کی سرزمین پر ہمیشہ امریکا کا استقبال کیا جائے گا تو وہ

صرف پاکستان کا ہے ایوب خان کا یہ بیان ایسا بے جا بھی نہ تھا بشرطیکہ امریکہ بھی دوستی کا حق ادا کرتا اور ہندکستان کے معاملہ میں اگر پاکستان کی عملی مدد بھی نہیں کرتا تو کم از کم ان خطرات کے ادراک میں اس کا ہمنو ااور ہمدرد ہوتا جو اسے اشترا کی روس یا چین کے مقالمہ میں ہندوستان کی طرف سے کہیں زیادہ لاحق تھے مگر وہا تو بس ایک ہی خطرہ تھا او وہ تھا اشترات کا جو ایک بین الاقوایم خطرہ تو ضرور ہو سکتا تھا مگر ضروری نہیں کہ ایک علاقائی ،قومی اور مقامی خطرہ بھی ہوتا امریکہ کے حلیفوں کو خواہ وہ پاکستان ہو یا ترکی یا اردن اور سعودی عرب کسب کو امریکہ سے ایک بڑی شکایت یہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی خالص ان کے اپنے قومی مفادات کا سوال آتا ہے امریکہ اپنے دوستوں کی طرف ایک عجیب قسم کی بے رحمی، کعدم توجہی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ لکرنے لگا تا ہے مقابلہ چاہے ہندو پاکستان کا ہوا چاہے ترکی یونان کا بسلسلہ قبر کئے عرب اسرا ئیل کا آخراس قسم کی یکطرفہ دوستی کا فائدہ ہی کیا ہے؟

ادھر 62ء کے ہندو چین مسلح تصادم کے بعد پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں سرد مہری آئی ادھر امریکیہ نے ہندوستان سے پنگیں بڑھانا شروع کر دیں مگر ابتدائی گرمجوشی کے بعد جذبات جلد ہی ٹھنڈے پڑ گئے اب بھلا کہاں سیدھا سادھا دوستی نبھانے والا پاکستان ارو کہاں پیچ در پیچ اروامریکہ سے بھی زیادہ ہوشیار اور اپنے مفاد سے وابستہ ہندوستان ناوابستہ تحریک کے متعلق ایک دفلعہ خود نہرو نے کہا تھا کہ Non Alignemnt بجا مگر بین الاقوامی امور میں کیا سوال پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک طرف تو ہندسوتان امریکے سے اقتصادی بدلہ لیتا رہا یہ اور بات ہے ہ اس امداد کا بیشتر حصہ دوسرے ذرائع سے ہتھیاروں کی خریداری اروفراہمی پر صرف ہور ہا تھا اور دوسری طرف روس سے بھی بھرپور فوجی امداد حاصل کرتا رہا جس میں جدید ترین لڑا کا طیارے، میزائل، ٹینک سب میرین سب کچھ شامل تھا 60ء کی دہائی کے آخر تک روسی فوجی امداد کی مجموعی مالیت سات سوملین ڈالر ہو چکی تھی مزے کی بات یہ تھی کہ ادائیگی روپے یا برآمدات کی صورت میں وہنا تھی۔

ادھر تو ہندوستان تیزی سے روس کی طرف جھک رہا تھا ادھر ہندو پاکستان امرو میں امرکیہ کی غیر جانبداری سے بددل ہوکر پاکستان کسی اروسایہ عافیت کی تلاش میں تھا پڑروسی ملک چین نے خود اپنی مجبوریوں کے باوجود پاکستان کا حصہل بڑھایا او ہرطرح اس کی مدد پر آمادہ ہوگی اب برصغیر میں امریکہ کے مقابلہ می چن کا بواسطہ پاکسان اور روس کا بواسطہ ہندوستان

اثر ورسوخ بڑھانے لگا اور امریکہ علیحدگی کی پالیسی پر چل پڑا اس کی بڑی وجہ تو مشرق بعید خاص کر ویت نام کی تیزی سے بگڑتی ہوئی صورتحال تھی 64ء میں وہاں جنگ کی صورتحال پیدا ہوگئی تھی اور 65ء میں امریکہ نے باقاعدہ بمباری شروع کر دی اور خود کو ایک طویل اور نہ جیتنے والی جنگ میں پھنسا دیا۔

چنانچہ جب 65ء میں ستمبر کی جنگ کا آغاز ہوا تو امریکہ نے فوراً ہی ہندوستان پاکستان کو فراہمی اسلحہ پر پابندی لگا دی بالفاظ دیگر اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا فوجی معاہدوں کی وباء کے زمانہ میں جان فوسٹر ڈلس نے غیر جانبداری کو غیر اخلاقی قرار دیا تھا بلکہ میل کے الفظ سے یاد کیا تھا مگر جب امریکہ نے یہ حکمت عملی اختیار کی تو بیچارہ پاکستان بجز ٹک ٹک وعدم دم نکشید م کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ورنہ بھلا دوست اور دشمن کو ایک ہی ترازو میں تو یہ کہاں کا انصاف ہے مگر امریکہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ باقاعدہ پاسکتان کا مذاق بھی اڑایا جنرل موسیٰ اپنی کتاب کے صفعہ اٹھاون پر ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں مجھے بعد میں معلوم ہوا اس روز 17 ستمبر 65 میں مسٹر اوالٹر میکنا نگی سفر امیرکہ مقیم راولپنڈی سصدر سے ملاقات کے لئے گئے ملاقات کے دوران کم از کم تین موقعوں پر سفیر امریکہ نے صدر پاکستان کو بتایا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہندوستان نے آپ کو گردن سے پکڑ لیا ہے اس پر صدر نے جواب دیا کہ ابھی کے معلوم ہے کہ کس نے کس کو گردن سے دبوچا ہے۔

اس اکیلے واقعے کی اپنی جگہ اہمیت ہو نہ ہو تا ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عین اس وقت جب پاکستان اپنی تاریخ ک یسنگین ترین بحران میں گھرا ہوا تھا اروسچ مچ موت وزیست کے مسئلے سے دوچار تھا اس کی طرف امریکہ کا رویہ دستوانہ تو کجا سفارتی ہمدردی ارو دلجوئی کے معیار پر بھی پورا نہیں اترتا تھا اس طرح پاکتان جس پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے، کی صورت حال سے دوچار ہوگیا۔

امرکیہ کی طرف سے اسلحہ اور فاضل پرزوجات کی فراہمی پر پابندی پاکستان کو بالکل بے دست وپا کرنے کے مترادف تھی پاکساتنی مسلح افواج کا تمام تر دارومدار امریکی ساخت کے اسلحے پر تھا بالخصوص پاک فضائیہ کا جو سو فیصد امریکی جہازوں پر مشتمل تھا اور جن کا تمام تر گولہ بارو فاضل پرزہ جات حتی کہ پہیوں کے ٹائر بھی امریکہ سے ہی آتے تھے اور جن کے بغر ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا ارو پاک آرمی کے بیشتر ٹینک امریکی ساخت کے تھے توپ خانہ کی درمیانہ

اور بھاری توپیں امریکی تھیں نیوی کی واحد سب میرین غازی جو 71ء کی جنگ کے دوان خلیجی بنگال کے قریب شہید کردی گئی بھی امریکہ سے ادھار لی گئی تھی بالفاظ دیگر مسلح افواج کے تقریباً تمام متحرک اور ضرب لگانے والے عناصر امریکیہ السحہ پر مشتمل تھے اور اسلحہ کی فراہمی کا دروازہ اب پاکستان پر بند ہو چکا تھا۔

پاکستان کے برعکس ہندوستان کی حالت جنگ میں کہیں زیادہ موافق تھی نقصانات اٹھانے کے باوکجو داس کے اسلحہ خانے میں طرح طرح کے ہتھیار تھے روسی امریکی برطانوی فرانسیسی اور دیسی یعنی ہندوستان جب کہ پاکستان میں ہتیار تو کجا گولیہ بارود بھی نایا تھا ان حالات میں پاکستان کا امریکہ سے مایوس او بددل ہونا لازمی تھا رہا ہندوستا سو وہ اس حد تک تو امریکہ سے ضرور خوش تھا کہ اس نے روسی اور عسکری نوعیت کے معاہدوں کے باوجود پاکستان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ترجیحی سلوک نہیں کیا برصغیر کے معاملاس سے امریکی عملی کنارہ کشی کے نتیجے میں اسے روس سے بھی اور بھی روابط بڑھانے پڑے اس کی ایک بڑی وجہ پاکستان کے حق میں چین کا نتائی دوستانہ رویہ بھی تھا آپ کو یاد ہوگا جب ہندوستان جنگ تراز و ہرہی تھی اوکک مشرقی پاکستان پر ہنوستان کے اچانک حملے کا خدشہ بڑھ رہا تھا تو چین نے ہندوستان کو متنبہ کیا تھا کہ وہ شمال مشرقی سرحدوں پر سے اپنے فوجی مورچے ہٹھا لیں اور نہ پھر سنگنی تنائج بھگتنے کے لئے تیار ہیں۔

ہندوستان کو چین کی تنبیہ الٹی میٹم سے کم نہ تھی اروا س لٹی میٹم نے ہندوستان کی جنگ کو دائرہ بڑھا کر مشرقی پاکساتن پر اچانک حملہ کرنے سے باز رکھا تاہم امریکہ کی عدم دلچسپی سے برصغیر کی جغفرافیائی سیاست اور ماحول میں جو خلا پیدا ہوگیا تھا وہ بہت غرصہ تک یونہی نہیں رو ہ سکتا تھا اور اسے صرف روسی ہی پر کرسکتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور غالبًا 1931ء کے روس افغانستان معاہدہ کے بعد پہلی بار روس جنوبی ایشیا بشمول افغانستان کی سیاست میں بڑی شان سے واپس آ گیا امریکہ اس وقت تک ویت نام میں بری طرح الجھ چکا تھا اور جنوبی ایشیاءؒ سے لاتعلق ہو چکا تھا۔

22-23 کی درمیانی شب کو جنگ بندی ہوگئی چند ہی روز بعد فائر بندی کی نگرانی کے لئے اقوام متحدہ کی ٹیم بھی آ گئی وقتاً فوقتاً جھڑپوں کے علاوہ سیز فائر خاصی مستحکم رہی مگر اس پورے عرصے میں امریکہ نے برصغیر میں امن کی بحالی کے سلسلہ میں کوئی قابل ذکر پش قدمی نہیں

کی اور میدان سوویت یونین کے ہاتھ آ گیا روس نے متحارب فریقین کو تاشقند میں کانفرنس ٹیبل پر لا بٹھایا اس طرح 65ء کی جنگ انجام کار سوویت یونین کی عظیم سفارتی فتح بن گئی جبکہ پاکستان اور ہندوستان کو اس سے بجز نقشند و گفتہ بر اخواستند کے شاید ہی کچھ اور حاصل ہوا ہو۔

کشمیر کا مسئلہ اسی طرح معلق رہا پاکستان ے بہت سوچا کہ اس کے لئے کوئی خود کار مشن یا تنظیم قائم ہو جائے گا مگر کامیابی نہیں ہوی کانفونس سے چار جنوری سے دس جنوری تک جاری رہی اوصرف ایک حتمی فیصلہ جو ہوسکا وہ یہ ھا کہ فریقین پچیس فروری تک اپنی مسلح اوفاج اوک افراد کو ان تک ہٹالیں گے جہاں پردہ 5 اگست 65ء تک متعین تھا۔

5 اگست وہ دن تھا جب آپریشن جبر کالٹر کا آغاز کیا گیا۔

اعلان تاشقند اور اس کے بعد

سوویت یونین کے 10 نوری 66ء کا معاہدہ تاشقند اس سفارتی عمل کی تکمیل تھا جس کی وساطت سے وہ برصغیر ہند پاک کے معاملات میں بھرپور طریقہ سے داخل ہکا اور دیکھتے ہی دیکھتے ثالث اعلی کا درجہ کا ور حیثیت حاصل کر گیا یوں تو عمل دخل اس وقت ہی شروع ہو چکا تھا جب معرکہ رن کچھ کے فوکراً بعد روسی سرکاری حلقوں نے اس توقع اور خواہش کا اظہار کیا کہ ہندوستان اور پاکستان دونں ہی کا مفاد اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ باہمی معالمات بشمول کشمیر پرامن ذرائع سے طے کرلیں اور مسلح تصادم سے مکمل طور پر گریز کریں۔

اگرچہ اس بیان میں ہندتان او پاکستان دونں ہی کو مخاطب کیا گیا تھا مگر اس کی اہمیت پاکساتن کے لئے یوں بہت زیادہ تھی روس نے پہلے با جانبداری سے احتراز کرتے ہووئے پاکستان اور ہنستان دونوں کو برابری کا درجہ دیا اور اس طرح اس ہندوستان ناز پالیسی سے بڑی حد تک ہٹ گیا جو برصغیر کے معاملات میں اس ناخاتیر کر رکھی تھی روسی منصوبہ ساز اب اس نجتیہ پر پہنچ چکے تھے کہ اگر برصغیر میں امن استحکام اروسلامتی کی فضا رکھنا ہے تو پھر ہندوستان اور پاکستن دونوں کا تعاون حاصل کرنا ہوگا بالفاظ دیگر یہ اعتراف تھا اس اہمیت اور اثر ورسوخ کا جو پاکستان برصغیر ارو عالمی امور میں حاصل کر چکا تھا اس سے پیشتر یہ بات بالکل ناقابل تصور تھی کہ روس کسی معاملہ میں بھی ہندسوتان کے مقابلہ میں پاسکتان کو برابر کا فریق سمجھ کر کوئی ایسا قدم اٹھائے گا جس میں پاکساتن کی حمایت کا ذرا سا بھی شائبہ نہ ہو۔ 65ء میں پہلی بار ایسا ہوا ارو رن کچھ میں ہندوستان کے ساتھ مسلح تصادم ے وقع اور اس کے نتیج میں پیا شدہ کشیدگی کی فضا کے باوجود روس نے پاکستان کے ساتھ نہ صرف سفارتی عمل کو فروغ دیا بلکہ اسے ٹھوس مالی امداد بھی فراہم کی۔

اگست 65ء کے تیسرے ہفتہ کے آغاز میں روس نے پاکستان کو ایئرپورٹ کی تعمیر کیلئے

ضروری مشینری کی خریداری کے لئے ڈیڑھ کروڑ روپے کا قرضہ دیا یہ وہ وقت تھا جب ہنکستان اور پاکستان کی کجنگ عملاً شروع ہوچکی تھی آپریشن جبرالٹر کا نہ صرف آغاز بلکہ اختتام بھی ہوچکا تھا گجرات کے قریب اعوان شریف کے سرحدی گاؤں پرچھب میں متعین توپ خانے کی گولیاں ہورہی تھی اور جنگ کے سیاہ بادل سب طرف پھیل کربس برساہی چاہتے تھے ایسے نازک مرحلہ پر چاہئے تو یہ تھا کہ سوویت یون ہندوکستان کے ساتھ اپ یروایتی اورتاریخی دوستانہ تعلقات کے پیش نظر مکمل طور پکک اس کا ساتھ دیتا اس کی حمایت کرتا مگراس نے ایسانہیں کیا اور ہندوستان کی نراضگی اور برہمی کے باوجود پاکستان سے بھی ٹھوس بنیادو پر اپنے روابط بڑھاتا رہا روسی پواٹ بیورو کے ترجمان کا خبارا پراوہ نے یہاں تک لکھا دیا کہ روس اور ہندوستان کیک روایتی دسوتانہ تعلقات کی طرح روس اور پاکستان کے تعلقات بھی ایشیاءمی امن، آشتی اور استحکام پیدا کرکنے میں بھرپورادا کریں گےاوراس طرح پاکستان اور ہندوستان میں امتیاز اورترجیحات کی پالیسی کوختم کردیا گیا۔

جس روز چارستمبر کپاکستان نے اکھن کی طرف پیش قدمی کرتے ہئے جویاں پر قبضہ کیا اسی روز وزیراعظم کوکسیجن نے برملا اس طخرہ کا اظہارکیا جوان کے مالک کی سرحدوں سے متصل علاقہ میں جھگ چھڑجانے سے خودان کی سلامتی اورودفاع کولاحق ہوسکتا تھا ارو جب دودن بعد ہندسوتانی افواج نے بغیر اعلان جنگ کے پاسکتان کی بین الاقوامی سرحدوں پرحملہ کردیا تو کوسجین سخت برہم ہوئے اور ہندوستان سے فوری فائر بندی کا مطالبہ کیا ساتھ ہی اس پر اصرار بھی کیا کہ وہ اپنی افواج کو کشمیر میں خطہ متارکہ جنگ او ردوسرے علاقوں میں بین الاقوامی سرحدو کے پیچھے ہٹالیں۔

اگرچہ ہندوستان نے روس کی تنبیہ کے باوجود بین الاقوامی سرحدوں سے اپنی افواج نہیں ہٹائیں اورلڑائی پورے زورشور سے جاری رہی پھربھی سوویت یونین نے پانی مصالحانہ کوششوں کونہیں چھوڑا۔

امریکہ تو فریقین پرفراہمی اسلحہ کی پابندی لگانے کے بعد اپنا دامن چھڑا کربیٹھ چکا تھا سوویت یونین کے لئے اس سے بہتر بھلا اروکون سا موقع ہوسکتا تھا کہ وہ برصغیر کے معاملات میں اپنے موثر کردار کو منوا کراسے پوری طرح مستحکم بھی کرے یہ امر عالمی سطح پر نہ صرف اس کی بڑھتی ہوئی قوت کا کھلا اعتراف تھا بلکہ بحثیت امن پسند طاقت کے اس کے اثرورسوخ

میں توسیع کا مظہر بھی نیز اس امر کا پورا امکان اور سوویت یونین کے لئے خدشہ بھی تھا کہ اگر پاکستان کو یوں تنہا چھوڑ دیا گیا تو پاک چین روابط جو پہلے ہی انتہائی دوستانہ اور مستحکم تھے مزید مستحکم ہو جائیں گے اور اس طرح ایک تو چین کو برصغیر میں قدم جمانا موقع مل جائے گا دوسرے امریکہ پاک چین روابطہ کو بہانہ بنا کر انکی مدد کو آ جائے اور اس طرح روس ہندتان تعلقات میں تیسرے فریق کی حیثیت اختیار کر لے ہر چند کہ اس وقت امریکہ برصغیر میں بالکل غیر جانبداری اور عدم دلچسپی کی حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی مگر حالات کی مناسبت سے اس پالیسی کو بدلنے میں بجز سوویت یونین کی اپنی بروقت اور فعا حکمت عملی کے اور کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔

چنانچہ عین اس وقت جب جنگ جارحیت کے شدید ترین مرحلہ میں واصل ہو کر تراز و ہو رہی تھی کوسیجین نے ثالثی پیش کش کی اور پہل بمار متحاب فریقین کو تاشقند آ کر امن کی بات چیت کرر کنے کی دعوت دی روس کی پیش کش اور دعوت کے متعلق پاکستان اور ہندستان دونوں ہی کا ردعمل ملا جلا تھا جنگ اس وقت ایسے مرحلہ میں تھی کہ اگر چہ اس میں واضح کامیابی کے امکانات عملاً معدوم ہو چکے تھے تاہم علاقوں پر قبضہ جمانے کا انہیں ہتھیانے کے امکانات کافی تھے اور فریقین کی یہی کوشش اور خواہش تھی کہ سیز فائر کے وقت ان کے پاس زیادہ سے زیادہ مفتوحہ علاقہ ہوتا کہ جب امن مذاکرات کے دوران لین دین کا موقع آئے تو اس کا پلڑا بھاری ہو اور وہ اس طرح زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔

سوویت پیشکش پر ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان کا ردعمل زیادہ مشہور تھا اور ایوب نے اس سے اصولی طور پر اتفاق کرتے ہوئے یہ شرط لگائی کہ مجوزہ ملاقات اور مذاکرات کی کامیابی کے لئے اس بات کی بے حد ضرورت ہے کہ سب سے پہلے انکے لئے زمین ہموار کی جائے اور ان کے نزدیک اس کا بہترین طریقہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پاکستان کی حمایت تھی سوویت یونین کونسل کا مستقل اور مقتدر رکن تھا اور ہے اور اگر چاہے تو یہ کام بہت خوبی سے انجام دے سکتا ہے۔

پاکستان کے اطمینان اور خوشنودی کے لئے سویت یونین نے اس امر کی توثیق بھی کی کہ ہندوستان کے ساتھ پاکستان کی جنگ میں سوویت یونین کا رویہ بالکل معروضی اور غیر جانبدارانہ ہے اور اس بارے میں قطعی کوئی شک نہیں کرنا چاہئے۔

22-23 ستمبر کی شب سیز فائر ہو گئی اس کو مستحکم ہوتے ہوئے اور اقوام متحدہ کی امن افواج

کو آتے آتے چھ سات ہفتے لگ گئے مگر اس اثناء میں تاشقند مذاکرات کے سلسلے میں روس کی سفارتی کوششیں برابر جاری رہیں بالآخر پاکستان نے 11 نومبر 65ء کو روس کی پیش کش کو منظور کرلیا مگر شاستری نکتہ آفرینی کرتے رہے یہ وہی شاستری تھے جن کی حکومت کے نمائندہ متعین اقوام متحدہ چھاگلہ صاحب فوری طور پر سیز فائر کر کے قرارداد کو تسلیم کرلیا تھا اور جو اس کے نفاذ کیلئے پاکستان سے کہیں زیادہ مضطرب تھے مگر جب سیز فائر ہو گئی اور مذاکرکات کا وقت آیا تو ہندوستان نے اپنی روایتی لیت ولعل اور ٹال مٹول سے کام لینا شروع کر دیا شاستری کا کہنا یہ تھا کہ وہ صدر ایوب سے صرف اس وقت ملیں گے جب وہ جنگ اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال پر ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مکمل رشتے اور تعلق پر گفتگو کرنے کے لئے تیار ہوں مراد اس سے یہی تھی کہ پاکستان جھگڑے کی جڑ یعنی مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کے لئے بھول جائے اور سیز فائر لائن کے ساتھ ساتھ جس کے پاس جتنا علاقہ ہو اس کی بنیاد پر چھوٹی کشمیر کی تقسیم پر اراضی ہو جائے۔

بین الاقوامی تعلقات اور امور میں ہندوستان کی حکمت عملی کا یہ بنیادی اصول رہا ہے کہ وہ صرف اپنے ہی موقف کو سچا دوست سمجھتا ہے اور دوسرے کے موقف کو ماننا تو کجا اس پر ہمدردانہ غور کرنے پر بھی تیار نہیں ہوتا اور یہ رویہ صرف پاکستان کی طرف نہیں بلکہ چین اور امریکہ جیسے بڑے ممالک اور نیپالی اسکم بھوٹان جیسے چھوٹے ہماریوں کے باب میں اختیار کرتا ہے۔

بہرحال سوسویت یونین کی پیہم کوشش اور خود وزیراعظم کوسیجن کی ذاتی تگ ودو بارآور ہوئی اور 4 جنوری 1966ء کو خود کوسیجن کی زیرنگرانی تاشقند میں ہندو پاکستان مذاکرتا شروع ہو گئے مذاکرت شروع ہی سے بحران کا شکار معلوم ہوتے تھے پاکستان مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے لئے ایک مستقل بندوبست کارو خدکار مشن پر مصر تھا اس کا موقف تھا کہ جب تک فساد کی اصلی جڑ کو ہی نہیں کاٹا جائے گا مستقل بنیاد پر امن قائم نہیں ہو سکے گا مگر ہندوستان کشمیر پر پاکستان کے حق کو صرف اس حد تک ماننے کے لئے لتیار تا کہ موجودہ سیز فائر لائن ہی کو اپنی جگہ منجمد کر کے مستقل بین الاقوامی سرحد کا درجہ دے دیا جائے چنانچہ معاملات بجائے سلجھنے کے اور بھی الجھنے لگے اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے فریقین بغیر کسی نتیجے پر پہنچے ہوئے واپس چلے جائیں ے ظاہر ہے یہ صورت حال وزیراعظم کوسیجن کو کسی طرح بھی منظور نہیں ہوسکتی کیوں کو اس کے نتیجے میں وہ پاکستان اور ہندوستان دونوں ہی کی دوستی سے ہاتھ دھو لیتے اور ان کے ملک اور خود ان کی ساکھ کو

زبردست دھچکا پہنچتا اس طرح جوں توں کر کے 1 جنوری 1966ء کو اعلامیہ تاشقند جاری کر دیا گیا اور اس طرح برصغیر میں سوویت یونین کی کوششوں کے نتیجے میں عارضی امن وسکون کی فضا پیدا ہوگئی۔

پاکستان کے حق میں یہ پیش رفت ہوئی کہ وہ روس سے قریب تر ہوگیا اور امریکہ وچین کے ساتھ ساتھ روس کو بھی دوست بنانے میں کامیاب ہوگیا پاکستان اور روس کے باہمی تعلقات میں قربت کا ایک لازمی نتیجہ ہندوستان کا روس سے بدگمان ہو جانا تھا اور اس طرح آزاد کے بعد پہلی بار روس اور ہندوستان کے تعلقات میں عدم استحکا کی سی کیفیت پیدا ہوگئی جو کم وبیش 1971ء تک جاکری رہی ہو چونکہ 1965ء کی مجموعی طور پر پاکستان کے لئے بے ثمر ثابت ہوئی تاہم سفارتی میدان میں اس نے پاکستان کے مقام کو بلند تر کیا اور اس کو ایک کثیر الجہت خارجہ پالیسی اختیر کرنیکے اہل بناسب سے بڑی بات یہ تھی کہ روس سے قریب تر آنے کے باوکود پاک چین روابط میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اووہ نہ صرف حسب سابق دوستانہ رہے جبکہ مزید مستحکم ہوگئے اور اس کا سب سے بڑا مظاہرہ اسلح افواج کی اس تقریبی پریڈی ہو جولڑائی کے بعد پہلی 23 مارچ 1966ء کو یوم پاکستان کے موقع پر راولپنڈی میں منعقد ہوئی اس پریڈ میں امریکی ساخت کے F-82 سیبر جیٹ اور F-14 اسٹار فائیٹرز کے شانہ بشانہ چینی ساخت کے MIG-19 فضا میں اڑتے نظر آئے ارو امریکی کے ساتھ چینی T-09 ٹینک زمین پر دندناتے دکھائی دیئے پاکستان کو اپنی جنگی نقصان پورا کرنے کے لئے اور اپنی افواج کو نئے اور جدید اسلحہ سے لیس کرنے کی اشد ضرورت تھی اور ماضی کے برعکس اس نے یہ ہتھیار جہاں سے بھی بن پڑا حاصل کئے اور چین اسلحہ کے ساتھ روسی اسلحہ کی فراہمی کی کوشش کو بھی جاری رکھا۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی میں دو نکات ہمیشہ کلیدی اہمیت کے حامل رہے پہلا نظریہ اسلام اور دسرا دفاع، پاکستان نے ہر حات اور ہر صورت میں اسلامی مما لک سے اسلامتی خوت کی بنیاد پر تعلقات مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے ہر چند کہ اس تگ وود میں اسے کوئی موقعوں پر انتہائی صبر آزما اور حوصلہ شکن حالات کا سامنا کرنا پڑا کبھی افغانستان کی جانب سے کبھی مصر کی طرف سے کبھی لیبیا کی بدلتی ہوئی سیماب صفت خارجہ حکمت علی کے نتیجے میں تاہم پاکستان کبھی اپنے مسلک سے نہیں ہٹا اور آج تک اس پر روز اول کی طرح ڈٹا ہوا ہے پاکستان کی دوسری اہم ضرورت یعنی

دفاع اس کے اس گرے عدم تحفظ کے احساس کا نتیجہ اور مظہر تھا جو ہندوستان کے مسقل معاندانہ طرز عمل اور وقتاً فوقتاً مسلح جارحیت کی صورت میں رونما ہوتا رہا اور نظریاتی پہلو کے بعد اس کی خارجہ حکمت عملی کا دوسرا بڑا ستون بن گیا دفاع سے متعلق پاکستان کی خارجہ پالیسی کا سب سے اہم بلکہ ناگزیر یہ پہلو فرکا ہمی کا سلسلہ چلا آرہا ہے خصوصاً امریکہ اور روس جیسی بڑی طاقتوں سے جن کے ساتھ پاکستان کے باہمی روابہ کا مرکزی نکتہ تمام تر ہی فراسہ ہے یا پھر وہ اقتصادی امداد ہے جس سے بالواسطہ اسہ کی فرا کا بندوبست وسکے چنانچہ دوستی یا عدم دستوی کا معیا فراہمی عدم فراہمی کا سلسلہ چلا آرہا ہے یہی حال کچھ ہندوستان کا بھی تھا چوں کہ اسلحہ سازی کے میدان میں وہ پاکستان سے بے حد آگے تھا اور فراہمی اسلحہ کے بارے میں روس کا مکمل تعاون ابھی تک اسے حال تھا اس لئے امریکہ کی طرف سے عائد کردہ پابندی اوجنگی نقصانات جو پاکستان وے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھے کا اس پر نسبتاً بہت کم اثر پڑا لیکن جو بات ہندوستان کو بری طرح کھٹک رہی تھی وہ یہ تھی کہ روس پاکستان سے کیوں اپنے تعلقات استوار کر رہا ہے اور اس کو از سر نو مسلح کرے میں کیوں اس اس کی تھوڑی بہت مدد کر رہا ہے اس میں شک نہیں کہ پاکستان کسے دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں روس نے واقعی بڑی جرات سے کام لیا تھا کیوں کہ پاکستان ہنوز سینٹو اور سیٹو کا رکن تھا اور پشاور کے قریب بڈبیر پر ابھی ٹک امریکا کاریائی دیکھ بھال اور جاسوسی نظام کا اڈہ قائم تھا مگر خود روس کا قومی مفاد بھی برصغیر کی پرامن اور مستحکم صورتحال سے وابستہ تھا اور اسی مقصد کے حصول کے لئے ہندوستان کے ساتھ ساتھ اسے پاکستان کے پورے تعاون اور اعتماد کی بھی ضرورت تھی ہر چند کہ یہ حقیت اپنی جگہ پر بالکل واضح تھی مگر ہندوستان کو پھر بھی گوارہ نہیں تھا خارجہ امور میں اکثر اس کا موقف یہی رہا ہے کہ اگر آپ ہمارے ساتھ نہیں ہیں تو پھر ہمارے خلاف ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر ہم سے دسوتی کرنا ہے تو پھر پاکستان کو بھول جاؤ اور حقارت سے نظر انداز کردو 1967ء میں ایوب خان روس کے سرکاری دورہ پر ماسکو تشریف لے گئے اور وہاں صدر بریز نیف، وزیر اعظم کوسیجن اور دوسرے روسی زعما کے ساتھ باہمی مذاکرات میں منجملہ اور امور کے جن میں فنی اور اقتصادی امداد ایسے موضوعات سرفہرست تھے فراہمی اسلحہ کا ذکر آیا جب صدر ایوب نے اس ضمن میں روس کس بیست خرابی کی شکایت کی اور کہا کہ آج دو سال ہونے کو آئے مگر فرہمی اسلحہ کا معاملہ وہیں ہے مگر فراہمی اسلحہ کا معاملہ ابھی تک وہیں ہے جہاں تھا اور اس میں کوئی بھی معقول پیش رفت نہیں ہوئی تو اس پر صدر برزنیف نے جواب دیا کہ اچھا تر پھر انتظامات کی مدت

گھٹا کر دو سال کی چوتھائی یعنی چھ ماہ کر دی جائے گی اور سر دست ایوب کو خاموش ہوتے ہی بن پڑی۔

آئندہ سال اپریل 1968ء میں وزیر اعظم کوسیجن پاکستان تشریف لائے اور اسی پاکستان نے امریکہ کو نوٹس دے دیا کہ وہ بڈ بیر سے اپنا اڈہ ہٹالیں اس کے فوراً بعد روس سے ترسیل اسلحہ کے معاملہ اور بندوبس کی گویا توثیق ہوگئی اور جب اسی سال جون میں پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل آغا محمد یحییٰ خاں ایک فوجی وفد لے کر ماسکو گئے تو ان کی بے حد پذیرائی ہوا اور آداب سفارت کی مکمل پابندی کے ساتھ ساتھ اسلحہ کے سلسلہ میں پاکستان کی خریداری کی فہرست پر پورا غور کیا گیا اور اسے اصورلی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔

اعلان تاشقند کے فوراً بعد جن اسلحہ کی فرکاہمی پر روس رضامند ہوا تھا ان میں بیشتر ٹرک جیپ اور کچھ ہیلی کاپٹر شامل تھے یہ تمام سامان اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر جارحانہ تھا جنرل یحییٰ سے مذاکرات کے بعد پاکستان کی فراہمی اسلحہ کی فہرست میں ٹینک، توپ خانہ ایم آئی جی طیارے اور الیوشن اٹھائیس بمبار بھی شامل کر لئے گئے۔

ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان کی فراہمی اسلحہ کی فہرست اب بھی انتہائی مختصر تھی حقیقت میں ان دونوں میں کوئی مقابلہ نہیں تھا مگر توقع کے عین مطابق ہندوستان کی طرف سے اس کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا مسز گاندھی جو اس وقت ہندوستان کی وزیر اعظم تھیں نے جلد ہی وزیر اعظم کوسیجن کو ایک خط لکھا اور انہیں پاکستان کو فرہمی اسلحہ کے خطرات سے آگاہ کیا نہوں نے لکھا کہ اس طرح روس اور ہندوستان کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوجائے گی مگر اس کے باوجود ہندوستان کے نے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کے آئندہ دوہ روس کے پروگرام کو یونہی چھوڑ دیا اور التوا تو کیا مگر اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی یہی وہ سفارتی پختگی اور فراست ہے جس کے ذریعہ ہندوستان نے پاکستان کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی پیچیدگی پیدا کی ہے خواہ وہ پاک امریکی تعلقات ہو یا پاک سوویت یا دولت مشترکہ میں پاک برطانیہ۔

جواب میں وزیر اعظم کوسجین نے مسز گاندھی کو یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں روس سے ہندوستان سے دوستی اپنی جگہ پر ہے اور پاکستان کو محدود فراہمی اسلحہ سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا مگر مسز گاندھی کا شکوہ اور پاکستان کے خلاف ان کا محاذ اپنی جگہ پر رہا اور کوسجین کی تسلیاں ان کے اطمینان قلب کے لئے کافی ثابت نہیں ہوئی۔

وہ دل کہ جس کو خدا پر نہ اعتبار آئے
تسلیوں سے اسے کیا میری قرار آئے

پاکستان کیلئے روسی اسلحہ اور ہندوستان کا واویلا

میں ایک خاص نکتہ پر زور دیتا رہوں کہ پاکستان کی دفاعی استحکام یا عدم استحکام کے برے میں تشویش اور اس من میں فراہمی اسلحہ کی پیہم کوشش اور ہندوستان کا اس پر مخالفانہ ردعمل برصغیر کی سیاست کے مستقبل عنوان میں پاکستان کی ہتھیار بندی کو اگر ہندوستانی قیادت کی چڑ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا آزادی کے روز اول سے ہوتا کچھ یوں آیا ہے کہ ادھر پاکستان نے اپنی مسلح افواج کو جدید تر بنانے کی ذرا سی بھی کوشش کی اور ادھر ہندوستان نے واویلا شروع کر دیا کہ دیکھو پاکستان ہم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

حالانکہ ہر وہ ملک جہاں پیشہ ور مسلح افوراج ہوں یہ از بس ضروری ہوتا ہے کہ مسلح افواج کو وقتاً فوقتاً جدید اسلحہ فراہم کیا جائے تاکہ وہ ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوسکیں جو انہیں اپنی ہی ٹکر کی دوسری افواج اور قوتوں سے لاحق ہوسکتے ہیں نسبتاً چھوٹی آباد اور رقبہ والے مما لک کو جدید اور بہتر اسلحہ کی یوں اور بھی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ زیادہ تعداد او وزن کا مقابلہ جو کہ اکثر فریق کے مخالف کے حق میں ہوتے ہیں اعلیٰ کارکردگی، بلند حوصلگی اور ان سب سے زیادہ اعلیٰ معیار کے اسلحہ سے کریں اب اسرائیل کو دیکھ لیں جس نے ہمیشہ اپنے جدید تر اسلحہ اور تربیت کے بل بوتے پر عرب افواج کی اکثریت کو بالکل غیر موثر کر کے رکھ دیا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر 1965ء میں پاکستان کے حربی قوت کے تینوں شعبوں آرمی، توپ خانہ اور فضائیہ میں مقدار میں کمی کے باوجود بہتر کارکردگی کا عنصر شامل نہ ہوتا تو پھر عین ممکن تھا کہ ہندوستان افواج آپنے عزائم میں کامیاب ہوجاتیں اور پاکستان چھمپ، لاہور، قصور اور چونڈہ کے معرکوں میں وہ کچھ نہ کر پاتا جو اس نے کر دکھایا پاکستانی توپ خانہ اس وقت امریکی درمیانہ اور بھاری توپوں سے مسلح تھا بکتر بند دستوں میں M-47 اور M-48 قسم کے ٹینک تھے پاک فضائیہ میں F-86 جیٹ تھے B-57 بمبار تھے F-104 لڑاکا اسٹار فائٹر تھے جو انہیں شعبوں میں

ہندوستانی اسلحہ سے نسبتاً بہتر تھے اور ان سر پر ہمارے افسران اور جوانوں کو تربیت بھی اعلیٰ درجے کی ملی

تھی اس لئے انہوں نے انتہائی موثر انداز میں ہندوستان کی عددی قوت کو مقابلہ کیا اور اسے ہلا کر رکھ دیا ویسے بھی پاکستان جیسے ملک کے لئے جس کے دو انتہائی اہم صوبے یعنی پنجاب اور سن حربی گہرائی سے عاری ہیں اور جہاں کی بڑی شاہراہوں اور ریلوے لائنوں کا رخ شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال پر ہے اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ گہرائی کی اس کمی کو مصنوعی طور پر مضبوط دفاع اور بہتر حربی اور آتشین قوت کے ذریعے پر کرے چنانچہ اس کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ اپنی افواج کو ہتھیار بندی کی ایک خاص سطح پر رکھے تا کہ اس طرح خلا کو بھر سکے جو میدانی اور قدرتی رکاوٹوں سے عاری طویل سرحدوں کو گہرائی کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی باعث مرحوم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان پاکستان کو سپاہی کا ڈراؤنا خواب کہا کرتے تھے کہ جس کی سرحدیں انتہائی طویل چترال سے ساحل مکران تک اندازاً دو ہزار میل قدرتی رکاوٹوں سے خالی اور حربی گہرائی سے عاری ہیں۔

یہاں یہ نکتہ واضح ہو جانا چاہئے کہ شمال جنوب کے برعکس شاراں اور ریلیں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف اس وقت چل سکتی ہیں جب حربی گہرائی معقول ہو۔ ہندوستان میں تو دونوں صرف کی ٹریفک ہے یعنی شمال جنوب میں پنجاب سے تامل ناڈو تک اور مشرق و مغرب میں بنگال سے لے کر گجرات تک مگر اس نا قابل تردید جغرافیائی حقیقت کے باوجود ہندوستان نے فراہمی اسلحہ کے باب میں پاکستان کے ساتھ ذرا بھی فراخدالی سے کام نہیں لیا 50ء کی نصف دہائی میں بھی امریکہ اسلحہ پاکستان پہنانے بھی نہ پایا تھا کہ آجہانی پنڈت نہرو نے اس کے خلاف زبردست احتجاجی بیان دینے شروع کر دیئے سفارتی اور ابلاغ عامہ دونوں ہی ذرائع سے انہوں نے امریکہ پر پورا زور ڈالا کہ وہ فوراً پاکستان کو فراہمی اسلحہ کا سلسلہ بند کر دے اور جب وہ اپنی مہم میں خاطر خواہ طور رپ کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ امریکی ہتھیاروں کی درآمد سے برصغیر میں جو حربی عدم توازن پیدا ہوا ہے اس کے باعث اس خطہ کے احالات یکسر بدل گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مسئلہ کشمیر کی نوعیت بھی یہ نوعیت کیوں اور کس طرح بدلی اس کا کوئی واضح جواب نہیں دیا گیا۔

پاکستان کی فراہمی اسلحہ کی کوشش کے ضمن میں ہندوستانی رویہ کی ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسے شکایت صرف اسی وقت ہوتی ہے جب یہ ہتھیار آسان شرائط پر روس یا امریکہ سے آئیں اس کے

برعکس اگر پاکستان اس قسم کے ایران سے بہتر اسلحہ فرانس، جرمنی برطانیہ یا اٹلی سے حاصل کرے تو پھر ہندوستان کے نزدیک کوئی حرج نہیں کیونکہ اس قسم کے سودے عموماً نقد ادا کرو اور لے جاؤ کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور پاکستان جیسا چھوٹا اور غریب ملک یا تو نقد ادائیگی کے بار کو برداشت ہی نہیں کرسکتا یا پھر اتنا کرسکتا ہے کہ اس طریقہ سے دو چار جہاز، دس بیس ٹینک سو پچاس توپ خانے کی توپیں خرید لے اور بس مگر اسلحہ کے مکمل نظام کو حاصل کرنا اس طریقہ سے ممکن نہیں اس طرح خوردہ خریداری میں اگر اسلحہ اکھٹے کر بھی لئے جاتیں تو غیر مربوط ہونے کے باعث غیر موثر رہیں گے اور تنظیم کی جگہ انبار کی شکل اختیار کریں گے ظاہر ہے اس قسم کی صورتحال حال کسی بھی ملک اور اس کی باقاعدہ فوج کو منظور نہیں ہوسکتی لہذا اسے پانی ضروریات پوری کرنے کے لئے لامحالہ روس یا امریکہ یا پھر دونوں ہی سے رجوع کرنا پڑتا ہے کیوں کہ دوسرے مما لک مثلاً فرانس اور برطانیہ ان کی جملہ ضروریات پوری کر ہی نہیں سکتے خواہ ان کے ساتھ ہتھیار روسی اور امریکی ہتھیاروں سے نسبتاً بہتر ہی کیوں نہ ہوں۔

رہا چین تو وہ بے شک دوستوں کا دوست ہوتا ہے اور جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے ہمیشہ اور ہر وقت اس کی مدد کو آیا ہے مگر اس کی مجبوریاں اور اپنے حدود ہیں مزید برآں پاکستان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ہر دوسرے تیسرے سال اپنے ہتھیاری نظام میں بڑی بڑی تبدیلیاں کرے اس لئے صرف ایسے ہتھیاروں کی ضرورت رہتی ہے جو فنی لحاظ سے اتنے آگے ہوں کہ آئندہ آٹھ دس سال تک ان کا ساتھ دیتے رہیں اس قسم کے ہتھیار آسان شرائط یا تو روس فراہم کرسکتا ہے یا امریکہ چنانچہ خود ہندوستان اپنے تمام تر اسلحہ یا تو مکمل بنے بنائے روس سے حاصل کرتا ہے یا پھر روس کی اجازت اور تعاون سے اپنے ملک میں بناتا ہے اس کے علاوہ جہاں سے جو بھی نیا ہتھیار اس کے ہاتھ لگتا ہے اس کے حصول میں قطعی پس و پیش نہیں کرتا مگر جب اس قسم کا بندوبست پاکستان امریکہ کے ساتھ کرتا ہے تو ہندوستان کو سب سے بڑی شکایت یہ ہوتی ہے کہ اس طرح ہتھیاروں کی کے ساتھ ساتھ برصغیر کے معاملات میں امریکہ جیسی سپر پاور کا عمل دخل بھی شروع ہو گیا ہے اب یہ کون پوچھے کہ کیا ہندوستان کو روسی اسلحہ کی فراہمی سے اس عمل کو فروغ نہیں ملتا۔

اعلان تاشقند کے بعد ہندوستان کے ساتھ ساتھ پاکستان اور روس کے تعلقات بھی بہتر ہونا

لازمی تھے سو ہوئے اور ہندوستان اس پیش رفت سے گھبرا گیا میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بڑی طاقتوں سے پاکستان کی دوستی اور تعلقات کا ایک اہم ترین عناصر فکرا ہمی اسلحہ ہی رہتا ہے بالخصوص 65ء کی جنگ اوراس کے نتیجہ میں امریکی اسلحہ کی فراہمی پر مکمل پابندی کے بعد پاکستان کو ہر قسم کے اسلحہ کی شدید ضرورت تھی یہ ضرورت بڑی حد تک تو چین نے پوری کری کچھ مغربی جرمنی اور برازیل نے جہاں سے منہ مانگے داموں پاکستان نے استعمال شدہ امریکی ہتھیار خاص کر F-68 سپر جیٹ طیارے اوران کے فاضل پرزہ جات وغیرہ خریدے باقی ضروریات کے لئے اس نے روس کا رخ کیا روس نے بھی اس کا خاطر خواہ جواب دیا یہ سلسلہ 66 میں شروع ہوااور 67ء میں صدر ایوب کے اور 68ء میں جنرل یحییٰ کے دورہ ماسکو کے بعد ایک باقاعدہ بندوبست کی شکل اختیار کرنے لگنا ہر چندہ کہ ہندوستان کو روسی اسلحہ کی فراہمی کے تسلسل میں ذراسی بھی رکاوٹ واقع نہیں ہوئی تھی ہی مقدار اور اقسام اسلحہ کی فراہمی کے تسلسل میں ذراسی بھی رکاوٹ واقع نہیں ہوئی تھی نہ ہی مقدار اور اقسام اسلحہ میں پاکستان کا اس سے کوئی مقابلہ تھا پھر بھی ہندوستان نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اس میں خود آنجہانی اندرا گاندھی پیش پیش تھیں اور ہندوستان کے دوسرے اکابرین بشمول جناب مرارجی ڈیسائی جن کو شاید ہم اپنا بڑا ہمدرد سمجھتے ہیں شریمتی کی آواز میں آواز ملا رہے تھے مسز گاندھی نے شکوہ کیا کہ سوال ہتھیاروں کی مقدار کیوں کہ یہ بہر صورت ہندوستان کے حق ہی میں تھی کا نہیں بلکہ اصول کا ہے اوراس تبدیلی کا ہے جو اعلان تاشقند کے بعد برصغیر کے معاملات میں روسی رویہ میں آئی ہے اور جو ہندوستان کے بلاشرکت غیر دوستی کے اصول کے خلاف ہے لوک سبھا میں حزب اختلاف نے بھی روس کی بدلی ہوئی حکمت عملی کو موضوع بحث بنایا اور حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی ہ اس تبدیلی کا بروقت ادراک کیوں نہ کسر کی اور اس کی پیش بندی میں کیوں ناکامیاب رہی سوتنتر پارٹی اور جن سنگھ جیسی دائیں بازو کی جماعتوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر امریکہ پاکستان کو اپنے ہتھیار ہندکوستان کے خلاف استعمال کرنے سے باز نہیں رہ رکھ سکا تو پھر روس کیسے رہ سکتا ہے مزے کی بات یہ تھی کہ ابھی ایک کیل بھی روس سے پاکستان نہیں پہنچی تھی سوویت یونین نے انہیں لاکھ سمجھایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے روسی ہتھیاروں کی وجہ سے ہندوستان کو پاکستان کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا مگر بھلا وہ کس کی سننے والے تھے۔

وہ تو اس پر مصر تھیں کہ ایسا ہونا لازمی ہے بالفاظ ودیگر یا تو پاکستان کو تنہا چھوڑ دیا

پھر ہماری ناراضگی مول لو انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان میں روسی ہتھیاکوں کی آمد

سے پورے برصغیر میں سرد جنگ کی فضا پیدا ہوجائے گی خود مسز گاندھی نے روس کے خلاف ان الزامات سے اتفاق کرتے ہوئے پارلیمان میں ایک زوردار بیان دیا جسکا لب لباب کچھ اس طرح تھا۔

''ان حالات میں ہمیں بجا طور پر تشویش لاحق ہے ظاہر ہے کہ روسی ہتھیاروں کی آمد سے پاکستان کی حربی قوت میں اضافہ ہوگا نتیجہ میں لازمی طور پر برصغیر میں کشیدگی اور بڑھے گی اور اس کے ساتھ ہماری دفاعی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوجائے گا پاکستان پہلے سے بھی زیادہ سخت رویہ اختیار کرے گا پاکستانی قائدین کے حالیہ بیانوں سے اس کی تصدیق ہوجات ہے۔''

اگرچہ کسی اور ملک کی طرح سویت یونین کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ خود بھی فیصلہ کرے کہ اسے کیا کرنا چاہئے اور کون سی بات اس کے حق میں ہے مگر ہم اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہمیں سویت یونین کی نیت پر کوئی شک نہیں البتہ ہمیں اس امر کا یقین ہے کہ سوویت یونین کی پاکستان حکمت عملی کسی طرح بھی برصغیر کے پائیدار امین مور سلامتی کی فضا قائم کرنے میں مدومعاون ثابت نہیں ہوسکتی۔

مگر یہ سب کچھ کہنے کے بعد بھی جب سوویت یونین کے خلاف قرارداد پیش کی گئی تو مسز گاندھی نے اہل تدبر اور فراست سے کام لیتے ہوئے اسے کامیابی سے مسترد کردیا انہوں نے قرارداد کے خلاف دو وجوہات پیش کیں پہلی یہ کہ 54ء میں پاکستان کو امریکی فوجی امداد کے اعلان کے بعد کوئی قرارداد باقاعدہ پاس نہیں کی گئی اور دوسری یہ کہ ہندوستانی عوام کے جذبات پہلے ہی سے سوویت یونین تک پہنچا دیئے گئے اس لئے اب مزید کارروائی کی چنداں ضرورت نہیں اس طرح دوسو کے مقابلہ میں اکسٹھ ووٹ سے قرارداد مسترد کردی گئی۔

ہم فساد کی جڑ یعنی روس کا پاکستان کی طرف جھکاؤ چونکہ اپنی جگہ قائم رہا اس لئے ہندوستان کے ساتھ اس کے تعلقات میں سرد مہری آ گئی یہاں تک کہ جب اسی سال ستمبر میں روس کا ایک اعلیٰ اختیاراتی وفد مذاکرات کے لئے نئی دہلی آیا تو ہندوستانی اخبارات نے اس کی طرف خاصا درشت اور کھرا لہجہ استعمال اور یہاں لکھ دیا کہ یہ لوگ یعنی روسی اس شان سے ہندوستان آئے ہیں جیسے کسی استعمال قوت کا وفد اپنی نو آبادی میں وغیرہ وغیرہ اس کے ساتھ ہی ہندوستان نے ابلاغ عامہ اور رسفارتی دونوں ہی ذرائع سے یہ بھی جتادیا کہ ہندوستان اور روس کی دوستی محض

یک طرفہ نہیں اور روس کو درستی کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی خود ہندوستان کو اسلئے ہندوستان اب

بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں چین کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرے گا۔

بہر حال ہندوستان کی برہمی کے باوجود تھوڑے بہت روسی اسلحہ پاکستان آنا شروع ہو گئے ان میں بیشتر تو جیپ اور ٹرک کی شکل میں تھے مگر تھوڑا بہت توپ خانہ اور بکتر بند دستوں کا اسلحہ بھی آیا ہر چند کہ پاکستان افواج روسی اسلحہ کے استعمال سے واقف نہیں تھیں اور نہ اس کی عادی تھیں مگر انہوں نے کمال سرعت اور مہارت سے ان پر عبور حاصل کیا اور انہیں اپنے مختلف دستوں میں شامل کر لیا یہ پاکستان کی قوت اخذ کا بین ثبوت تھا روس اس سے انتہائی مطمئن تھا کہ پاکستان نہ صرف سفارتی سطح پر بلکہ ایک درمیانہ درجہ کی دوستانہ فوجی قوت کے لحاظ سے بھی اس کے معیار پر پورا اتر رہا تھا اور اس طرح برصغیر میں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی طاقت کا توڑ ہو سکتا تھا ظاہر ہے کہ روس کو ہرگز یہ منظور نہیں ہو سکتا تھا کہ ہندوستان اتنا مضبوط ہو جائے کہ چین کی طرح اس کے علاقہ میں ایک اور خطرہ بن جائے اور نہ ہی یہ کہ پاکستان امریکہ کی طرح روس سے بھی مایوس ہو کر بالکل چین کی آغوش میں جا بیٹھے طاقت کے اس قسم کے عدم توازن کے باعث خود روس کے اثر ورسوخ کو سخت نقصان پہنچ سکتا تھا اور عالمی اقتدار کی کشمکش کے تناؤ میں اس کا سب سے بڑا فائدہ امریکہ کو پہنچنا لازمی تھا ظاہر اس اس ظالمانہ دوڑ میں ہر وہ بات جو امریکہ کے حق میں ہو گی وہ روس کے خلاف ہو گی یہی وہ عوامل تھ جو پاکستان کے حق میں روس کی نئی حکمت عملی کے پیچھے کارفرما تھے۔

مارچ 1969ء کے وسط میں روس کے وزیر دفاع پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے مارشل گرٹیچکو نہ صرف وزیر دفاع تھے بلکہ کمیونسٹ پارٹی اور سوویت پولیٹ بیورو کے ایک اہم اور مقتدر رکن بھی تھے پاکستان میں ان کی آزاد اور خالص فوجی آداب اور شان کے ساتھ ان کا استقبال سوویت پاکستان فوجی اشتراک کا نکتہ عروج تھا۔ ان کے استقبال کے انتظامات اور ذرائع ابلاغ سے وسیع پیمانے پر ان کی تشہیر سے چوں کہ راقم الحروف کا خاص تعلق تھا اس لئے اس کی تفصیل برمحل اور دلچسپی سے خالی نہ ہو گی میں اس وقت افواج کے محکمہ تعلقات عامہ کا سربراہ تھا۔ مجھے جنرل یحییٰ نے مارشل گریچو کے استقبال انکے

قیام کے دوران مختلف تقریباً جو تقریباً ساری کی ساری فوجی نوعیت کی تھیں کی بھرپور تشہیر کے لئے خاص

ہدایت دیں انہوں نے کہا کہ دو کہ کی ہر خبر کو جی بھر کے اچھالو خود ان کے الفاظ یہ تھے دستاویزی فلم بناؤ ریڈیو ٹیلی ویژن اور اخبار ہا میں پوری کوریج کرواں سب کے علاوہ مسلح افواج کے ہفتہ وار اخبار ''ہلال'' کا خاص باتصویر ایڈیشن نکالو جس میں اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی کا حصہ بھی شامل ہو چنانچہ ہدایت پر پوری طرح عمل کیا گیا مہمان محترم اور ان کے وفد کو دورہ کے اختتام پر جب خدا حافظ کہنے ایئر پورٹ پر خاص الوداعی تقریبی رسومات ہوئیں ان میں وفد کے افراد کو فرداً فرداً تصاویر کی ایک ایک البم اور ہلال کے خاص ایڈیشن کی محلّہ کا پیاں بھی پیش کی گئیں۔

مارشل گریچک جب پاکستان تشریف لائے تو اس وقت ملک ایک عظیم بحران سے گزر رہا تھا مشرقی خط میں وسیع پیمانے پر فسادات ہو رہے تھے مغربی پاکستان کی حالت بھی ابتر تھی صدر ایوب کے ساتھ سیاست دانوں کی گول میز کانفرنس ناکامیاب ہو چکی تھی اور مارشل لاء کی خبریں فضا میں گشت کر رہی تھیں سب کی آنکھیں پاکستانی فوج اور اس کے سربراہ پر لگی ہوئی تھیں کرسی صدارت پر اگر چہ ایوب خان ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے مگر اقتدار کی کنجی اب ان کے ہاتھ سے کر جنرل یحییٰ کے پاس جا چکی تھی جنرل یحییٰ اور ان کے شرکاء کو اس کا نہ صرف پوری طرح ادراک و احساس تھا بلکہ علم بھی وہ اپنے کاغذی منصوبوں کو آخری شکل دے چکے تھے بس مناسب وقت کے منتر تھے چنانچہ مارشل گریچکو راولپنڈی تشریف لائے تو ہوائی اڈہ پر جنرل یحییٰ نے ایک عظیم الشان استقبالی تقریب کا اہتمام کیا اور راولپنڈی میں موجود تمام سرخ فیتے والے فل کرنل اور اس کے اوپر کے عہدوں کے افسران کو لا کھڑا کیا۔ عموماً ایسے موقعوں پر کمانڈر انچیف ان کے ملٹری سیکریٹری اور اے ڈی سی کے علاوہ جی ایچ کیو کے چاروں پرنسپل اسٹاف آفیسرز لاگ ایری اسٹیشن کمانڈر اور ایک دو اور متعلقہ افسر شامل ہوتے ہیں مگر اس روز غالباً 8 مارچ 1969ء راولپنڈی کا ہوائی اڈہ سرخ فیتے والے افسران سے بھرا ہوا تھا مقصد یہ تھا کہ ایک تو مہمان کو پہلی ہی نظر میں پاکستانی فوجی کے اعلیٰ معیار کا اچھا خاصا اندازہ ہو جائے اور دوسرے اس امر کا بھی کہ پوری پاکستانی فوجی یحییٰ خان کے پیچھے کھڑی ہے۔ اس مظاہرہ کا مہمانوں پر بظاہر خاطر خواہ اثر ہوا۔

ایک اور اہم واقعہ جو اس دوران پیش آیا وہ ایک مشترکہ ہوائی اور زمینی جنگی مشق تھی

جس کا بطور خاص اہتمام کیا گیا تھا۔اس مشق میں روسی ٹینک اور توپ خانا ستعمال کیا گیا یہ ہتھیار صرف چندروز پہلے پاکستان پہنچے تھے مگر جس سرعت سے پاکستانی جوانوں اورافسروں ان پرمہارت حاصل کی وہ واقعی اتنی قابل ستائش تھی مارشل گریچکو غالاً چودہ مارچ کوایک ہفتہ کے دورے کے بعد وطن واپس تشریف لے گئے اورصرف گیارہ روز بعد ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا اس سال مئی میں وزیراعظم کوسیچن پاکستان تشریف لائے اور جنرل یحییٰ خان جواب صدر یحییٰ خان بن چکے تھے سے انتہائی دوستانہ ماحول میں مذاکرات کیئے۔

مگر اسی سال جون میں ایک نئ پیش رفت ہوئی روس کی کمیونسٹ پارٹی کے سیکریٹری جنرل برزنیف نے ایشیاء کی اجتماعی سالمی کا اپنا منصوبہ پیش کیا اس منصوبہ کا اصل مقصد چین کے خلاف ایک مشترک بلاک کی تشکیل تھا ظاہر ہے کسی بھی ایسے منصوبے میں پاکستان کی شمولیت کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا تھاچنانچہ اس منصوبہ پر پاکستان کے ردعمل کے بعد روس پاک تعلقات میں فرق پڑنا شروع ہوگیا۔

المیہ 1971ء اور اس کا پس منظر

پاک سوویت دوستی کا عروج وزوال 1969ء میں دیکھنے میں آیا یوں سمجھئے کہ خوش اورخشید اے شعلہ مستعجل بو وان دونوں ممالک کے جس طرح دوستی کا طویل اور دشوار گار سفر کہ مہینوں میں طے کرلیا تھا اسی طرح یہ سفر منزل پر پہنچے بغیر ہفتوں میں ختم ہو گیا بلکہ فاصلہ بجائے گھٹنے کے اور بڑھ گیا۔

ایسا کیوں ہوا؟ اس سوال کا جواب یقیناً سادہ وآسان نہیں سب سے پہلے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نظریاتی لحاظ سے دونوں ملکوں کے مابین ہمیشہ اجنبیت بلکہ منافرت کا ایک گہرا احساس رہا ہے یہی احساس پاکستان کو مغربی طاقتوں خاص کر امریکہ کے قریب لے گیا اور ہندوستان کو روس کی طرف ہندوستان کی نہرو کی ذاتی شہرت کے باعث لادینی سوشلزم کا حامل ملک سمجھا جاتا تھا جب کہ ایک اسلامی ملک کی حیثیت سے پاکستان کا کسی بھی ایسے نظریہ سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوسکتا تھا جس میں لادینیت کا شائبہ بھی ہو یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ پھر پاکستان روس ہی کے ہم عقیدہ اور ہمسایہ ملک چین سے قریب تر اور ہندوستان اس سے چین سے دور تر کیوں ہو گیا اس کے تفصیلی جواب کے لئے ایک علیحدہ بحث درکار ہوگی جس کا سر دست ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ نظریاتی تعلق اور ہمسائیگی خواہ کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو قومی مفاد کے تحفظ اور مصلحت وقت سے بالاتر نہیں ہوسکتا اور ضرورت پڑنے پر جمہوریت پرست امریکہ اور یورپ بھی اشتراکی روس سے عہد و پیمان کر سکتے ہیں لہذا جب اعلان تاشقند کے بعد روس کو یہ احساس ہوا کہ برصغیر میں پاؤں جمانے کے لئے ہندوستان کے شانہ بشانہ پاکستان بھی ضرورت ہے اور پاکستان کو 1965ء میں امریکہ کی بے وفائی کے بعد ایک مضبوط سہارے کی ضورت پڑی تو دونوں ایک دوسرے کے قریب تر آنے لگے البتہ جس عنصر نے قربت کے اس عمل کو تیز تر کردیا وہ مارشل گرز بچکو اور جنرل

یحییٰ کا پیشہ سپاہ گری اور اس سے وابستہ مخصوص فوجی رکھ رکھاؤ ذہن، ہم آہنی ہم مشرقی اور اسٹائل کا سپاہیانہ ادراک ایسے عنصر بھی شامل تھے ایک سپاہی دوسرے سپاہی کی زبان کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے اور اس عمل میں جب منصوب اور عہدہ کی برابری بھی شامل ہو جائے تو پھر یہ اور بھی آسان اور تیز ہو جاتا ہے جنرل یحییٰ اور مارشل گرنچکو کے عہدوں میں اگر ایک درجہ کا فرق تک تھا اور بحیثیت مارشکل گرنچکو یحییٰ سے ایک رینک سینئر تھے تاہم نہ صرف پاکستان آرمی کے سربراہ بلکہ بحریہ اور فضائیہ کے سربراہوں میں بناظر رینک سب سے زیادہ سینئر بھی تھے ان دنوں بحریہ اور فضائیہ کے سربراہوں کا عہدہ بالترتیب وائس ایڈمرل اور ایئر مارشل کا ہوا کرتا تھا کو فوج کی ایک لیفٹیننٹ جنرل تین ستاروں والے جنرل کے مساوی تھا کو رفل جنرل سے ایک درجہ کم۔

مزید برآ ملک کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر سب کو معلوم تھا کہ فیلڈ مارش کے بعد جنرل یحییٰ ہی سب سے مقتدر ہیں چناچہ جب گرتچکو پاکستان تشریف لائے تو ان کا دورہ صرف سفاری آداب کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا بلکہ سپاہیانہ آداب وراوایت اور بے تکلفی میں بھی اپنی مثال آپ بن گیا جنرل یحییٰ نے ان کے اعزاز میں ڈنر دیا تو رات گئے تک ضیافت کا سلسلہ چلتا رہا اور گرنچکو نے کھل کر اعلان کر دیا کہ پاکستان کو اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں مضبوط بنانا ضرویر ہے ہندوستان ک استفسار پر پاکستان میں روسی سفارت خانہ نے اس کی تصدیق بھی کر دی مزیاں برآن مارشل گربچو فوجی وفد کے ایک اور اہم رکن کائس ایڈمرل این آئی سمرنوف نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ بحر ہند میں قیام امن کے لئے مضبوط پاک بحریکہ کا ہونا ناگزیر ہے ایڈمرل سمرنوف سوویت بحریہ کے ڈپی چیف آف اسٹاف تھے ساتھ ساتھ یہ بھی سنا گیا کہ روس نے گوادر کی تعمیر وترقی کا وعدہ بھی کیا ہے روس اس بندگاہ کو خود اپنی آبدوزوں کے لئے بھی استعمال کر سکے گا اور ان آبدوزوں کے لئے جو بھی مستقبل قریب میں وہ پاکستان کو دینے والا تھا ہندوستان یان خبروں پر حسب سابق زبردست احتجاج کیا خود مسز اندرا گاندھی نے یہاں تک کہہ دیا کہ پاکستان کو سوویت اسلحہ کی فراہمی کے نتیجے میں برصغیر میں کشیدگی بڑھے گی اور ہندوستان کے دفاعی بوجھ میں بہت اضافہ ہو جائے گا مگر سوویت یونین نے ایک نہ سنی اور پاکستان کے ساتھ پانی دوستی کو استوار کرتا رہا۔

مگر اسی ساعل عینی 1969ء کے وسط تک حالات ایک دم سے بدلنا شروع ہو گئے اور

روس پاکستان دوستی کا عمل چلتے چلتے رک گیا ہر چند کہ اس عمل میں رخنہ تو اسی وقت پڑا گیا تھا جب اسی سال جن میں لیونڈ برزنیف نے ایشیا کی اجتماعی سلامی کا منصوبہ پیش کیا اور پاکستان نے اس کو بلا تامل مسترد کر دیا تھا اس منصوبہ کی ٹھانی اور رفتار ہی چین کے خلاف تھی جو پاکستان کو کسی طرح منظور نہ تھا مگر نمایاں تبدیلی اس وقت دیکھنے میں آئی جب صدر رچرڈ نکسن اپنے وعدہ پر یا شیاء پرائے اپنے دورہ کے دوران پہلے تو انہوں نے اعلان کیا جس کے مطابق امریکہ نے ایشائی امور سے عملی طور پر علیحدگی کا اعلان کر دیا امریکہ اس قوت تک ویت نام کی جنگ میں بری طرح پھنس چکا تھا اور ہرگز کسی قسم کے جھمیلے میں پھنسنے کو تیار نہیں تھا چنانچہ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اب تمام ایشیائی ممالک اپنی اپنی قومی سلامتی کے خود ذمہ دار ہوں گے اور امریکہ سے اس کا تعلق نہیں ہوگا اپنے اس دورہ کے دوران صدر نکسن ہندوستان اور پاکستان بھی آئے اور اگرچہ دونوں کے ساتھ دوستانہ لہجہ اختیار کیا مگر پاکستان کے ساتھ ان کا برتاؤ نسبتاً زیادہ مربیانہ اور ہمدردانہ تھا انہوں نے کھل کر چین پاکستان دوستی کی حمایت کی جو روس کو کسی طرح بھی گوارہ نہ ہوسکتی تھی اس طرح نہ صرف روس کی ایشین سیکورٹی پلان کی نفی ہوتی تھی بلکہ ایشیاء میں اس کی خارجہ حکمت عملی کا ایک اہم ستون یعنی چین سے ہمہ گیر محاذ آ آئی اور اس کے خلاف اس کے پڑوسیوں کا اجتماع اور اتحاد منہدم ہوکر رہ جاتا تھا جی ڈبلیو چودھری نے تک اپنی کتاب کے صفحہ 42-141 پر یہاں تک لکھا ہے کہ نکسن نے خفیہ طور پر یحییٰ خان سے کہا کہ وہ پیکنگ اور واشنگٹن کے مابین تعلقات کی بحالی کے امکانات کا جائزہ لیں۔

اسی اثناء میں ایک اور پیش رفت ہوئی بظاہر تو مثبت تھی مگر اندر سے منفی مسز گاندھی نے صدر یحییٰ کو معاہدہ عدم جارحیت کی پیش کش کی اور ایک مشترکہ ادارہ کے قیام کا مشورہ دیا جو دونوں ملکوں کے مابین حالات کو معمول پر لانے کے لئے مختلف طریقوں اور پہلوؤں پر غور کرے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کرے مسز گاندھی کی پیش کش میں وہی کشمیر کا پرانا پھندہ تھا یعنی یہ کہ کشمیر کی موجودہ صورتحال کو ہمیشہ کے لئے تسلیم کروا اور سیز فائر لائن کو تھوڑی بہت ترمیمات کے بعد بین الاقوامی سرحد کے طور پر مان لو پس نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری یحییٰ گورنمنٹ نے بڑے تامل کے بعد ہندوستان سے مذاکرات کئے مگر ان کا کوئی بھی نتیجہ نہیں نکلا۔

اپنی پیش کش کی اس طرح کی ناکامی کے بعد مسز گاندھی نے پاکستان کے خلاف سفارتی مہم کو تیز کر دیا۔ کاس مہم کا نکتہ ارتکاز پاکستان سوویت یونین تعلقات تھے جن میں بگاڑ تو پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا اب مسز گاندھی کی مہربانی سے باہمی غیرت کا عمل تیز ہو گیا باالفاظ دیگر جیسے جیسے ہندوستان اس سے قریب تر ہوتا گیا۔ ویسے ویسے پاکستان روس سے دور ہوتا گیا اس پورے عمل میں پاکستان کی اپنی کوتاہی سے بھی کہیں زیادہ پاکستان اور روس کے بڑھتے ہوئے تعلقات کے خلاف ہندوستان کی سعی پیہم کا دخل تھا۔ مسز گاندھی کے ساتھ ساتھ انکے وزیر خارجہ رنیش سنگھ نے اس کارروائی میں ایک اہم رول ادا کیا اور چین پاکستان دوستی کا ہور کھڑا کر کے روس کو پاکستان سے بدگمان کر دیا حالانکہ جہاں تک روس کے ایشیائی اجتماعی سلامتی کے منصوبے کا تعلق تھا تو ہندوستان نے بھی اسے ایک لمحہ کے لئے تسلیم نہیں کیا اور کسی طرح بھی اپنی ناوابستگی کی حکمیت عملی پر حرف نہیں آنے دیا۔

اسی سال ستھر میں ہندوستان کے وزیر خارجہ دنیش سنگھ سرکاری دورہ پر ماسکو تشریف لے گئے ارو وہاں سوویت زعما سے تفصیلی مذاکرات کئے چنانچہ ان کے دورہ کے اختتام پر جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اس سے حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ پاکستان کے خلاف ہندوستان نہ صرف اپنی مہم میں کامیاب ہو چکا ہے بلکہ عملاً روس کے ساتھ باہمی دوستی اور اشتراک کا وہ معاہدہ بھی کر چکا ہے جس کا پہلی بار انکشاف اگست 1971ء میں ہوا یہ وہی تھی جسے ہندوستان کی اپنی نام نہاد ناوابستگی کے باوجود اسے ایشیاء میں روس کا عسکری حلیف اور شریک بنا دیا اعلامیہ میں واضح کر دیا گیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کثری الجہت ہیں اور ایسے حلات میں اس دوستی کی اہمیت اور ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے لہذا آئندہ مسلح تصادم سے بچنے اور دنیا کو بچانے کے لئے یہ ضروری ہے ہ دونوں ملک ہندوستان اور روس ایک دوسرے سے قریب تر ہوں اور انکے تعلقات مستحکم اور ر دوستانہ ہوں۔

ہندوستان نے روس کو اچھی طرح جتا دیا کہ پاکستان کو فراہمی اسلحہ سے برصغیر کا امن میں خطرہ پڑ جائے گا اور سات ہی اعلان تاشقند کا مستقبل بھی مخدوش ہو کر رہ جائے گا طرفہ تماشہ یہ تھا کہ ایک طرف ہندوستان پاکستان کو روسی اسلحہ کی فراہمی کے خلاف سرگرم عمل تھا اور دوسری طرف یہی مہم امریکی اسلحہ کی فراہمی کو روکنے کے لئے بھی شروع کر رکھی تھی چنانچہ جب

ستمبر 69ء میں اپنے دورہ پاکستان کے دوران صدر نکسن نے پاکستان پر سے اس پابندی کو جزوی طور پر ختم کرنے کا اعلان کیا جو فراہمی اسلحہ کے سلسلہ میں 65ء کی جنگ کے آغاز کے فوراً ہی بعد اس پر عائد کر دی گئی تھی تو مسز گاندھی بہت برہم ہوئیں حالانکہ صدر نکسن کے اعلان کے تحت امریکہ کی طرف سے پاکستان کو بیشتر ان ہتھیاروں کے فاضل پرزہ جات ہی دیئے جانے تھے جن کے بغیر وہ ہتھیار بیکار پڑے تھے یا پھر ایسے ہتھیاروں کا بدل مہیا کیا جانا تھا جو جنگ میں ضائع ہو چکے تھے نکسن کی محدود پیش کش میں نئے ہتھیاروں کی فراہمی کا کوئی ذکر نہیں تھا مگر ہندوستان پھر بھی احتجاج پر احتجاج کرتا رہا۔

اکتوبر 71ء میں مسز اگاندھی اور صدر یحییٰ دوانوں ہی اقوام متحدہ کی سلور جوبلی تقریبات کے سلسلے میں امریکہ آئے ہوئے تھے مسز گاندھی نے امریکی وزیر خارجہ ولیم راجرز کو صاف بتادیا کہ وہ امریکہ کی پاکستان کی طرف حکمت عملی سے قطعی مطمئن نہیں ہیں انہوں نے امریکہ کی اس دلدل کو بھی مسترد کر دیا کہ اس کی طرف سے فراہمی اسلحہ کی جزوی بحالی کی ایک بڑی وجہ پاکستان کو بالکل تنہا اور نہتا چھوڑ دیا گیا تو پھر مجبوراً وہ چین ہی کا ہو کر رہ جائے گا جواباً مسز گاندھی نے کہا یہ تو روس بھی کہا کرتا ہے۔

اسی سال نومبر میں صدر یحییٰ چین کے سرکاری دورے پر گئے جہاں ان کا فیقد المثال استقبال کیا گیا چین کے کشمیر اور فرخانہ بند کے تنازعات سمیت پاکستان کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا کہ بیرونی دباؤ سوویت یونین کے باوجود پاکستان چین کے ساتھ دوستی کے راستہ پر مضبوطی سے نبھاتا رہے گا نیز یہ کہ پاک چین دوستی عارضی مصلحت کے تابع نہیں ایک دائمی امر ہے ان اعلان کے بعد سوویت یونین پر واضح ہو گیا کہ پاک چین دوستی میں رخنہ اندازی کی تمام مساعی رائیگاں ہو چکی ہیں اور سوویت یونین ہندوستان سے قریب تر ہو گیا۔

اسی سال مشرقی پاکستان کے ساحلی علاقوں پر طوفان خیز قیامت گزری جس کے باعث وسیع پیمانہ پر آملاف جان و مال ہوا ساتھ ہی اسلام آباد اور ڈھاکہ کے درمیان کشیدگی میں خوفناک حد تک اضافہ بھی ہوا اور ایک عظیم انسانی المیہ کو مرکز اور صوبہ کے مابین تصادم اور محاذ آرکا کا سبب بنا دیا گیا ہندوستان نے کاس کا پوا فائدہ اٹھایا پیکنگ سے واپسی پر صدر یحییٰ نے ڈھاکہ میں مختصر قیام کیا اور آفت زدہ علاقوں کا بذریعہ طیارہ سرسری جازۂ لیا وہ حالات

کی سنگین کا صحیح اندازہ لگانے میں قطعی طور پر نا کامیاب رہے مشرقی پاکستان میں طوفانی بادوباراں کوئی انوکھی بات نہیں تھی یہ طوفان ہمیشہ اور ہر موسم میں آتے ہی رہتے تھے صدر یحییٰ کب سے یہی سمجھ بیٹھے اور موقع پر چند ضروری ہدایات واحکامات دے کر راولپنڈی لوٹ آئے اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب نے دیکھا کہ کس طرح شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے مرکز کو بدترین تنقید کا ہدف بنایا اور عملاً مشرقی بنگال کی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔

جو اندوہناک واقعات پانچ ماہ بعد مارچ 1971ء میں رونما ہوئے ان کا آغاز دراصل نومبر 1970ء میں ہو چکا تھا اور اس میں مشرقی پاکستان کے معاملات میں ہندوستان کی حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی اور مداخلت بھی شامل تھی اس مداخلت کا آغاز پاکستان کے خلاف اور عوامی لیگ یا بنگالیوں کے حق میں ہندوستان کی زبردست پروپیگنڈہ مہم سے ہوا اور جیسے جیسے اسلام آباد اور ڈھاکہ کے مابین کشیدگی میں اضافہ ہوتا گیا اور پیدا شدہ سیاسی خلاء اور ذہنی بعد وسیع تر ہوتا گیا ویسے ویسے مشرقی پاکستان میں ہندوستان کا اثر و عمل بڑھتا گیا۔

ہر چند کہ صدر یحییٰ کا امدادی کارروائیوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے دوبارہ ڈھاکہ گئے انہوں نے وہاں طویل قیام بھی کیا حتیٰ کہ عید کا تہوار بھی وہیں منایا مغربی پاکستان سے امدادکارروائیوں کے سلسلے میں ہیلی کاپٹر کو بھی بھیجے گئے فوج کا بھی بھرپور استعمال کیا گیا اور یوں حالات سنبھلنا شروع ہو گئے اس جدوجہد اور لگن سے بنگالی عوام بڑی حد تک مطمئن اور خوش ہوئے مگر یاست دان خاص کر مجیب الرحمٰن اور ان کی عوامی لیگ اور مولانا بھاشانی نے مرکز کے خلاف اپنی مہم کو جاری رکھا اپنی انتخابی مہم میں عوامی لیگ نے نومبر کے اس طوفان کا خوب خوب فائدہ اٹھایا اور اس کی قدری شکایت خونچکاں کے متواتر بیان کو اپنی مرکز گریز اور منافرت انگیز سیاست کا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

پاکستان میں دسمبر 1970ء کے عام انتخابات کے بعد حالات تیزی سے بدلنا شروع ہو گئے اور سنبھلنے کی بجائے بگڑنے لگے جہاں تک انتخابات کے صحیح اور منصفانہ ہونے کا تعلق تھا اس کی تو ساری دنیا میں دھوم مچی مگر نتیجے میں بجائے قومی استحکام اور عافیت کے عدم استحکام اور عدم عافیت ہی ہاتھ آئے پہلے اقتدار کی تحویل اور بٹوارے کے سلسلے میں بھٹو مجیب جنگ شروع ہوئی پھر صدر اور یحییٰ اور انکے شرکاء نے قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کے انعقاد کی حتمی تاریخ کا تعین اور اس کے اعلان میں لیت ولعل سے کام لیا بالآخر جب

تاریخ 31 کا اعلان کر دیا گیا تو پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئر مین نے ڈھاکہ جانے والوں کی ٹانگیں توڑ کر رکھ دینے کی دھمکی دی خواہ وہ فوجی ہوں یا شہری اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ادھر ہم ادھر تم کا نعرہ لگایا مجیب اپنی صوبائی سیاست میں ایسے الجھے کہ انتخاب مکمل اکثریت حاصل کرنے کے باوجود مغربی پاکستان آنے سے کتراتے رہے حالانکہ خود صدر پاکستان نے انہیں ادھر آنے کی دو تین بار دعوت دی پھر جنوری کے وسطے میں شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کیلئے صدر پاکستان خود ڈھاکہ گئے اور واپسی سے پہلے ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن کا ذکر پاکستان کے ہونے والے وزیراعظم کی حیثیت سے کیا اس کے بعد ڈھاکہ میں بھٹو مجیب مذاکرات ہوئے پھر اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کی تاریخ کا اعلان اس کا التوا اور اس کے نتیجے میں عوامی لیگ کی بغات مجیب یحیٰی بعدزاں مجیب یحیٰی بھٹو مذاکرات اور ان کی ناکامیابی کے بعد فوجی کاروائی کا آغاز شیخ مجیب کی گرفتاری مشرقی بنال کے فوجیوں کی بغاوت اور اس کے بعد خانہ جن کا آغاز روس کے صدر پوڈگرانی کا صدر یحیٰی کے نام اپریل 71ء کا مکتوب اور اس کے جب میں ہمارا نقص سفارتی ردعمل ہندستان کی شہہ پر اور وہاں سے باقاعدہ تربیت یافتہ مکتی باہنی مشرقی پاکستان پر یورش چھاپہ مارا اور اس کے ساتھ کہ ندوستانی توپ خانگی گولہ بارودی اور مکتی باہنی کے چھاپہ ماروں کی مکمل پشت پناہی، تخریب کاری کے عمل میں روز افزوں توسیع آٹھ اگست کو روس بھارتی دوستی اور تعاون کے معاہدہ کا باضبطہ اعلان، پھر مشرقی پاکستان پر چہار اطراف سے بھرپور جنکا آغاز ارک ڈھاکہ میں ہندوستانی فوج کا داخلہ یہ تھیں وہ چھوٹی چھوٹی باتیں جس کی یاددہانی ضروری تھی اگرچہ ان میں سے اکثر کا تعلق بظاہر صرف پاکستان کے اپنے اندرونی معاملات سے تھا مگر ان سب کی پشت پر ہندوستانی مداخلت کھلی یا ڈھکی چھپی کسی نہ کسی انداز میں ضرور کارفرما رہی اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر یہ مداخلت نہ ہوتی اور ہندوستان انجام کار کھلی مسلح جارحیت پر نہ اتر آتا تو مشرقی پاکستان کی مغربی پاکستان سے علیحدگی اور بنگلہ دیش کا قیام ناگزیر ہوتے ہوئے بھی ٹل سکتا تھا یا کم از کم اتنے عرصہ کے لئے ٹالا جاسکتا تھا کہ جوش کی جگہ ہوش لیتا عقل اور سنجیدگی، دیوانی اور نفرت پر قابو پالیتیں اور نہ صرف ایسی کوئی صورت نکل آتی کہ علیحدگی کا عمل بغیر تیسرے فریق کی مداخلت کے طے ہوجاتا بلکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی صورت ہی نکل آتی کہ ملک کے دونوں بازو ایک انتہائی

ڈھیلے ڈھالے بندوبست کے تحت بقائے باہمی کا کوئی طریقہ نکال لیتے مگر ہندوستان نے تو گویا عزم ہی کرلیا تھا کہ اب کسی حالت میں بھی پاکستان کی وحدت کو برقرار نہیں رہنے دیا جائے گا اور باہمی تصادم کے اس عمل کو جو آزادی کے روز اول ہی سے دونوں ممالک کے مابین شروع ہو چکا تھا اب منطقی انجام تک پہنچا کر ہی دم لیا جائے گا۔

یہاں ایک انتہائی اہم پیش رفت کا ذکر برحمل ہوگا یہ مسز گاندھی کا مارچ 71ء کے اوائل میں درمیانہ مدت انتخابات کے انعقاد کا فیصلہ تھا۔ انتخابات میں مسز گاندھی کو کامیابی ہوئی اور ان کے اقتدار میں زبردست اضافہ ہوگا انہوں نے پاکستان کی سالمیت کے خلاف مشرقی پاکستان کے بحران میں جو سخت حکمت عملی اختیار کی اور اسے منطقی نتیجے تک پہنچایا اس کا سرچشمہ وہی مطلق بلکہ آمرانہ قوت تھی جو 71ء کے انتخابات کے بعد انہیں حاصل ہوئی۔

مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے صرف 5 روز بعد اکتیس مارچ 71ء میں ہندوستان کی لوک سبھا نے ایک قرار داد کے ذریعہ پاکستان کی جی کھول کر مذمت کی اور ساتھ ہی سختی سے بتا بھی دیا کہ ہندوستان مشرقی بنگال کے بحران سے لاتعلق نہیں رہے گا ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت کی نفی کی بھلا اس سے بھی بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے قرارداد میں مشرقی پاکستان کی جگہ مشرقی بنگال استعمال کیا گیا گویا فوراً ہی مشرقی پاکستان کے خاتمہ بنگلہ دیش کی تشکیل کی تدصیق کردی گئی۔

المیہ 1971ء معاہدہ شملہ اور اس کے بعد

المیہ 1971ء کا انتہائی اہم اور سنگین پہلو برصغیر کے معاملات میں ہندوستان کا روس کے ساتھ گہرا گٹھ جوڑ اور اسی سال اگست میں 1969ء کے روس ہندوستان معاہدہ دوستی اور باہمی تعاون کا باضابہ انکشاف تھا ہر چند کہ ہندو پاکستان کے امور میں روس کی غیر جانبداری یا ہندوستان کی طرفداری 69ء کے اواخر میں محل نظر ہوگئی تاہم مختلف اسلحوں پر میل ملاپ ارو مذاکرات کا سلسلہ جاری تھا۔ 1969ء میں وزیراعظم کوسیچن پاکستان تشریف لائے 1969ء میں صدر یحییٰ ماسکو تشریف لے گئے مگر جوش وخروش مارچ 1969ء میں مارشل گرنچکو کے قیام پاکستان کے دوران دیکھنے میں آیا وہ آہستہ آہستہ سرد پڑھنے لگا اور خالص سفارتی عمل باہمی اعتماد اور خلوص کے جذبہ پر غالب آنے لگا۔

مشرقی پاکستان میں جنرل یحییٰ کی منصوبہ بندی اور جنرل ٹکا خان بعد میں جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کی حکمت عملی دونوں ہی انتہائی درجہ کی کوتاہ بینی اور کم اندیشی پر مبنی تھیں فوجی ایکشن کے لئے ان کا وقت اور مقام دونوں کا انتخاب غلط ثابت ہوا پھر ایک طرف تو ان کی خوفناک حد تک ناقص منصوبہ بندی تھی اور دوسری طرف یہ کہ خواہ کچھ بھی کیوں ہو وہ اپنے طے شدہ منصوبے سے نہیں ہٹیں گے چنانچہ غلطیوں پر غلطیاں ہوتی رہیں اور وقت تیزی سے نکلتا رہا مگر اصل منصوبہ بندی اور حکمت عملی میں کوئی اہم مقام یا بروقت ترمیم نہیں کی گئی اور معاملات جس خوفناک ڈگر پر چل رہے تھے چلتے رہے کسی نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا حالانکہ ہر طرف شور غوغا برپا تھا مگر الف لیلیٰ کے شہزادہ کی طرح شاید انہیں یہ خوف تھا کہ ادھر انہوں نے مڑ کر دیکھا ادھر پتھر کے ہوئے پاکستانی منصوبہ سازوں کی سب سے بڑی سادہ لوحی اور خوش فہمی یہ تھی کہ وہ اپنے معاملات میں خود کو سو فیصدی مالک ومختار سمجھتے تھے حالانکہ ہندوستان نے فوراً ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کے بحران سے کسی طرح بھی لاتعلق نہیں رہے گا مگر اسے صرف گیدڑ بھبکی سمجھ کر ٹالا گیا دوسرا انہیں پوا اعتماد تھا کہ وہ فوجی کارروائی کے ذریعہ مشرقی پاکستان کے بحران سے نمٹنے

میں پوری طرح کامیاب ہوجائیں گے یہ اعتماد نہ صرف بیجا تھا بلکہ فوج اور اس کے پیشہ ورانہ کردار کے ساتھ سخت ناانصافی بھی تھا۔

شدید بحران کی صورت میں فوج کا مناسب اور بروقت استعمال تو ہوسکتا ہے مگر یہ استعمال جتنی کم مدت کے لئے ہوا اتنا ہی بہتر اور موثر ہوتا ہے بار بار اور لمبے عرصے کے لئے فوجی مداخلت نہ صرف ان کو نسبتاً غیر موثر کر کے رکھ دیتی ہے بلکہ فوج کی پیشہ وارانہ صلاحیت اور عام رویہ کو بری طرح متاثر کر سکتی ہے مشرقی پاکستان میں محدود فوجی کارروائی کا فیصلہ غالباً اصولی طور پر غلط نہ تھا مگر جب یہ عمل طول کھینچ کر لامحدود ہوگیا اور اس کے ذریعہ اس سیاسی خلا کو بھی پر کرنے کی کوشش کی گئی جو خود اسی وجہ سے پیدا ہوا تھا تو حالات تیزی سے بگڑنے لگے اور بگڑتے ہی چلے گئے۔

پاکستان کی ہر غلطی ہر لغزش ہر فرد گزاشت سے ہندوستان نے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا پہلے اقوام عالم کو مشرقی بنگال میں کردہ اور ناکردہ فوجی مظالم کا چرچا کر کے اپنا ہمنوا بنایا پھر پناہ گزینوں کا ہوا کھڑا کر کے انہیں پاکستان کے خلاف اکسایا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ روس کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کر کے اسے مکمل طور پر اپنی طرف کرلیا ہندوستان خواہ کوئی بھی جواز کیوں نہ پیش کرے 1971ء میں روس کے ساتھ اس کے بی سالہ معاہدہ دوستی اور تعاون کی پوری اٹھان فوجی نوعیت کی تھی امریکہ کسے ساتھ جس عسکری نوعیت کی وابستگی کا طعنہ ہندوستان پاکستان کو دیا کرتا تھا اس سے بھی کہیں گہرا تعلق اس نے خود روس کے ساتھ قائم کیا حالانکہ اس معاہدہ کی رو سے تیسرے فریق کا اطلاق بشمول چین کسی بھی اور ملک پر ہوسکتا تھا مگر تصادم کا جو ماحول برصغیر میں بن چکا تھا اس کے بعد اس بارے میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی کہ یہ معاہدہ عملاً کس کے خلاف ہے اور کن حالات میں استعمال کیا جاسکتا ہے معاہدہ کیا معاہدہ یا بندوبست نہیں کرسکتا تھا جو دور سیع کے قومی مفاد میں ہو نہ ہو یا اس کے فوجی مفاد کو نقصان پہنچا سکے معاہدہ کی عسکری نوعیت کی بھلا اس سے زیادہ اور کیا نشاندہی ہوسکتی تھی معاہدہ ایک دیباچہ اور بارہ شقوں پر مشتمل تھا جس کا لب لباب روس ہندوستان کی دوطرفہ بنیادوں پر دوستی اور فوجی نوعیت کا اشتراک تھا۔

جون کے تیسرے ہفتہ میں ہندوستانی توپ خانے مکتنی باہن کے جتھوں کی معاون میں مشرقی پاکستان کے مشرقی اور مغربی علاقوں پر وقتاً فوقتاً گولہ باری بھی شروع کردی یہ ہندوستانی فوجی مداخلت کی کھلی دلیل تھی اور اس کے بعد ہم پر واضح ہوجانا چاہئے تھے کہ اگر خانہ جنگی

نے شدت اختیار کرلی تو ہما مقابلہ مکتی ابانہی کے چھاپہ ماروں اور ایسٹ بنگال رجمنٹ کے بھگوڑوں ہی سے نہیں ہوگا بلکہ انڈین آرمی سے ہوگا یہ وہ وقت تھا جب فوج صوبہ کو شرپسندوں اور تخریک کاروں سے پاک کرنے میں عملاً کامیاب ہوچکی تھی اور پورے صوبہ پر اس کی گرفت کافی مضبوط ہوچکی تھی سیاسی پیش قدمی او پیش رفت کے لئے اس سے بہتر اور کوئی موقع ہو ہی نہیں سکتا تھا جسے کمال بے نیازی سے ضائع کر دیا گیا داخلی امور میں مستقل غلط روی اور انتہائی ناقص حکمت عملی کے باعث جو سیاسی خلا پیدا ہوا تھا اسے جغرافیائی سیاست کے طاقتور ردعمل کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا ہندوستان افواج کی کھلی اور بھرپور جارحیت اسی عمل کا بھیانک نتیجہ اور عبرتناک انجام تھا یاد رکھیں کہ پاکستان جیسے ملک میں جس کی سرحدیں صرف طویل اور کھلی ہیں جبکہ مخالف قوتوں کے نرغے میں بھی ہیں سیاسی عمل اور قوتوں کی کمزوری جغرافیائی سیاست کے عمل دخل کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں اور یہ عمل نفسیاتی اور باقاعدہ دونوں ہی جنگوں کی صورت میں نمایاں ہوسکتا ہے۔

جب اسی سال کے وسط میں پاکستان کے توسط سے امریکہ کے وزیر خارجہ وہنری کسینجر اسلام آباد سے پیکنگ گئے اور ان کے دورہ کے نتیجہ میں امریکہ اور چین کے مابین سفارتی تعلقات کی بحالی کا راستہ ہموار ہوگیا تو ہندوستان اور روس دونوں ہی پاکستان سے بہت زیادہ ناراض ہوگئے چین سے ان دونوں کے تعلقات انتہائی کشیدہ بلکہ معاندانہ تھے اور چین کا دوست ہرگز ان کا دوست نہیں ہوسکتا تھا چین اور پاکستان کی مستقل اور سفارتی مصلحتوں سے پاک دوستی جو پہلے ہی انہیں کھلتی تھی اب اور کھٹکنے لگی ستمبر اکتوبر میں ہندوستان نے مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ کی باقاعدہ تیاریاں شروع کردیں مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر ہندوستانی افواج کا اجتماع ہونا شروع ہوا اور ہرچند کہ پیادہ اور بکتر بند دستوں نے سرحد کو نہیں چھیڑا مگر توپ خانہ پوری طرح عمل میں آ گیا مغرب میں میور سیکٹر میں بینا پول کے سرحدی مقام پر اور مشرقی سیکٹر میں فینی کے مقام پر ہندوستانیوں نے زبردست گولہ باری شروع کردی۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ سرحدوں کی کھلی اور متواتر خلاف ورزیوں کے باوجود پاکستان کی فوجی حکمت عملی عملاً ویسی ہی رہی جو روز اول سے تھی فوجی دستے اس طرح صوبہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسی طرح پھیلے کہ ان کی مرکزیت اور مربوط شکل نہ ہونے کے برابر رہ گئی اور انہیں کہیں وہ مقالی برتری اور قوت حاصل نہ رہی جس کے بل بوتے پر وہ دشمن کے خلاف کوئی مربوط اور فیصلہ کن کارروائی کر سکتے۔

آخر 22-21 نومبر کی درمیانی شب کو ہندوستان نے متعدد اطراف سے مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا یہ شاید عیدالفطر کا دوسرا دن تھا اور پاکستان میں عید کی تقریبات کا سلسلہ ابھی جاری تھا ہندوستان نے عید کے موقع کا کچھ اس طرح فائدہ اٹھایا جس طرح مصر نے 73 اکتوبر کی جنگ کے آغاز میں یہودیوں کے یوم کپر کا اور کم از کم جنگ کے ابتدائی مراحل میں اسرائیلوں کو ایک دم اچھنبے میں ڈال دیا تھا۔

اگرچہ جنرل یحییٰ بارہا اس امر کا اعلان کر چکے تھے کہ مشرقی پاکستان پر ہندوستان کا حملہ پورے پاکستان پر حملہ تصور کیا جائے گا مگر مشرقی پاکستان پر ہندوستان کی کھلی جارحیت کے باوجود مغربی پاکستان میں پتہ تک نہیں ملا اور ہندوستان افواج بیشتر مقامات اور اوقات پر پاکستان افواج سے الجھے بغیر اطراف و جوانب سے ڈھاکہ کی طرف بھڑتی رہیں ان کی تمام اسٹریجی ہی یہی تھی کہ جہاں جہاں پاکستانی افواج نے مضبوط مورچہ بندی کر رکھی تھی ان مقامات سے کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل جاؤ شاہراؤں کی جگہ ذیلی راتوں اور پگڈنڈیوں کو اختیار کرو۔ اصول پر عمل کرو اور جہاں تک بھی ممکن ہو مجھ بغیر اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہو یہ کوئی ایسی انوکھی یا نرالی اسٹریٹیجی نہیں تھی مگر پاکستانی کمانڈر اس میں مات کھا گئے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہی تھی کہ وہ اپنے مین بیس اور مرکز یعنی مغربی پاکستان سے بھی بہت دور انتہائی نا مسد حالات میں باقاعدہ جنگ چھڑ جانے سے بھی بہت پہلے سے مسلسل خانہ جنگی سے دوچار تھے اور دوسری وجہ وہی ان کی حد سے زیادہ بڑھئی ہوئی خود اعتمادی بلکہ انانیت تھی جو خود ان کے اور ان کے ادراک حقیقت کے مابین حائل ہو چکی تھی چنانچہ وہ ہی دیکھ رہے تھے جو دیکھنا چاہتے تھے اور وہی سن رہے تھے جو سننا چاہتے تھے۔یقیناً اس کلئیے یا مفروضے کا اطلاق ہر کمانڈر پر نہیں ہوسکتا مگر خود جنرل نیازی اس کی علامت بن چکے تھے وہ 31 دسمبر عینی شکست سے صرف تین روز قبل اپنے سینے پر ہاتھ مار کر تمام دنیا کو یہ یقین دلاتے رہے کہ ڈھاکہ میں ہندوستان کے ٹینک صرف اور صرف ان کے سینے سے گزر کر داخل ہوں گے۔

مشرقی پاکستان پر ہندوستان کے حملہ کے بارہ تیرہ روز بعد مغربی محاظ پر پاکستانی افواج حرکت میں آئیں مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی مشرقی محاذ پر ہندوستانی افواج اپنی گرفت مضبوط کر چکی تھیں ان کی پیش قدمی کا زور بند چکا تھا ایسی حالت میں اگر مغربی محاذ پر خاطر خواہ

کامیابی بھی ہوتی تو بھی مشرقی محاذ پر اس کا نتیجہ خیز اثر نہیں پڑ سکتا تھا نیز مغربی محاذ پر بھی جو کارروائی ہوئی وہ اتنی محدود غیر مربوط اور بے طانہ تھی کہ آغاز کے ایک ہفتہ کے اندر اندر عملاً ختم ہو کر رہ گئی۔ لاہور اور قصور سیکٹروں میں چند سرحدی گاؤں پر قبضہ کیا کچھ علاقہ چھمب میں حاصل کیا مگر شکر گڑھ سیکٹر میں کئی اہم چوکیاں کھو بھی بیٹھے پاک فضائیہ جس نے 65ء کی جنگ میں آسمان پر پاکستان کے جھنڈے گاڑے تھے نام نہاد پیشگی اور قتل الموذی حملوں کے فوراً ہی بعد کم ہی دیکھنے اور سننے میں آئی بحریہ کا بھی یہی کچھ حال رہا۔

16 دسمبر کو ڈھاکہ میں ہندوستانی افواج داخل ہوئیں۔ ہتھیار ڈالنے کی تقریب منعقد ہوئی 17 دسمبر کو جنرل یحییٰ نے گرجدار آواز میں اعلان کیا کہ مکمل فتح تک لڑائی جاری رہے گی اسی رات مسز گاندھی نے مغربی محاذ پر یکطرفہ فائر بندی کا اعلان کر دیا اور دوسرے ہی دن پاکستان نے ان کی پیش کش کو قبول کر لیا اور فائر بندی کا اعلان کر دیا گیا۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر متحدہ پاکستان کے مسودہ آئین کی نوک پلک درست کی جاری تھی یہ مسودہ آئین چیف جسٹس اے آر کارنیلیس نے مرتب کیا تھا اور اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ وفاقی دارالحکومت چھ ماہ اسلام آباد اور چھ ماہ ڈھاکہ میں رہے گا 18 دسمبر کی صبح کو مسودہ آئین کے متن کا خلاصہ پریس کو جاری کر دیا گیا اس پابندی کے ساتھ شام کے 7 بجے سے پہلے نشر یا شائع نہیں کیا جائے گا مگر اسی روز شام کے ٹھیک سات بج کر پانچ منٹ پر اس کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ہٹا لیا گیا اس وقت تلاوت کلام مجید اور مسودہ آئین کے بارے میں ابتدائی اعلان نشر کئے جا چکے تھے کہ اچانک پروگرام کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا گیا جن حالات میں یہ سب کچھ ہوا وہ علیحدہ داستان ہے جس کا بیان آئندہ کسی مناسب موقع پر کیا جائے گا۔ انشاءاللہ

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ اس پر حقیقت سے کہیں زیادہ کسی بھیانک خواب کا گمان ہوتا ہے یا اللہ کیا تھا اور کیا ہوگا کہاں یحییٰ خان اور نیازی کی وہ گرجدر آوازیں اور بلند و بانگ دعوے اور کہاں یہ ناگفتہ بہ کیفیت کہ حقیقت میں پیروں سے زمین نکل گئی دل و دماغ پر پے در پے ایسی چوٹیں پڑیں کہ دنیا اندھیر ہو کر رہ گئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تا کہ آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں اور کان کیا سن رہے ہیں ہو کیا رہا ہے اس انتہائی پر آشوب اور جسم و جان ہلا کر رکھ دینے والے زمانے میں ایسی آواز بھی سننے میں آئی جس نے خود مجھے بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور آج تک کسی

بھیانک خواب کی آسیبی چیخ کی طرح میر کانوں میں گونجتی رہی ہے۔

7 دسمبر 1971ء کو ہندوستان نے بنگلہ دیش کو منادی یعنی اسے بحیثیت ایک آزاد اور خود مختار ملک کے تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا اسی روز دلی کے لال قلعہ کے سامنے ایک بڑے جلسہ کا اعلان کیا گیا ہے جس سے مسز گاندھی نے خطاب کیا اور متحدہ پاکستان کی دھجیاں اڑانے کے بعد بنگلہ دیش کی آزادی اور راسکو ماننا دینے کا اعلان کر دیا مسز گاندھی کی تقریر سے پہلے مشہور فلمی گلوکارہ لتا منگیشکر نیا نہیں وہاں خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا ترنم سے یہ مصرع پڑھا۔

سرفروشی کی تمنا آج اپنے دل میں ہے

دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

اس کے بعد مسز گاندھی نے اپنی تقریر شروع کی ان کی تقریر میں جو زور تھا اس میں جو تندہی اور تیزی تھی وہ آج تک میرے کانوں میں گونجتی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں چیخ مارنا چاہتا ہوں مگر لاکھ کوشش پر بھی آواز نہیں نکلتی اور منہ یونہی کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔

بہرصورت جنگ ختم ہوگئی پاکستان دولخت ہوگیا پاکستان کے کے سامنے اب دو سب سے بڑے مسائل تھے پہلا تو یہ کہ ہر حالت میں جلد از جلد شکست خوردہ قوم کو شکست خوردگی کے دائمی احساس سے بچایا جائے اور ساتھ ہی قوم کی تشکیل نو کا کام بھی کیا جائے دوسرا یہ کہ سابقہ مشرقی پاکستان سے بانوے ہزار کے لگ بھگ فوجیوں اور شہریوں کو واپس وطن لایا جائے چنانچہ ایک طرف تو آئین سازی اور اذہان کی بحالی کا کام شروع ہوا تو دوسری طرف سفارتی اور ابلاغ عامہ کی سطحوں کی جنگی قیدیوں کی بازیابی اور جنگ سے متاثرہ علاقوں کے تبادلہ کی مہم کا آغاز ہوا ان سفارتی سرگرمیوں کا نکتہ عروج شملہ معاہدہ تھا جس کے تحت فریقین نے ایک دوسرے کے قیدیوں اور مضبوط علاقوں کی واپسی پر اصولی طور پر اتفاق کیا کشمیر کے مسئلہ کو سردست منمد کر دیا گیا اور اسی میں یہ اہم تبدیلی کی گئی کہ سیز فائر لائن کا نام بدل کر رکھ دیا گیا ہر چند کو تبدیلی نام کی منصب سے نقشہ پر کوئی تبدیؒلی نہیں کی گئی مگر سیز فائر لائن کو ترکے کر کے اور ایکچوئل کنٹرول کا نام اختیار کر کے اس مسلح تصادم سے وجود کو جو سیز فائر لائن سے وابستہ تھا بہت کمتر کر دیا گیا مزید برآں اس امر کو بھی واضح طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ اب فریقین اپنے منفشات صرف دوطرفقہ مذاکرات کی بنیاد پر طاقت کے استعمال یا اظہار کے بغیر حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

شملہ معاہدہ کے تحت اکتوبر نومبر میں ایک اعلیٰ اختیار کا فوجی وفد انڈین آرمی کے سربراہ فیلڈ مارشل مانک شاہ کی سرکردگی میں جنگی قیدیوں کی واپسی اور مقبوضہ علاقوں کے تبادلے پر مذاکرات کے لئے لاہور آیا پاکستانی وفد کی قیادت جنرل ٹکا خان چیف آف اسٹاف پاکستان آرمی نے راقم الحروف بھی پاکستانی وفد کا رکن تھا۔ مذاکرات انتہائی خوشگوار ماحول میں ہوئے اور سیالکوٹ سیکٹر میں چکن نیک ایریا کے علاوہ تقریباً تمام معاملات پر اتفاق رائے ہوگیا پاکستانی نقشہ کے مطابق یہ علاقہ جموں وکشمیر کی حدود میں واقع تھا اور چوں کہ ریاست میں واقع مقبوضہ علاقوں کا تبادلہ نہیں ہونا تھا اس لئے پاکستان کے پاس ہی رہنا چاہیئے تھا بکہ ہندوستانی نقشہ کے مطابقہ یہ علاقہ بین الاقوامی سرحد پر واقع تھا اور دیگر علاقوں کے ساتھ انکا بھی تبادلہ ہونا ضروری تھا۔

بالآخر کافی بحث وتمحیص کے بعد ہندوستان کی بات کو تسلیم کرلیا گیا 73ء کے آغاز میں جنگی قیدیوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہوا اور 74ء میں ختم ہوگیا مئی 74ء میں ہندوستان نے اچانک جوہری دھما کہ کیا جس کے باعث برصغیر کے دفاعی اور حفاظتی ماحول میں مزید ایک فتنہ اور پیچیدگی کا اضافہ ہوگیا ہندو پاک تعلقات کا نشیب وفراز بگڑنا اور سنورنا اس طرح چلتا رہا جس طرح روز اول سے چلتا آرہا تھا اور ہنوز اسی ڈگر پر چل رہا ہے بہر حال گونگوں خدشات، غلط فہمیوں، وسوسوں اور پیشگوئیوں کے باوجود فریقین نے ابھی تک جنگ وجدل سے سختی سے احتراز کیا ہے۔

کچھ مستقبل کے بارے میں...... بھارت

آیئے اب ماضی سے ہٹ کر مستقبل پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ آئندہ چند سالوں میں ہندو پاکستان فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی کن ممکنہ خطرات اور مسائل سے دوچار ہو سکتے ہیں میرے جائزہ کی نوعیت خالص تجزیاتی ہے اور اس میں کسی فیصلہ کن پیش گوئی یا ستارہ شناسی کا قطعی کوئی دخل نہیں ہے اس کے باوجود کہ میری راء کی نوعیت کسی طرح بھی حتمی اور محکم نہیں مقدور بھر منطق و استدلال کی رہنمائی اختیار کروں گا۔

ہر چند کہ ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ برصغیر میں تین اور آزاد اور خودمختار ریاستیں بھی ہیں یعنی بنگلہ دیش، نیپال اور بھوٹان مگر جہاں تک مجموعی طور پر برصغیر کے دفاعی اور حفاظتی ماحول کا تعلق ہے۔ مرکزی اہمیت ہندوستان اور پاکستان ہی کو حاصل ہے ہندوستان اور پاکستان رقبہ اور آبادی میں بڑے ہونے کے علاوہ دو ایسے ہمسایہ مما لک ہیں جو خود آپس میں اور اپنے دوسرے ہمسایوں کے ساتھ کسی نہ کسی اور کبھی نہ کبھی تصادم یا حالت تصادم میں رہے ہیں۔ 62ء میں ہندوستان کی چین کے ساتھ جنگ ہوئی 1961ء میں پاکستان کی افغانستان کے ساتھ جنگ ہوتے ہوتے بچی چین کے ساتھ ہندوستان کا سرحدی تنازعہ ابھی تک چل رہا ہے بنگلہ دیش کے ساتھ بھی اس کے تعلقات کسی طرح مثالی نہیں کہے جا سکتے بلکہ آئے دن چھوٹی بڑی سرحدی جھڑپوں کی خبریں آتی رہتی ہیں۔

برصغیر کے ان ہر دو مما لک کی جغرافیائی اور حربی حیثیت مسلم ہے لہذا ان کے ہی حوالہ سے برصغیر کے حربی اور حفاظتی ماحول کا تجزیہ کیا جاتا ہے جو کچھ بھی ان دو ملکوں میں ہوگا اس کا اثر پورے علاقہ کی سلامتی اور استحکام پر پڑنا لازمی ہے سب سے پہلے کہ ہندوستان کو لیتے ہیں جو ہر اعتبار سے برصغیر کا سب سے بڑا اور طاقت ور ملک ہے اسکے علاوہ ہندوستان وہ واحد ملک ہے جس نے آزادی کے بعد نہ صرف اپنے علاقہ کو پھلایا ہے بلکہ اپنے چھوٹے پڑوسی

ممالک خاص کر پاکستان کو گھٹانے اور کمزور کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل میں ہندوستان نے پڑوسی ممالک اور ریاستوں کے جذبات اور احساسات کی کبھی کوئی پرواہ نہیں کی وہاں کے رہنے والوں سے کبھی یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی آخر وہ چاہتے کیا ہیں خواہ وہ حیدرآباد دکن ہو خواہ ریاست جموں وکشمیر خواہ جونا گڑھ، مانگرول، مناودر، خواہ سکم، خواہ سری لنکا اور خواہ مشرقی پاکستان جو ہندوستان کی فوجی طاقت کے بل بوتے پر پاکستان سے علیحدہ ہوا اور بنگلہ دیش کی شکل میں دنیا کے نقشہ پر ابھرا۔

" توسیع پسندی میں ہندوستان کی پالیسی ظالمانہ حد تک واقع اور غیر مشتبہ رہی ہے اس کے تمام پڑوسیوں کو اس سے یہ گلہ رہا ہے کہ اس میں صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ بنگلہ دیش نیپال حتیٰ کہ سری لنکا بھی شامل ہے سری لنکا جنوب ایشیا کے جغرافیائی نظام کا ایک قلعہ ضرور ہے تاہم برصغیر کی حدود سے باہر ہے مگر ہندوستان کے خیال میں باہر نہیں 1983ء کے اواخر میں جب وہاں نسلی فساد کی آگ بھڑک رہی تھی تو مسز گاندھی نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ سری لنکا کے معاملہ سے لاتعلق نہیں رہ سکتیں۔

ہندوستان کے اس احساس برتری اس عظیم طاقتی رنگ ڈھنگ کے باعث اس کے پڑوسی اس سے اکثر نالاں رہتے ہیں خاص کر پاکستان یہ حقیقت ہے کہ اگر ہندوستان ذرا سی فراخدلی سے کام لیتا تو نہ صرف دونوں ملکوں کے مابین کبھی مسلح تصادم کی نوبت ہی نہ آتی بلکہ بہت سے مبصرین کے نزدیک تو بحیثیت ایک فوجی طاقت کے پاکستان کا وجود ہی نہ ہونے کے برابر رہ جاتا یہ ہندوستان ہی کی آئے دن کی دھمکیاں تھیں جس کے باعث پاکستان کو فوجی لحاظ سے ہمیشہ چوکس رہنے پر مجبور ہنا پڑا اور جن سے تنگ آکر ایک موقع پر وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان نے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان سے کہا تا کہ بھئی میں ان روز روز کے جھگڑوں اور دھمکیوں سے تنگ آ گیا ہوں اب آپ ہی ان کا کچھ بندوبست کریں بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ جو ریت شروع ہی سے خود نہرو نے ڈالی تھی وہ آج تک چلی آ رہی ہے اور اگر پاکستان میں پتہ بھی کھڑ کتا ہے تو ہندسوتان شیر آیا، شیر آیا کا ورد شروع کر دیتا ہے۔

ہم چندان اہم مثبت اور نفی پہلوؤں کا مختصر جائزہ لیں گے جو ہندوستان کی قومی امور میں کلیدی اہمیت کے حامل ہیں اور مستقبل میں یقیناً اس کی پالیسیوں پر اثر ڈالیں گے مثلاً مسلح افواج

مستقبل میں ان کی اہمیت اور طاقت کا قدرے تفصیلی جائزہ آگے چل کر لیں گے انحطاط پذیر سیاسی ادارے جس میں شخصیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے چنانچہ جب لیڈر روز یر اعظم مضبوط شخصیت کا حامل ہوتو یہ ادارے بھی موثر اور فعال رہتے ہیں اور اگر کہیں لیڈر کے شخصیت کمزور ہوتو پھر دوسرے بڑھی ہوئی مرکزیت کی جگہ مرکز گریز رجحانات اور قواتیں زور پکڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

نسلی اور مذہبی اقلیتوں کا مسئلہ اس زمرہ میں ابھی تک تو صرف مسلمان ہی شامل تھے مگر اب سکھ بھی پوری طرح شامل ہو چکے ہیں اور غالب امکان یہی ہے کہ مستقبل قریب میں سکھ جاتی کا مسئلہ دئی دہلی کے لئے بڑا دردسر بن جائے گا تیزی سے بڑھی ہوئی آبادی اور غربت کا مسئلہ جس نے ہندوستان کی ہمہ جہت معاشی فنی اور صنعتی ترقی کو عملاً بے معنی بنا دیا ہے نیز دہلی بمبئی، کلکتہ جیسے بڑے شہروں کو اژدھامی کیمپوں اور تنگ تہہ خانوں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔

تیزی سے بڑھتی ہوئی ہندو عبصیت اور بنیاد پرستی اپنی جگہ حقیقت ہیں حکومت خواہ کچھ بھی کرے یا کہے مگر اس کا فرقہ وارانہ سیکولر کردار روز بروز ظاہر و عیاں ہوتا جا رہا ہے ہندوؤں کی بڑی اکثریت میں جنون کی حد تک مذہبی رجحانات جڑ پکڑ رہے ہیں مرکز کے مقابلہ میں صوبوں کی بڑھتی ہوئی مخالفت جس کا موثر ترین مظاہرہ بمبئی آندھرا پردیش کے عالیہ واقعات میں نظر آیا کس طرح آنجہانی مسز گاندھی نے وہاں کے وزیر اعلیٰ راما راؤ کو برطرف کروایا اور پھر کس طرح وہ دوبارہ عوامی اکثریت کی حمایت سے واپس مسند اقتدار پر آئے۔ پنجاب اور آسام کے حالات کو بھی کسی طرح معمول کے مطابق نہیں کہا جا سکتا ہر چند کہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ ہنوز اقتدار سے باہر ہیں مگر جہاں تک ان کی عمومی حمایت اور ہر دل عزیزی کا تعلق ہے وہ نہ صرف اپنی جگہ قائم ہیں بلکہ روز افزوں ہیں مغربی بنگال، تامل ناڈو، بہار کے حالات بھی کسی طرح مرکز کے حق میں نہیں یہ دوسری بات ہے کہ مسز گاندھی کی ڈرامائی موت کی بنیاد پر انتخابات میں کانگریس آئی زیادہ قوت سے واپس آئی ہے۔

مسز گاندنی ایک انتہائی مضبوط اور آہنی ارادے کی مالک لیڈر تھیں وہ آخر وقت تک دھڑلے سے حکومت کرتی رہیں ان کا ہر حکم حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا وہ اس کو منوا کر ہی دم لیتی تھیں۔ ٹی راما راؤ کے معاملہ میں انہیں سبکی اور خفت کا سامنا کرنا پڑا۔

مسز گاندھی کی مضبوط شخصیت کا اجتماعی اداروں کے استحکام اور تقدس پر بہت برا اثر

ہوا۔ خود ان کی پارٹی کی تنظیم اس سے بری طرح متاثر ہوئی اور پوری پارٹی انہی کے نام سے منسوب اوعملاً ان ہی کی مرضی کے تابع ہو کر رہ گئی۔

حکومتی پارٹی کے کردار اور عمل کا اثر پارلیمان پر پڑنا لازمی تھا اور وہاں حزب مخالف اتنی موثر نہیں رہی جتنا کہ ایک متوازن اوصحت مند جمہوری نظام کی ترقی و بقاء کے لئے ضروری ہے جب دلیل نہ ملتی اور منطق جواب دے دیتا تو مسز گاندھی ملک کی سلامتی اور استحکام کا ہوا کھڑا کر دیتی اور مخالف جماعتوں کو ملک کی جڑیں کاٹنے کا الزام دیتیں نسبتاً یہ سب ادارے پہلے کی نسبت بڑی حد تک کمزور ہو چکے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ ان کا انحصار اب اپنی داخلی تنظیم اور قوت سے کہیں زیادہ لیڈر کی شخصیت پر ہے اور رہے گا اگر لیڈر مضبوط ہے تو پھر پارٹی بھی مضبوط ہوگی بصورت دیگر پارٹی کا اللہ حافظ ہے کسی بھی جمہوری نظام کے لئے اس سے بڑی فال بد اور ہو ہی نہیں سکتی خود راجیو گاندھی کا بحیثیت وزیراعظم ہند اور پارٹی لیڈر کے ہنگامی انتخاب پارٹی کے داخل کھوکھلے پن کا کھلا ثبوت ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کی جمہوریت کو خاندانی جمہوریت کہنا کیا بے جا ہوگا قحط الرجال کا اب یہ عالم ہے کہ کل ہند میں قد و قامت اور تشخص کا اب کوئی اور لیڈر نظر نہیں آتا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ چند ماہ یا سال میں ہندوستان کے سیاسی اسٹیج پر کیسے کیسے چہرے نظر آتے ہیں۔

مستقبل کے بارے میں بے یقینی شکوک اور وسوسے سے مسز گاندھی کی چھوڑی ہوئی شاید سب سے زیادہ تکلیف دہ اور خطرناک میراث ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ مسز گاندھی ایک انتہائی جراتمند اور نڈر لیڈر تھیں مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ وہ اپنی تمام سیاسی قابلیت علم اور تجربہ کے باوجود مستقبل کے ادراک اور تصور سے بڑی حد تک عاری تھیں وہ صرف آج کی حقیت سے نبٹنا جانتی تھیں انہیں کل کی فکر نہ تھی جیسے 71ء میں مشرقی پاکستان کا بحران اور اس سے نمٹنے کیلئے فوجی قوت کا بھرپور اور کامیاب استعمال بغیر پرواہ کئے کہ ان کی اس حکمت عملی کے نتیجے میں بنگلہ دیش جو آزاد خودمختار ملک بنے گا خود ہندوستان سے اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی۔ اور پورے برصغیر کے جغرافیائی سیاسی ماحول پر اثر کیا پڑے گا ان کی پوری سیاسی ریئل پولیٹک سراسر جوڑ توڑ اور قوت کے استعمال سے مشتق تھی فلسفہ اخلاف سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اپنے آنجہانی والد کی طرح وہ خواب نہیں دیکھا کرتی تھی بلکہ جو کچھ بھی سوچتی تھیں وہی کر دکھاتی تھیں اور اپنے انسی سالہ دور اقتدار میں انہوں نے یہی کیا۔ 73ء میں

جب حالات نے ان کا ساتھ نہ دیا تو انہوں نے ہنگامی حالات کے اعلان اور نفاذ سے بھی گریز نہیں کیا پریس پر بدترین قسم کی پابندیاں بھی نافذ کیں غرض کہ سیاسی امور میں ان کی حیثیت میا دلی کا شہزادہ اور چانکیہ کے راجہ کی سی تھی۔ اپنے بیٹے سنجے کے انتقال کے بعد انہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے دوسرے بیٹے راجیو کو سیاست کے پاس پھٹکنے نہیں دیں گی مگر وہ خود ہی اس سے پھر گئیں اور راجیو کو نہ صرف سیاست میں لائیں بلکہ انہیں پارلیمنٹ کے رکن کی حیثیت سے منتخب کرا دیا کانگریس آئی کا سیکریٹری جنرل بھی بنایا۔

مسز گاندھی کی ناگہانی موت سے ہندوستانی سیاسی اداروں کو ناقابل بیان نقصان پہنچا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ادارے خود اپنے بل پر کسی طرح اور کب تک کھڑے رہ سکتے ہیں اور اپنی جگہ مجھے رہنے کی وہ کیفیت جو آزادی کے بعد ابھی تک کسی نہ کسی طرح قائم ہے کب تک یونی رہے گا۔

ہندوستان کے متعلق ایک نکتہ بالکل واضح ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ ہندوستان بنیادی طور پر ایک ایسا ملک ہے جس کے بیشتر ادارے اس طرح چل رہے ہیں جس طرح انگریز انہیں چھوڑ گیا تھا خواہ وہ عدلیہ ہو یا پارلیمنٹ ہو پریس ہو فوج ہو، بیوروکریسی ہو، انگریزی زبان ہو یا عام زندگی میں انگریز کا سا کھ رکھاؤ ہو یہ سب کے سب کم وبیش اپنی اصلی حالت میں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں یوں کہ سمجھ لیں کہ انگریز چلا گیا ہے راج چھوڑ گیا ہے جس پر سفید فام کی جگہ کالوں اور بھوروں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ رہنے کی یہ کیفیت بہت عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی اس کی سب سے بڑی وجہ تو ایسی آباد کا امنڈتا ہوا سیلاب اور غربت کا گرداب ہی ہے جس میں ہندوستان کی تمام ترقی اور تعمیر غرق ہو کر رہ گئے ہیں۔ انگریز کے چھوڑے ہوئے ادارے صرف اسی صورت میں موثر ہو سکتے ہیں کہ آبادی اور سماجی انصاف میں معقول توازن ہو یا پھر ایک بیرونی قوت کا مکمل تعاون وسہارا و گرنہ اتنی تیزی سے بڑھتی ہوئی افلاس زدہ آباد کے مسائل کا کیا مداوا ہو سکتا ہے شہری عدالتوں کے مقدمات کو ہی لے لیں کہ لاکھوں کروڑوں بندگان خدا اس میں پھنسے ہوئے ہیں لیکن نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تاریخ پر تاریخ ملتے ہوئے مقدموں ہفتوں سے مہینوں اور مہینوں سے سالوں پر محیط ہو جاتا ہے اور انصاف کی آرزو ہی میں انصاف کا خون ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان ابھی تک ترمیم و تنسیخ کے اس عمل سے نہیں گزرا ہے جس سے

خود پاکستان گزر چکا ہے اور گزر رہا ہے اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پاکستان میں انگریز کے چھوڑے ہوئے اداروں کی کمزوری یا منسوخی کے باعث جو آئینی وقانونی خلا پیدا ہوا ہے ایسے کی حصہ پر نہیں کیا جاسکا۔ یہ امر بجائے خود پریشان کن ہے مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ ہندوستان کی جس ظاہری کیفیت کو دائمی سمجھتا ہے۔ وہ درحقیقت جی کے بہلاوے یا فریب نظر سے زیادہ نہیں۔ اگر ہندوستان میں افلاس اور آبادی میں اسی طرح اضافہ ہوتا رہا اور سیاسی عمل پر ایک یا ایک سے زایدہ افراد کی شخصیات کا اثر بڑھتا ہا تو ہندوستان آئندہ چند سالوں میں غالباً اس صدی کے اختتام سے پہلے اپنے آپ کو ایک ہمہ گیر اور پرتشدد انقلاب کے بھنور میں پھنسا ہوا پائے گا۔

برصغیر میں جس عم کی برت سے آزادی آئی اس کی نوعیت سراسر آئینی تھی اور میں انقلابی عناصر کو تو آزادی کے حصول سے بہت پہلے چن چن کر نکال دیا گیا تا کہ آئینی جدوجہد پر انقلاب کی چھاپ نہ لگ جائے اور انگریز کے ساتھ کہیں انگریز کے نظام کو بھی ایسا نکالنا نہ مل جائے مگر اب جس طور رسکے انگریز کے نظام کو بھی اسا نکالا نہ مل جائے مگر اب جس طو سے انگریزی نظام کے ستون ہل رہے ہیں اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نظام اگر انقلاب کی نظر نہ ہو تو بھی اس میں انقلابی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔

اب یہ ہی ہندوستان کی خارجہ حکمت عملی تو کم از کم مستقبل قریب میں پاکستان ہی کو اس میں مرکزیت حاصل رہے گی اور ہندوستان کی یہی خواہش ہوگی کہ ایک طرف تو پاکستان سے دوطرفہ بنیادوں اور جنوبی ایشیاء میں علاقائی تعاون اور نابستگی کی تحریک کے حوالے سے تعلقات استوار ہوں اور مذاکرات کا دروازہ کھلا رہے اور دوسری طرف پاکستان کو تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑنے کی اپنی پرانی پالیسی پر بھی ڈٹا رہے روس اور ہندوستان کے تعلقات تو پہلے ہی مثالی ہیں امکان غالب ہے کہ وہ چین سے اپنے معاملات درست کرنے کے ساتھ ساتھ امریکہ کی طرف بھی دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا خواہ اس کا مقصد صرف امریکہ اور پاکستان کے مابین بعد اور بیگانگی کی فضا پیدا کرنا ہی کیوں نہ ہو۔

کچھ مستقبل کے بارے میں...... پاکستان

نقشہ پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ پاکستان حربی اور جغرافیائی سیاست کی گود میں بیٹھا ہوا ہے مشرق میں ہندوستان نے جو ہمارا قریب ترین ہمسایہ بھی ہے اور روایتی حیف بھی شمال میں چین ہے جو ہمارا رویتی اور انتہائی بااعتماد دوست اور حلیف ہے شمال مغرب میں افغانستان جہاں سوویت یونین کی مسلح افواج گزشتہ چھ سال سے براجمان ہیں اور اس پیش رفت یعنی افغانستان پر روس کی ورس کے بعد پاکستان کا ور افغانستان کی پرانی حریانہ چشمک نہ صرف ختم ہوگئی بلکہ دونوں ملکو کے عوام مابین اسلامی اخوت اور انسانی دوستی کا مستحکم رشتہ بھی قائم ہو چکا ہے۔مغرب میں بردار ملک ایران ہے جہاں ایک عظیم انقلابی عمل برپا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طویل اور خوفناک حربیاتی عمل بھی جاری ہے ایران عرق جنگ اپنے چھٹے سال میں داخل ہوچکی ہے اور اگر چہ بحثیت ایک مربوط کوشش کے اس جنگ کا زور ٹوٹ چکا ہے تاہم ہنوز کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جنگ کب اور کن حالات میں ختم ہوگی جنوب میں بریہ عرب اور رمزید جنوب میں بحر ہند ہے بحیرہ عرب کے شمال میں خلیج ہے اور خلیج کے مغربی ساحل پر اٹھ عرب ریاسیں واقع ہیں جن میں چھ یعنی کویت ،سعودی عرب ،متحدہ عرب امارات بحرین ،قطر اور عمان تو Gulf Co-op Eration Council کے دفاعی اور اقتصادی بندوبست کے تحت اکھٹے ہوگئے ہیں ۔ جب کہ جنوبی مین کی اور شمالی یمن کی ابھی تک G.C.C کے اجتماعی بندوبست سے باہر ہیں۔

آیئے اب ہم اس جغرافیائی ماحول کی روشنی میں ممکنہ خطرات کا حتمی تجزیہ کرتے ہیں جو آئندہ چند سالوں میں غمارے ملک کو لاحق ہوسکتے ہیں فوجی زبان میں اس عمل کو کہتے ہیں اس قسم کا تجزیہ ہمیشہ چند مفروضات پر مبنی ہوتا

ہے ان مفروضات کی نوعیت محکم اور قطعی نہیں ہوتی تاہم ان کی اساس تصور یا وجدان سے کہیں زیادہ حالات کے بامعنی اوفنی تجزیہ پر ہوتی ہے حالات کے تجزیہ میں جتنا دل ان کی ظاہری شکل اوررخ کا ہوتا ہے اتنا ہی ان تاریخی عوامل اوراثرات کا بھی ہوتا ہے جوان کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں لہذا صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے دونوں ہی کو سمجھنا ضروری ہے۔

اس بیان کی روشنی میں سب سے پہلے ہندوستان ہی کا نام ہمارے ذہن میں آتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ مسز گاندھی کے پس منظر سے یوں اچانک ہٹ جانے کے بعد ہندوستان پاکستان کے تعلقات کے تاریخی پس منظر میں کوئی معقول فرق واقع ہوا ہے یا مستقبل عنقریب میں واقع ہوگا راجیو گاندھی ابھی سیاست کے میدان میں بالکل نووارد ہیں اگران کے جوان کاندھوں پر اتنی سنگینی ذمہ داری آپڑی ہے جو آزمودہ سے آزمودہ سیاستدان کے اوسان خطا کرنے کو کافی ہیں تاہم مستقبل میں اان کی اعلیٰ حکمت عملی یا خودان کے مستقبل کے متعلق کسی قسم کی غیرخوش آئند پیش گوئی نہ صرف ان کے ساتھ زیادتی بلکہ سنگین اور پیچیدہ امور میں بے جا عجلت سے کام لینے کے مترادف ہوگی اورکسی طرح بھی مناسب نہیں معلوم ہوتی سردست جو بات ان کے متعلق قدرے یقین سے کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ آئندہ انتخابات میں اپنی اوراپنی پارٹی کی متوقع کامیابی کے بعدوہ عملاً انہیں پالیسیوں پر قائم رہیں گے جوان کی والدہ کی میراث ہیں اور جہاں تک خارجہ امور کا تعلق ہے ان میں اہم ترین پاکستان کو ہمیشہ کی طرح دباؤ میں رکھنے کی حکمت عملی ہوگی دباؤ میں رکھنے کا مطلب محض نفسیاتی یا سفارتی دباؤ نہیں بلکہ وقت آنے پر مسلح تصادم کا استعمال بھی ہوسکتا ہے اگر ہم اس طریقہ کار کونہرو گھرانے کی ایک پرانی ریت یا رکایت کہیں تو قطعی بے جا نہ ہوگا خود پنڈت نہرو نے یہ طریقہ کشمیر میں استعمال کرنے کے بعد چین کے خلاف استعمال کیا اوراگروہ زندہ رہتے تو شاید 65ء کی جنگ کا سہرا بھی انہی کے سر بندھتا کیوں کہ اس کی بھرپور تیاریاں توان کی زندگی ہی میں چین کے ساتھیوں شکست کھانے کے بعد فوراً ہی شروع کردی گئی تھیں اور 64ء میں ان کے انتقال سے قبل پنج سالہ دفاعی منصوبہ کا اجراء بھی ہوچکا ہے جس کے باعث ہندوستان کے عزائم کے بارے میں پاکستان کے خدشات میں متعدد یہ اضافہ ہوا تھا اوراس طرح ایک طرف ہندوستان کی بڑھتی ہوئی جنگی تیاریاں اور دوسری طرف پاکستان کے بڑھتے ہوئے خدشات نے مل کر جارحیت کے عمل کو تیز تر کردیا مختصر یہ کہ آئندہ بھی ہندوستان کی طرف سے دھونس دھمکی کا سلسلہ جاری رہنے کا قطعی امکان ہے اوراس کے نتیجے میں کسی محدود یا بھرپور جنگی کاررواء کا خدشہ بھی، اس قسم کا عمل کبھی سوچے

سمجھے منصوبہ کے مطابق اور کبھی حالات کے اپنے زوراور دباؤ کے تحت ناگزیر ہوکر رہ جاتا ہے اوراس پرکسی کا مکمل اختیار نہیں رہتا۔

اب اہم اپنی شمالی سرحد کی طرف آتے ہیں اگرچہ بڑے وثوق اوراعتماد سے کہا جاسکتا ہے کہ چین اور پاکستان کے تعلقات آئندہ بھی پہلے کی طرح ہمارااور مستحکم اوردوستانہ رہیں گے مگر بین المملکتی تعلقات میں ثبات جیسی کوئی چیز نہیں ثبات صرف قومی مفادات کو ہوتا ہے خواہ وہ پاکستان کے ہوں یا چین کے اور پاکستان کی مضبوط دوستی کا یہی راہ ہے کہ دونوں ملکوں کے قومی مفادات کبھی متصادم نہیں ہوئے ورنہ پھر کیا وجہ ہے کہ اشتراکی روس سے ہمارے ویسے تعلقات نہیں رہے جیسے اشتراکی چین سے حالانکہ نظریاتی لحاظ سے چین اپنے آپ کو زیادہ بنیاد پرست سمجھتا رہا ہے اورروس کو ترمیمی پسندی کا طعنہ دیتا ہے۔

قابل غور بات یہ یک آج کا چین ماؤ کا چین نہی رہا وہاں روز بروز نت نئ تبدیلی آرہی ہیں ان کی نظریاتی بنیاد پرستی اورکٹر پن بھی ویسے نہیں رہے جیسے تھے اب وہاں مغربی ہتھیار اورسیاحوں کے ساتھ ساتھ مغربی اثر کات بھی آرہے ہیں اور جو نمایاں تبدیلیاں چینیوں کے کام طرز زندگی اور رکھ رکھاؤں میں ہورہی ہیں وہ ہم سب کے سامنے ہیں ادھر ہندوستان بھی چین کے ساتھ اپنے معاملات درست کرنے کی کوشش کررہا ہے بلکہ ہندوستانی دانشوروں اوصحافیوں میں ایک ایسا حلقہ پیدا ہوگیا ہے جواس کوشش میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح چین اور ہندوستان کا سرحدی تنازعہ طے پاجائے خواہ ہندوستان کو اپنے کچھ علاقہ سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونے پڑیں جہاان باتوں سے گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوا یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم ان معاملات کا بغور مطالعہ اورتجزیہ کرتے رہیں اور مستقل خوش فہمی کا شکار ہوکر نہ رہ جائیں۔

اب ہم اپنی شمال مغربی سرحد پرآتے ہیں دنیا کے نقشہ پرہ سرحد افغانستان اور پاکستان ہی کی سرحد ہے مگر سردست یہ پاکستان اورروس کی انتظامی حد فاصل ہے اوراس وقت تک رہے گا جب تک روس کا آخری سپاہی افغانستان سے واپس نہیں چلا جاتا بہت سے مبصرین پاکستان کو روس کے مقابلہ میں فرنٹ لائن اسٹیٹ کہتے ہیں میرے نزدیک یہ نام کس طرح بھی مناسب اور صحیح نہیں فرنٹ لائن یا آگے والی اسٹیٹ ایسے ملک کو کہیں گے جس کا کسی دوسرے ملک کے ساتھ نہ صرف جغرافیائی اتصال ہو بلکہ بعد دشمنی بھی ہو محض جغرافیائی نزدیگی کی بناپرایک کے مقابلہ میں دوسرے ملک کو فرنٹ لائن اسٹیٹ اس وقت تک

نہیں کہہ سکتے جب تک اس میں کشیدگی اور جارحیت کا عنصر شامل ہو ورنہ پھر کیا وجہ ہے روس کے مقابلہ میں یہ نام صرف پاکستان کو دیا گیا ہے جب کہ ایران سے علیحدہ رکھا گیا ہے حالانکہ ایران کی تو بین الاقوامی سرحدیں شمال اور شمال مشرق میں روس کے ساتھ ہی ملتی ہیں جب پاکستان اور روس کی بین الاقوامی سرحدیں کسی مقام پر بھی نہیں ملتیں۔

دوسرا ایک اور غلط نام جو پاکستان کو دیا گیا ہے وہ بفراسٹیٹ یا ملکوں کے مابین عموماً غیر جانبدار او عملاً آزاد خارجکی حکمت عملی سے محروم اریاست کو دیا جاتا ہے اوراس کی حیثیت کا فیصلہ دونوں اطراف میں واقع عموماً بڑے ملک کرتے ہیں مثلاً روس اور برطانیہ نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ افغانستان برطانی ہندوستان اور روس کے درمیان بفراسٹیٹ بن کر رہے گا دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں چھیڑے گا اس طرح افغان کو داخلی استحکام اور سلامتی کی ضمانت مل گئی مگر ساتھ ہی اس کے لےء یہ بھی ضروری ہوگیا کہ وہ خارجی اور دفاعی امور میں ایسی حکمت عملی اختیار نہ کرے جو دونوں ضامن ریاستوں میں سے کسی ایک کے بھی قومی مفاد میں نہ یہ پالیسی اس وقت تک موثر رہی جب تک برطانوی سامراج ہندستان میں براجمان رہا مگر جیسے ہی انگریز نے ہندوستان سے اپنا بوریہ بستر باندھا افغانستان نے ڈیورنڈ لائن کی بین الاقوامی حیثیت کو چلینج کر کے اپنی بفراسٹیٹ حیثیت کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا آزاد پستونشان کا شوشبہ اٹھایا اوراس کے بعد جو مسائل بھی اٹھائے گئے ہمیں ان سب کا علم ہے اس لئے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں مگر انجام کار خود افغنستان اپنے حکمرانوں کی غلط روسی اور کوتاہ بینی کا شکار ہوگیا انہوں نے تو صرف ڈیورنڈ لائن کی مسلم تاریخی حیثیت کو چلینج کیا تھا روس نے تو 27 دسمبر 1979ء کو آمو دریا کی افغان روس بین الاقوامی سرحد کی بین الاقوامی حیثیت کو ختم ہی کر کے رکھ دیا پشتونستان تو کیا بن پاتا البتہ خود افغانس سوویت روس کی گرفت میں آ کر اس وقت تک کے لئے اس کی ذیلی ریاست ضرور بن گیا جب تک کہ روسی افواج ہاں پر براجماتن ہیں آپ نے بفراسٹیٹ کا حشر تو دیکھ لیا اس کے بعد کون پاکستانی چاہے گا کہ خود اس کے وطن کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو افغانستان کے ساتھ ہوا۔

ایک اہم سوال جو یہاں اٹھتا ہے کہ کہ کیا سوویت یونین افواج مزید جنوب کی طرف بڑھ کر پاکستان میں داخل ہونے کی کوشش کریں گی اس سوال کا کوئی دوٹوک جواب تو ممکن نہیں تاہم میں نہیں سمجھتا کہ ایسا ہوگا افغانستان میں فوجی مداخلت کر کے روس پہلے ہی ایک سنگین غلطی کر چکا ہے اور

میں نہیں سمجھتا کہ وہ کسی اور وقت یا مقام پر ایسی غلطی کو دہرائے گا اس سنگنی اور انتہائی اقدام سے روس کو سراسر نقصان ہی ہوا ہے فائدنہیں بھاری اور مسلسل اتلاف جان مال کے عالوہ روس کی انسان دوستی اور تیسری دنیا میں ترقی پسند نصر کے خیر خواہ اور مربی کے امیج کو بھی نا قابل تلافی نقصان پہنچا ہے اور اب عوام الناس میں اس کی حیثیت اوشہریت ایسی ہی ہو کر رہ گئے ہے جیسے کسی بھی اور عظیم تر طاقت کی ہو۔

لہذا جہاں تک روس کی علاقائی توسیع پسندی کا تعلق ہے پاکستان کو اس سے کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہئے مجھے یقین ہے کہ خود افغانستان سے ایک نہ ایک دن روس کو جانا پڑے گا البتہ ایک خطرہ جو آئندہ پانچ دس سال میں پاکستان کو لاحق ہو رسکتا ہے وہ اشترا کی نظریات کے زیر اثر افغاستان کے بدلتے ہوئے حالات سے ہے میرا اپنا اندازہ یہی ہے کہ روسی افواج افغانستان سے صرف اس وقت جائیں گی جب وہاں اشتارا کی نظام جڑ پکڑ چکا ہوگا بالفاظ دیگر افغانستان کا تاریخی اور روایتی شخص اس حد تک بدل چکا ہوگا کہ اسے پہنچانا مشکل ہوگا۔

اس خطرہ میں ایک اور عنصر شامل ہو کر اسے سنگینی تر بنا سکتا ہے اور اس کا تعلق انقلاب ایران اور اس کے ان اثرات سے ہے جو انقلاب کے عبوری عمل سے گزرنے کے ساتھ ساتھ مسقبل اداروں کی شکل اختیار کر لیں گے کا گرچہ انقلاب ایرن کے خدوخال پر گہرا اسلامی رنگ غالب ہے مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ رنگ کب تک اسی طرح چڑھا رہے گا اس میں کلام نہیں کہ اس رنگ کی اصلی رنگینی آیت اللہ روح اللہ امام خمینی اور ان کے معتمدین کے دم سے ہے اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ انجام کار بحثیت ایک خالص عمرانی اور سیاسی نظریہ کے اس کی شکل کیا بنے گی پاکستان جو جس ممکنہ پیش رفت سے خطرہ لاحق ہوسکتا ہے وہ مستقبل کے انقلاب زدہ ریولیشن ایران اور روس گزیدہ افغانستانے مابین نظریای اور جغرافیائی سیاست کی سطح پر اشتراک عمل سے ہوسکتا یادرہے کہ افغانستان اور ایران پڑوسی اور ہم مذہب ہونے کے ساتھ ہم زبان اور ہم مشرب بھی ہیں اور تغیر کے جس ہمہ گیر عمل سے یہ گزر رہے ہیں اس میں ان کا قریب تر آجانا بالکل قدری معلوم ہوتا ہے بظاہر یہ بات بڑی خوش آئند ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ دونوں مما لک اپنے عرب ہمسایوں کے نزیک عجمی ہیں اور آبادی کے لحاظ سے خلیج اور مشرق وسطیٰ کی تمام ریاستوں سے بڑے ہیں ہر چند کہ ایسی صورتحال مبہم اور قیاس معلوم ہوتی ہے مگر اسے خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا

علاقائی تناؤ میں ایران اور افغانستان یا ایک مشترکہ بلاک سے دوطرفہ تعلقات کی بنیاد پر مسائل کے علاوہ پاکستان کے لئے ترجیحات کا مسئلہ بھی پیدا ہوسکتا ہے یعنی وہ فارسی بولنے والے افغانستان اور ایران کے قریب تر ہوں یا طربوں کے یہ الگ بات ہے کہ اس اثناء میں حالات کچھ ایسا پلٹا کھائیں کہ علاقہ کے تمام اسلامی بلاک ہی اسلامی اخوت اور یگانگت کے مضبوط رشتہ میں مربوط ہو جائیں خدا کرے ایسا ہی ہو مگر امید کو تجربہ کی اساس نہیں بنایا جاسکتا۔

رہا پاکستان کی جنوبی سرحد کا تو اس کا بیشتر تعلق بحیرہ عرب اور بحر ہند میں عظیم تر قوتوں کی باہمی رقابت اور بالادست کی دوڑ سے ہے 1969ء تک بحر ہند اور اس کے ذیلی سمندروں میں برطانیہ نے سوئیر کے مشرق کی جانب سے اپنی نوآبادیات کو چھوڑنا شروع کردیا بحر ہند میں اپنے بحری اڈوں کو بند کردیا ڈیگو گارشیا امریکہ کے حوالے کیا عدن پر روس نے تسلط جمایا دوسرے اور چھوڑے بڑے بحری، برتری اور فضائی اڈوں تک بھی امریکہ اور روس نے کسی نہ کسی کشل میں رسائی حاصل کرلی اور اب یہی دونوں عالمی طاقتیں پورے بحر ہند پر چھائی ہوئی ہیں۔

افغانستان پر روس کی فوج کشی کے بعد کا نظریہ آیا اس نظریہ کی رو سے امریکہ کو گویا یہ حق حاصل ہوگیا کہ اگر خلیج اور بحرہ عرب کے علاقہ میں کہیں اس کے لئے قومی مفاد کے لئے کوئی خطرہ پیدا کا تو وہ فوجی مداخلت سمیت ہر قسم کا ربہ استعمال کرسکے گا اس کے بعد امریکہ کی اپنی سریع الرفتار فوج وجود میں آئی اور اب ان افواج کو مجتمع کیا جاچکا ہے تاکہ کسی بھی ہنگامی نوعیت کے حلاتا کا فوری طور پر مقابلہ کیا جاسکے مزید برآں امریکہ اور روس کی جوہری قوت سے چلنے والی آبدوزیں بھی بحر ہند میں داخل ہوچکی ہیں۔

عظیم تر قوتوں کی باہمی رقابت میں پاکستان عملاً غیر جانا ر رہا ہے امریکہ سے دوستی اور 1959ء کے باہمی سلامتی کے معاہدہ کے باوجود پاکستان نے امریکہ کو کسی قسم کے فوجی اڈے دینے احتراز کیا ہے اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ہاتھیوں کی لڑائی سے اپنے آپ کو ممکنہ حد تک دور ہی رکھے گا مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آگے چل کر کسی مرحلہ پر ایسے حلاات پیدا نہیں ہوسکتے جو پاکستان کو یک طرفہ فیصلہ کرنے پر مجبور کردیں روس بہرحال پاکستان کا پڑوسی ہے اور رہے گا امریکہ پاکستان کا دوست ہی اور رہے گا نیز بین الاقوامی میدان میں روس اور امریکہ کا ایک دوسرے کے حریف ہیں اور

رہیں گے چنانچہ پاکستان اگر پڑوسی او دوست کی باہمی چپقلش اوراس کے نتائج سے دور رہنا بھی چاہے تو شاید کسی خاص موقع اورمرحلہ پراس کے لئے یہ ممکن نہ ہو۔

جہاں تک داخلی خطرہ کا تعلق ہے سوکون سا ایسا ملک ہے جواس خطرہ سے دوچار نہ ہو؟ البتہ جس عنصر نے پاکستان کے داخلی خطرہ یا خدشہ کہ پیچیدہ بنادیا ہے وہ داخلی امور میں خارجی اثرات اورقوتوں کا شمول ہے دوسرے الفاظ میں سیاسی اندرونی معاملات میں جغرافیائی سیاست کا نفوذ ہے روس کے حملہ کے نتیجے میں افغانستان سے مہراجیرن کا ایک سیلاب اٹھااور پاکستان اس کی زد میں آگیا بے شک افغان مہراجرین ہمارے بھائی ہیں اوراسلامی اخوت اورانسان دوستی کی بنیادوں پر ہم ان کی جتنی بھی مدد کریں کم ہے مگر جب تک ہیں اوراسلامی اخوت اورانسان دوستی کی بنیادوں پر ہم ان کی جتنی بھی مدد کریں کم ہے مگر جب تک اور جتنے عرصہ کے لئے بھی افغان مہاجرین پاکستان میں موجود رہیں گے ہمارے قومی امور پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہوتے رہیں گے نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ ان ہی کے درمیان ایسے افراد بھی ہیں جومہاجرین کے بھیس میں غیر ملکی ایجنٹ اورتریب کار ہیں اور جن کی کاروائیوں کے نتیجہ میں کبھی پشاوراورکوئٹہ جیسے شہروں میں بم پھٹتے ہیں اور کبھی سرحدوں پر فتنے برپا ہوتے ہیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ مستقبل میں افغان مہاجرین کا کیا بنے گا؟ وہ کب اور کن حالات میں وطن واپس جائیں گے؟ جا بھی سکیں گے یا نہیں؟ بہرحال وہ جب تک بھی یہاں ہیں ہماری قومی زندگی پر اثر انداز ہوتے رہیں گےاوران کے ہوتے ہوئے معاملات کبھی بھی سوفیصدی معمول پر نہیں آسکیں گے۔

ادھر مشرق میں ہندوستان کی طرف سے پناہ گزینوں کی آمد کے امکان کو یکسر رد نہیں کیا جاسکتا جس قسم کا سیاسی خلا اس وقت ہمارے ہاں موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے خدشہ کہ جغرافیائی سیاسی یا خارجی خطرہ ہمارے لئے بڑھے اورانہیں ہمارے داخلی امور میں کھل کھیلنے کا موقع ملے۔

رح

کیا ایک اور راؤنڈ ناگزیر ہے؟

بلاشبہ 71ء تک ہندوستان کے ساتھ پاکستان کا رویہ جارحانہ سہی مگر انتہائی جراتمندانہ اور بے باکانہ ضرور رہا اس میں شک نہیں کہ 65ء کی جنگ تک ہندوستانی دل ودماغ پر مسلمانوں کا وہ تاریخی خوف اور روایتی تصور مستول رہا جس کے مطابق ایک مسلمان کئی ہندوؤں پر بھاری اور فن حرب اور میدان شجاعت میں لاثانی مانا جاتا تھا مگر 65ء کی جنگ کے دورا اور اس کے غیر فیصلہ کن نتیجے کے باعث تاریخ اور روایت کا سحر ٹوٹا تو نہیں البتہ زیادہ موثر نہ رہا ہر چند کہ 65ء کی جنگ ایک ایسی بھرپور دفاعی کوشش تھی جس پر ہر پاکستانی فوجی اور شہری بجا طور پر فخر کرسکتا ہے مگر اس کا نتیجہ وہ نہ نکل سکا جس کی امید وارتوقع تھی سندھ راجستھان کے بے آب وگیاہ صحرا کے علاوہ لڑائی بیشتر پاکستان کے علاقہ میں ہوتی کہی اور ہمارا کوہ خواب اور منصوبہ کہ جنگ شروع ہونے کے صرف چند گھنٹوں کے اندر اندر ہم اسے دشمن کے علاقہ میں لے جائیں گے شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔

71ء میں جو کچھ ہوا ہما کے سامنے ہے حالات خواہ کچھ بھی کیوں نہ رہے ہوں مقابلہ چاہے کتنا ہی غیر مساوی اور ایک طرفہ کیوں نہ رہا ہو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمیں اس جنگ میں شکست ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ہماری تاریخی حربی برتری کا طلسم ٹوٹ گیا ایک سکھ لیفٹینینٹ جنرل جگجیت سنگھ اڑوڑہ کے سامنے ایک مسلمان جنرل امیر عبداللہ ان نیازی، ہلال جات ستارہ جرات، ملٹری کراس وغیرہ نے ہتھیار ڈالے اور ہندوستانی افواج کی سنگینیوں کے سائے تلے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن کر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا۔

71ء جہاں ہمارے لئے ایک عظیم اور ناقابل بیان المیہ تھا وہاں ایک ناقابل فراموش درس عبرت بھی ہے اگرچہ ہم نے اجتماعی اصلاح احوال اور قومی زندگی کی تشکیل نو کیلئے اس درس عبرت سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کیا تاہم شعبہ حربیات میں ہم نے اس سے بہت کچھ سیکھا سمجھا

اور گرہ میں باندھ لیا سب سے پہلے تو ہم نے یہ تسلیم کیا کہ ہندوستان بہرحال ہم سے کہیں زیادہ بڑا اور طاقتور ہے پہلے بھی تھا مگر 71ء کے بعد تو اس کے ساتھ ہمارا کوئی مقابلہ ہی نہیں رہا۔

اچھی بات یہ تھی کہ اس اعتراف میں شکست خوردگی سے کہیں زیادہ حقیقت پسندی کا عنصر شامل تھا ایک ایسی ٹھوس اور عیاں حقیقت جس سے انکار ممکن نہیں تھا ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ہمارے لئے قطعی ممکن یا مناسب نہیں کہ ہر دس سال میں کم از کم ایک بار ہندوستان کو یہ موقع فراہم کریں کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو یا خود ہمیں اس بات پر مجبور کر دے کہ ہم محض پیش بندی کے طور پر اپنے آپ کو اس کے ساتھ کسی باقاعدہ جنگی عمل میں الجھالیں تاہم اس اعتراف حقیقت اس کی مرکزیت اور وہ قوت اور دبدبہ جو اسے مرکزیت کی وجہ سے حاصل ہے بڑی حد تک متاثر ہوگا یہ تصور قوت کمزور پڑ جائے گا ایسی حالت میں جب مرکزیت معرض خطرے میں پڑ جائے اور مرکز گریز رجحانات قومی سے قوی تر ہوتے جائیں تو مسلح افواج ملک کی مرکزیت کی واحد علامت اور نگہبان بن کر ابھرتی ہیں ہم نے خود اپنے ملک میں دیکھا اور ابھی تک دیکھ رہے ہیں ہیں اور اگر بالکل ایسے ہی نہیں تو ان سے ملتے جلتے حالات ہندوستان میں بھی رونما ہونے کا پورا احتمال بلکہ امکان ہے۔

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہندوستان میں عام انتخابات کے بعد راجیو گاندھی کی قیادت کا کیا رنگ ڈھنگ ہوگا؟ اس کی کیا طاقت ہوگی؟ صوبوں پر اس کی کتنی گرفت ہوگی؟ اقلیتوں بالخصوص خالصتان کے مسئلے سے وہ کس طرح نمٹے گی؟ یہ سب ابھی کھلے ہوئے سوالات ہیں اور ان کا کوئی مثبت جواب دشوار ہے البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ راجیو گاندھی کی حکومت اور قیادت اتنی مضبوط اور فعال نہیں ہو سکے گی جتنا کہ خود ان کی والدہ کی تھی مسز گاندھی واقعی ہندوستان کی خاتون آہن تھیں سیاست کے میدان کی پرانی شہسوار تھیں گرم و سرد زمانہ چشیدہ تھیں بڑے رعب اور دبدبہ کی مالکہ تھیں اور ان کا بدل اور ثانی آسانی سے مہیا نہیں ہو سکتا۔

لہذا قومی امکان ہے کہ ماضی کے مقابلہ میں ہندوستان کی آنے والے مرکزی حکومت خاصی کمزور اور نسبتاً غیر موثر رہے گی اور شہیر اور سیاسی امور میں فوج کے استعمال کی ترغیب اور اس کا باقاعدہ استعمال بہت بڑھ جائے گا خود مسز گاندھی میں اپنی مضبوط شخصیت اور طاقت کے باوجود بار بار فوج کے استعمال سے باز نہیں رہ سکیں

انہوں نے آسام میں فوج کا بھرپور استعمال کیا 1982ء کے اوائل میں تو وہاں عملاً مارشل لاء کا نفاذ بھی کر دیا پنجاب میں اس سال کے وسط میں جو کچھ ہوا وہ بھی ہمارے سامنے ہے آپریشن بلیو اسٹار کے تحت جو بھی کارروائی فوج نے دربار صاحب میں کی اس کے نتیجے میں فوج کا کردار ہنوز سخت بحث وتنقید کا موضوع بنا ہوا ہے اگرچہ آپریشن بلیو اسٹار باقاعدہ طور پر اب ختم کیا جا چکا ہے مگر فوجی عمل دخل ابھی تک جاری ہے اور فوجی مداخلت کے باوجود حالات ابھی تک اتنے غیر معمولی ہیں کہ پنجاب میں عام انتخابات نہیں ہو رہے اور یہی حال آسام کا ہے۔

انڈین آرمی کے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل ایس کے سنہا قومی سیاست میں فوج کے بڑھتے ہوئے استعمال اور اثر کی نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ گزشتہ چار سالوں مسز گاندھی کے زیر اقتدار فوج کو شہری امور میں 369 مختلف موقعوں پر استعمال کیا گیا ان میں آسام پنجاب اور کشمیر جیسے بڑے بڑے بحران بھی شامل تھے اور سیلاب زدہ علاقوں میں امدادی کارروائیاں بھی۔مگر بیشتر مواقع پر لاقانونیت کسے نمٹنے کے لئے ہی تو فوج کو استعمال کیا گیا جس کا تعلق سراسر سیاسی امور سے ہی ہوتا ہے۔

ہندوستانی فوج کے متعلق ایک بات ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور وہ یہ کہ چین، روس اور امریکہ کے بعد یہ دنیا کی چوتھی بڑی فوج ہے جدید ترین اسلحہ سے لیس پوری طرح تربیت یافتہ پیشہ ور فعال جنگ آزما اور آزمودہ ایسی فوج کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک طویل مدت تک یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہے اس طرح نہ صرف اس کی پیشہ ورانہ تربیت اور صلاحیت پر برا اثر پڑے گا بلکہ عام کردار رویہ اور رکھ رکھاؤ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے جب بیرونی خطرہ یا دشمن کا ادراک مبہم یا ختم ہو جاتا ہے تو فوج اندرون ملک خطرہ اور دشمن کی تلاش شروع کر دیتی ہے نتیجے میں داخلی سیاسی امور میں اس کا عمل دخل بڑھنے لگتا ہے اور ایک ایسا وقت آتا ہے جب وہ بڑھتے ہوئے انتشار اور لاقانونی کی عام فضا میں خود کو سلامی اور استحکام کا واحد ستون سمجھنے لگتی ہے اور جب بھی سیاسی قیادت کی گرفت ذرا ڈھیلی پڑتی ہے فوج میں اقتدار سنبھالنے کی باتیں ہونے لگتی ہیں اور اکثر یہ سخن گسترانہ مکمل حقیقت کا روپ بھی دھار لیتا ہے۔

میرے اپنے خیال میں انڈین آرمی اب اس مقام پر آ رہی ہے کہ جہاں یا تو ہندوستان کی قیادت کو اس لئے کوئی نہ کوئی پیشہ ورانہ کام مہیا کرنا پڑے گا ورنہ پھر ملک کے اندرونی معاملات یں اس کی بڑھتی ہوئی قوت مداخلت کا خطرہ مول لینا پڑے گا پھر کیا مرکز اور صوبوں کی بڑھتی ہوئی کشمکش کیا غربت اور آبادی کا امڈتا ہوا سیلاب کیا پڑوسی ممالک سے بگڑتے ہوئے تعلقات زیادہ امکان یہی ہے کہ ہندوستان کی قیادت ایسا وقت آ پر جب ان کی سیاست

رد عمل قطعی غیر موثر ہو چکی ہوگی فوج کو پیشہ ورانہ مہم جوئی میں الجھانے سے گریز نہیں کرے گی اس مہم جوئی کا نشانہ اوروں سے پہلے پاکستان ہوگا۔

ہندوستان کوئی امریکہ، روس، سوئٹزرلینڈ، سوئیڈن یا مغربی طاقت نہیں جو اپنی مضبوط حیثیت کے بل بوتے پر بڑی بڑی مسلح افواج کے اخراجات برداشت کرسکے۔ ہندوستان بہرحال ایک غریب ملک ہے اور وہاں کے عوام اپنا پیٹ کاٹ کر مسلح افواج کا بوجھ اٹھاتے رہے ہیں ایسی حالت میں یہ ایک قومی اور گروہی ضرورت ہو جاتی ہے کہ مسلح افواج کچھ کر کے دکھائیں ورنہ پھر ان کا پورا وجود ہی محل نظر ہو جاتا ہے پاکستان میں دفاعی فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ فوج نے قومی امور میں اپنی قوت مداخلت کو موثر کر کے اپنے مسلسل وجود کا جواز پیدا کرلیا ہے اب دیکھئے ہندوستان افواج سے کیا کام لیا جاتا ہے یا وہ از خود اپنے لئے کون سا رول منتخب کرتی ہیں۔ آپریشن بلو استار کی توسیع یا 65ء اور 71ء کی جنگی کارروائیوں کا اعادہ۔

مسز گاندھی نے پاکستان کو امریکی اسلحہ کی فراہمی کے خلاف جو بھرپور مہم شروع کی تھی ہر چند کے ان کے انتقال کے بعد اس میں قدرے کمی آ گئی ہے مگر یہ فرق شعور و جذبے سے کہیں زیادہ انداز کا معلوم ہوتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ باقاعدہ وزارت عظمی کی گدی سنبھالنے کے بعد راجیو گاندھی کا کیا طرز عمل رہتا ہے وہ عقاب کا روپ دھارتے ہیں یا فاختہ کا امکان یہ ہے کہ اگر وہ مرکز میں مضبوط حکومت قائم کرنے میں ناکامیاب ہے تو عسکری روپ میں عقاب کا رول اختیار کرلیں گے اور پاکستان کے خلاف کسی محدود یا غیر محدود جارحانہ مہم کا جواز ڈھونڈ نکالیں گے۔

ایک اور عنصر جو ہندو پاکستان تعلق اور تصادم کی روایتی فضا میں شامل ہوگیا ہے وہ ہندوستان کی جوہری صلاحیت ہے ہندوستان لاکھ اپنے ایٹمی دھماکوں کو پرامن کہے اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس کے پاس دھماکہ خیز ایٹمی قوت ہے اور اس کو لانے لیجانے کے ذرائع ایسی صورتحال میں پاکستان اپنے آپ کو بالکل ہندوستان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا اور اسے بھی حربی توازن کی خاطر پا نجوہری صلاحیت کو بڑھانا پڑے گا یہ ضرور ایک خوفناک عمل ہے مگر اس کے از کا سہرا ہندوستان کے سر بندھا ہے۔

مسز گاندھی مرتے دم تک برصغیر کے افق پر جنگ کی گھنگھور گھٹاؤں کا ذکر کرتی رہیں خدا کرے یہ سیاہ بادل چھٹ جائیں مگر فقط کسی چیز کی تمنا سے وہ چیز مل تھوڑا جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ فی الوقت برصغیر یعنی ہندو پاکستان کے تعلقات کو کسی طرح بھی اطمینان بخش قرار نہیں دیا جا سکتا چنانچہ کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

معلوم یہی ہوتا ہے کہ لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن نے مسلح تصادم کا جو زہریلا پیڑ لگایا تھا اس کی شاخیں اور ٹہنیاں ابھی تک پھیل رہی ہیں اور اس کی جڑ ابھی تک محفوظ و مظبوط ہے۔

پس ازتحریر

ہندوپاکستان کی مختصر مگر ہنامہ خیز تاریخ میں تصادم اور تعاون گویا ایک ہی تصور اور ایک ہی سکے کے دورخ رہے ہیں تاونزید اور زیادہ پائیدار تعاون کی راہ ہموا کرنے کے بجائے اکثر مزید تصادم یا تصادم کی فضا کا محرک اور پیش خیمہ بنتا رہا ہے۔

50ء کے لیاقت نہرو پیکٹ کی ابھی سیاسی بھی خشک نہیں ہونے پائی تھی کہ 51ء کا ہنگامہ فوجی زبان میں کھڑا ہوگیا۔

53ء میں عین اس وقت جب جواہرلعل نہرو اور محمد علی بوگرہ بڑے اور چھوٹے بھائی کا دم بھرتے تھے اور مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے اقوام متحدہ کے تحت کشمیر میں استصواب کے عمل کو بحال کرنے کی کوشش کی جارہی تھی کہ جواہرلال نے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیا نتیجے میں تصادم کی ایک ایسی فضا قائم ہوئی جو انجام کار 65ء کی جس پر جاکر ختم ہوئی۔

جنوری 66ء میں اعلان تاشقند ہوا مگر ابھی اس اعلان کی بازگشت سنی جارہی تھی فریقین اپنے اپنے جنگی نقصانات کی تلافی کے ساتھ ساتھ اسلحہ کی توسیع اور انہیں جدید تر بنانے کی تگ ودو میں لگ گئے۔

دل کی جو بھڑاس 65ء کی جنگ میں نہ نکل سکی اسے ایک اور فیصلہ کن جنگ کی شکل میں نکالنے کی تیاریاں شروع ہوئیں اور اس طرح ایک حربی تصادم دوسرے اور پہلے سے کہیں بڑے تصادم کا سبب بن گیا۔

71ء کی کربلا برپا ہوئی اور اس طرح شکست وریخت کا وہ سلسلہ جس کا تانہ بانہ لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کی مورخہ 3 جون 47ء کی پلان میں بنا اور سرسرل ریڈکلف کے باؤنڈری ایوارڈ میں ہمیشہ کے لئے بری طرح الجھایا جاچکا تھا مزید دراز ہوا پاکستان دولخت ہوگیا ڈھاکہ میں سرنڈر پریڈ ہوئی بانے ہزار پاکستانی فوجی اور شہری جنگی قیدی بنے

اور یوں بالآخر ہندوسان نے اپنے دل کی بھڑاس نکال کر ہی دم لیا۔

جولائی 72ء میں معاہدہ شملہ ہوا اس معاہدہ کی رو پائیدار بلکہ مستقل بند پر برصغیر جواب ہند پاک برصغیر کی بجائے برصغیر جنوب ایشیا ہو چکا تھا میں من کے قیام میں مضمر اور بنیاد دو طریقہ تعلقات اوکر باہمی مفاہمت کے ذریعے مختلف مسائل بشمول مسئلہ کشمیر کے پرامن حل پر دھری تھی مگر شملہ معاہدہ ہوئے ابھی دوسال بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہندوستان نے اپنے جوہری دھماکہ کیا اور اس نہ صرف برصغیر پورے علاقے کی جغرافیائی سیاسی صورتحال اور دفاعی ماحول کو یکسر بدل کرر کھ دیا۔

ہندوستان کے جوہری دھماکے کا پاکستان پر و یہ اثر ہوا جو ہونا چاہتے تھا یعنی کے اپنے ان گہرے خدشات میں جو اسے سدا سے ہندوستان سے لاحق تھے اور اب اضافہ ہو گیا ہندوستان کے اس ایک اقدام نے پاکستان کی تمام تر توجہ کو ایک بار پھر تعقب امن سے ہٹا کر جستجو تحفظ پر مرکو کر دیا۔

ادھر وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے فوج سے فطری اور تاریخی بیزاری کے باوجود پاکستان آرمی کو ایشیاء کی بہتری فوج بنانے کا اعلان کیا اور اس کے لئے باقاعدہ منصوبہ بند شروع کی ادھر ہندستان نے اپنی حربی قوت میں زبردست اضافہ کرنا شروع کر دیا۔

اسے شملہ معاہدہ کا اعجاز سمجھیں یا تیزی سے بدلتی ہوئی بین الاقوامی جغرافیائی سیاست کا کمال اور تقاضہ کہ ہزار خدشات اور اشتعال انگیزی کے باوجود 72ء سے لے کرآ تک ہندوستان اور پاکستان میں حربی تصادم نہیں ہوا تاہم باقاعدہ تصادم کی عدم موجودگی اور سارکا یسی تنظیمات کی تشکیل کے باوجود تصادم کی فضا نہ صرف باقی رہی بلکہ چند مواقع پر اتنی بڑھی کہ دونوں پڑوسیوں کو جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔

سیاچن کا مسئلہ اٹھا سطح سمندر سے بیس بائیس ہزار فٹ اونچے برف پوش گلیشیئر پر محدود مگر انتہائی شدید اور خونین جنگی کاروائیاں ہوئیں جن کے دونوں فریقین کو وہ تمام جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑے جو اس قسم کی کارروائیوں کا ناگزیر حصہ ہوتے ہیں۔

باہمی گفت وشنید کے کئی ادوار کے باوجود سیاچن کا مسئلہ ہنوز جوں کا توں ہے اور کسی وقت بھی بڑھ کر کسی بڑے تصادم کا پیش خیمہ بن سکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے رن کچھ کا ویران ریگ زار 65ء کی جنگ کا پیش خیمہ بنا۔

87-68ء میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ہندوستانی کا فواج کی محض ایک تربیتی جنبشق وہاں کی اعلیٰ فوجی قیادت کی ناقص منصوبہ بندی کے باعث آجانا ایسے سنگین مقام پر آپہنچا کہ پاکستان کے ساتھ باقاعدہ حربی تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا اس وقت مرحوم جرنل ضیاء الحق کی کرکٹ ڈپلومیسی کام کرگئی ورنہ عین ممکن تھا کہ کھیل کھیل میں خون خرابہ ہو جاتا۔

ہندو پاک تصادم کی تاریخ کا ایک اہم اور نمایاں پہلو یہ بھی رہا ہے کہ اکثر بلکہ شاید ہمیشہ ہی چھوٹی چھوٹی رنجشیں حادثہ بن جاتی ہیں اور رن کچھ اور سیاچن جیسے دورافتادہ اور ربڑی فوجی حکمت عملی کے تناظر میں عملاً غیراہم مقامات گویا پوری قوم او پورے ملک کی زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتے ہیں۔

اس پہلو کو یعنی برصغیر کی لامعنونیلیت یا دیوانی کہا جاسکتا ہے ایک ایسی ذہن جس پر شعور سے کہیں زیادہ اجتماعی لاشعور اور تعصب کا اثر غالب چلا آرہا ہے۔ ہند مسلم فرقہ ورانہ عصبیت ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں اور جس کا ازالہ صرف کمال جرات مندی اور حوصلے سے اس کا سامنا کر کے ہی کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی ایک صبر آزاا ور طویل المعیاد عمل کے ذریعہ اس وقت تک ماضی کی طرح یہی چھوٹی چھوٹی لغزشیں حادثے بنتی رہیں گی ہزار سالہ فرقہ ورانہ تعصب کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دینے کے لئے کچھ نہیں تو مزید پچاس ساٹھ سال درکار ہوں گے۔

77ء میں مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق کے برسر اقتدار آن کے بعد خود جنرل موصوف کی ڈپلومیسی کے باعث ہندوستان اور پاکستان کے مابین باقاعدہ تصادم تو نہیں ہوا تاہم مسئلہ سیاچن عملاً اس دور کی پیداوار ہے اور جنگ نہ ہونے کے باوجود دونوں طرف ہتھیاروں کا پھیلاؤ برابر جاری رہا اور آج تک جاری ہے۔

جنرل ضیاء کی المناک موت اور محترمہ بےنظیر بھٹو کے اقتدار اعلیٰ سنبھالنے کے بعد ہندو پاک تعلقات ایک بار پھر غیر معمولی طور پر بہتر ہوتے معلوم ہوئے اس اثناء میں ہندوستان کے وزیراعظم جناب راجیو گاندھی دوبار پاکستان تشریف لائے اوران کے اور وزیراعظم پاکستان کے مابین انتہائی دوستانہ ماحول میں گفت وشنید ہوئی اور تھوڑی دیر کے لئے ایسا لگا کہ اب ماضی اور اس سے وابستہ تلخ یادیں واقعی ہمیشہ ہمیشہ کے پیچھے رہ گئیں۔

اور ایک شاندار مستقبل باز و پھیلائے دونوں ملکوں اور ان کے عوام کا منتظر ہے۔

مگر ماضی اور تاریخ کی کشش ثقل ایک بار پھر دونوں کو پیچھے کی طرف دھکیلتی معلوم ہوتی ہے اور اگر ان کے مابین تصادم یا تصادم کی کیفیت ایک بار پھر ناگیز ہو جائے تو کم از کم مجھے تعجب نہیں ہوگا اگر چہ خواہش اور دعا میری بھی یہی ہے کہ خدا کرے کبھی ایسا نہ ہو۔

ان مضامین میں میں نے غیر منقسم ہندوستان کے آخری وائسرائے منقسم ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ لوئی ماوئنٹ بیٹن کو ہندو پاکستان حربی تصادم کا باوا آدم قرار دیا ہے اگر اس کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں مگر ہوسکتا ہے کہ قائرئین کو اس میں مبالغہ یا سلیت کا کچھ عنصر آئے اور یہ بے جا بھی نہ ہوگا اس میں شک نہیں کہ ہندوستان پاکستان تصادم کی جڑیں ماضی اور تاریخ میں بہت گہری اور دور تک پھیلی ہوئی ہیں ان کی تاریخی ناگزیریت برملا ہے تاہم جہاں تک باقاعدہ حربی تصادم کا تعلق ہے سو یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ کشمیر کا ہندوستان سے حیلہ بہانہ اور زبردستی سے الحق کرا کے اور پھر گونر جنرل ہندوستان ور مسلح افواج سپرم کمانڈر کی حیثیت سے اپنے خاص احکامات کے تحت وہاں فوج کشی کر کے لارڈ ماوئنٹ بیٹن نے آزادی کے صرف ڈھائی ماہ بعد پہلی ہند پاک بگل بجایا ہندوستان کا موقف کہ اس نے اپنی افواج ریاست جموں و کشمیر پر پاکستان قبائلی مشکوں کے تلہ کے جواب میں بھیجیں محض ایک وکالی دلیل اور حجت کے متراف ہوگا کشمیر بہرحال ایک متنازعہ علاقہ تھا اور وہاں باقاعدہ مسلح افواج کا استعمال ہرگز جائز اور مناسب نہ تھا اگر ہندوستان کے نزدیک ہندوستان سے کشمیر کا الحاق واقعی ایک امر مسلمہ تھا تو بھلا اسے خود اپنی پیش رفت پر اقوام متحدہ میں پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیں کہ گاندھی کے ہندوستان کا پہلا سربراہ مملکت برطانیہ کے شاہی خاندان کا ایک ممتاز رکن اور ایک جنگجو سپاہی بنا اس نے پہلے اپنی پارٹیشن پلان قائداعظم محمد علی جناح پر مسلط کی اور پھر سر سرل ریڈ کلف سے گٹھ جوڑ کر کے ورداسپور اور پٹھانکوٹ کے رستے جموں کشمیر اور ہندوستان کے سرے ملا دیئے اس کے بعد کشمیر میں طبل جنگ پر تھاپ دے کر دونوں پڑوسیوں کے درمیان تصادم اور تصادم کی فضا کو ان کی عصر کف تاریخ کا ایک ناگزیر حصہ بنا دیا ماوئنٹ بیٹن کے نام کی تکرار کے پس منظر میں یہی چند وجوہات

اور محرکات کارفرما ہیں۔

کمال ناسپاہی ہوگی اگر آخر میں روزنامہ جنگ کے مدیر کبیر محترم میر خلیل الرحمٰن کا نام نامی نہ لوں میر صاحب نے مجھے اردو میں کالم نویس کی ترغیب اور اپنے موقر مجلّہ میں لکھنے کی دعوت دی جس کے لئے میں ان کا انتہائی ممنون ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔خدا انہیں ہمیشہ خوش رکھے۔

ایں دعا از من از محلّہ جہاں آمیں باد!

عبدالرحمٰن صدیقی

کراچی

رح